قومی کتب خانہ لا

استنبول

محمدؐ سعیدؒ

قومی کتب خانہ

۱۹۔ فیروز پور روڈ، لاہور

استنبول

مصنف : محمد سعید

ناشر : محمد احسن ہمایوں
برائے قومی کتب خانہ، لاہور

طابع : محمد احسن ہمایوں

مطبع : تعمیر پرنٹنگ پریس
۱۹۔ فیروزپور روڈ۔ لاہور

تعداد : تین ہزار ۳۰۰۰

قیمت : اٹھائیس روپے (-/۲۸)

دسمبر، ۱۹۸۳ء

قومی کتب خانہ، ۱۹۔ فیروزپور روڈ لاہور

فہرس

حرفِ آغاز

"اِستنبول" ایک تاریخ بھی ہے اور ایک کہانی بھی ———
تاریخ

یہ اُس دَور کی ہے، جب صحرا کا سینہ نورِ اسلام کی تجلّیوں سے روشن ہو گیا تھا اور ——— ریت کا ذرّہ ذرّہ اپنے کناروں سے باہر آکر، ہر سُو بکھر گیا۔

——— یہی وہ وقت تھا، جب خوش قسمتی مسلمانوں کے قدم چُومنے لگی تھی اور ——— اس وقت نہ تو قرطبہ اور غرناطہ کی فصیلیں اُن کے حملوں کے سامنے بلند رہ سکیں اور نہ ہی مدائن، قاہرہ، دمشق اور بیت المقدس کے دفاعی انتظامات اُن کا راستہ روک سکے تھے اور آخر ——— یہ طوفان قسطنطنیہ کی دیواروں سے آٹکرائے۔

وہ تھوڑی دیر ان دیواروں کے سائے میں رُکے ——— اور پھر اُنہی قدموں اپنے کناروں کی طرف پلٹ گئے، لیکن واپس جانے سے پہلے ——— جس پیام کے وہ امین تھے، اُسے وہ ترکوں کے سپرد کر گئے!

"اِستنبول"

وہی کہانی ہے جو ترکوں کی اس تاریخ کو آگے لے کر چلتی ہے اور "قسطنطنیہ" کی فصیلوں کے گرد گھومتی پھرتی دکھائی دیتی ہے ———

اور اگر، پل بھر کے لیے ــــــ ہم وقت کے اس بہتے دھارے سے
اپنی نظریں ہٹائیں، تو یہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ ــــــ یوروپ کے دروازوں
پر دستک دینے والے
ــــــ یہ عثمانی ترک
ــــــ دراصل اُس عظیم ترک قبیلے کی ایک شاخ ہیں جنھوں نے چنگیزیوں
سے نہ صرف ایشیائے کوچک کی ایک ایک اِنچ زمین واپس لے لی، بلکہ وہ بحیرۂ روم کے
سارے مشرقی اور جنوبی ساحلوں پر بھی فرمانروائی کے پرچم لہراتے رہے ــــــ
اور ــــــ
اُن کے لیے بحیرۂ اسود نے ایک ایسے گھریلو تالاب کی حیثیت اختیار کر لی
جس میں وہ دِن رات اپنے دشمنوں کا شکار کھیلتے تھے۔
ــــــ اور آخر کار انھوں نے کریمیا کے علاقے میں خانِ اعظم ــــــ
چنگیز خاں کے جانشینوں کو فیصلہ کن شکست دے کر، صدیوں تک اپنا غلام بنائے رکھا۔
یہ وہ زمانہ تھا جب ترک ــــــ بغداد میں ہارون اور ہلاکو کی مسند پر متمکن تھے
ــــــ اور وہ نہ صرف سلجوقی مقبوضات کے مالک تھے، بلکہ صلاح الدین
ایوبیؒ کی ساری سلطنت اور وادیٔ نیل پر بھی اُن کا قبضہ تھا!!
سچی بات ہے ــــــ عربوں کا وہ سارا علاقہ جن پر منگول قابض تھے
اب ترکوں کے ہاتھ میں تھا اور اُن کے گھوڑے اس وقت یوروپ کی زمین کو
اپنے سُموں سے پامال کر رہے تھے۔
تاریخ نے اپنا رُخ کئی بار بدلا اور آخر ــــــ یہ محمد ثانی پر آ کر رُک گئی
جس نے ایک بار کہا تھا:
"مجھے قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے خیمہ زن ہو کر جو خوشی نصیب

ہوئی ہے، اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا ـــــ میں حیران ہوں کہ جب یہ شہر فتح ہو جائے گا، اس وقت میری خوشی کا کیا عالم ہو گا۔

یہ وہ جگہ ہے جس کی تسخیر کے لیے سب سے پہلے رسولِ خداؐ کے پیارے صحابی حضرتِ ابوایوب انصاریؓ نے رکاب میں پاؤں رکھا تھا ـــــ یہ وہ شہر ہے جہاں میرا پڑدادا سلطان بایزید یلدرم اور میرا باپ مراد مدّتوں قسمت آزمائی کرتے رہے، لیکن یورپ اور ایشیا ـــــ کے دشمنوں نے انھیں کامیابی سے ہمکنار ہونے کی مہلت نہ دی لیکن آج ـــــ میں محسوس کر رہا ہوں کہ یہی کامیابی مجھے قسطنطنیہ کے میناروں اور صوفیہ کے گنبدوں سے اپنی طرف بُلا رہی ہے!"

اور آخر، وہ دن آگیا، جب ـــــ اسی محمّد فاتح نے ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے ـــــ قسطنطینِ اعظم قیصرِ مینوئیل تک کے تمام رومی سلاطین کے دَور کو نہ صرف اپنے پاؤں تلے پامال کر دیا بلکہ ہلالی پرچم کی راہیں بھی اس پر ہمیشہ کے لیے ہموار کر دیں۔

پہاڑیوں کی گود میں آباد یہ شہر پانچ سو برس تک سلطنتِ عثمانیہ کا دارالخلافہ بنا رہا ـــــ پھر اس کا اسلامی نام "استنبول" رکھ دیا گیا ـــــ استنبول

ـــــ جہاں ایشیا ختم ہو جاتا ہے اور جہاں سے یورپ کی حدیں بھی شروع ہوتی ہیں۔

اور پھر جب سینٹ پیٹر اور سینٹ صوفیہ کے شہر ـــــ قسطنطنیہ کے

گنبد و مینار سے پانچوں وقت اذانیں گونجتی ہیں تو فضائیں محمد فاتح کو سلام کہتی ہیں ـــــ اُسی نے اس خواب کی تعبیر تلاش کر لی تھی جسے صحراؤں میں پلنے والے مسلمانوں نے آٹھ سو برس قبل دیکھا تھا ـــــ وہی اُن کے پیام کا امین تھا اور وہی یورپ کا فاتح قرار دیا گیا۔

استنبول کے مصنّف ـــــ محمد سعید نے اس کتاب میں نہ صرف قسطنطنیہ کے مدّ و جزر پر نظر رکھی بلکہ اُس نے ترکوں کی شاندار تاریخ کو بھی پیشِ نظر رکھا اور ـــــ اس کے ساتھ ساتھ ناول کی ساری دلچسپیوں کو بھی اوجھل نہ ہونے دیا۔

ناول کا یہ الوکھا انداز اگرچہ بے مثل تو نہیں کہا جا سکتا مگر، آپ اسے ایک کامیاب کوشش ضرور کہہ سکتے ہیں ـــــ ایسا اسلوبِ بیان جو وہ "الجزائر" اور "صقلیہ" میں پہلے ہی پیش کر چکے ہیں۔

محمد احسن

۱۴ر فروری ۱۹۷۸ء

پہلا باب

معاہدۂ زیجدین

بوڈا پسٹ میں شاہی محل کے سینٹ نکولاس کے چوک میں ولاڈی سلاس کی طرف سے صلیبی مجاہدوں کی دعوت کا انتظام کیا گیا تھا اور کارڈینل جولین اس کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ بوڈا کی ساری آبادی زرق برق لباس پہنے شہر کے ایک ایک ذرے کو رشکِ جنت بنا رہی تھی۔

ہنگری کی حسین و جوان عورتیں جب اپنے ہاتھوں میں رنگین و معطّر پھولوں سے بھری ہوئی ٹوکریاں اور ہنگری کے ریشمی پرچم لہراتی جولین کے قریب سے گزرتیں تو وہ اُنہیں مسکرا کر دیکھتا، برکت دینے کے لئے اپنا ہاتھ اُٹھاتا، اُن کے شوق کی آگ بھڑکانے کے لئے اپنے چہرے پر تقدس کے آثار طاری کرتا اور پُر وقار آواز میں ایک آدھ پُر جوش فقرہ بھی کہہ جاتا، جسے سُن کر ان لڑکیوں کے رخسار گلاب کی پنکھڑیوں سے زیادہ سُرخ و سفید ہو کر دمک اُٹھتے۔ وہ مسکراتیں اور اپنے رنگین ڈھیلے ڈھالے لباس سنبھالتی پہلے سے کہیں زیادہ جوش و خروش کے ساتھ اپنے کام میں لگ

جائیں۔

بوڈا کی قسمت اچانک جاگ اٹھی تھی۔ آج یہاں برِاعظم یورپ کا وہ متحدہ صلیبی لشکر داخل ہونے والا تھا جس نے پورے دو سو سال کی مسلسل ذلت و ناکامی، ہزیمت اور شکست کے بعد عثمانی ترکوں پر پہلی بار فتح پائی تھی۔ اِس غیر متوقع فتح کو ایک تاریخی یادگار بنانے کے لئے ہنگری کے نامور صلیبی مجاہد، بادشاہ سجمنڈ کا نابالغ ولی عہد ولاڈی سلاس، پاپائے روم ___ پوپ یونی فیس نہم کا خاص نمائندہ کارڈینل جولین اور قسطنطنیہ کے قیصر منوئیل کا ایلچی اُن صلیبی مجاہدوں کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

جہاں ایسی نامور اور معزز ہستیاں اپنے ہاتھوں سے کوچہ و بازار کو سجا رہی ہوں، وہاں شہریوں کا ذوق و شوق دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ جن عورتوں کے بیٹے، بھائی اور خاوند اس جہاد سے فتح مند واپس آ رہے تھے۔ اُنہیں آج ایسے پھولوں کے انتخاب میں انتہائی دشواریاں پیش آ رہی تھیں جنہیں ہاروں میں پرویا اور گلدستوں میں سجایا جاتا۔

جولین عقیدہ پرست رومن کیتھولک عورتوں کے اِن جذبات کو اور زیادہ ہوا دے رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ آنے والے لشکر کا ایسا شاندار استقبال کیا جائے جسے دیکھ کر اِن کمزور دل مسیحیوں کے تن بدن میں رشک و حسد کی آگ بھڑک اُٹھے جو اس صلیبی جہاد میں شریک نہیں ہوئے تھے۔

اُس کی خواہش تھی کہ ایسی مبارک تقریب پر زیادہ سے زیادہ نوجوان جمع کئے جائیں اور اُنہیں موقع دیا جائے کہ فتح مند لشکر اپنے ساتھ میدانِ جنگ سے جرأت و شجاعت اور ایثار و قربانی کی جو ناقابلِ فراموش داستانیں لا رہا ہے وہ اُنہیں غور سے سنیں تاکہ اُن کی رگوں میں بھی مسیحی خون جوش مارنے لگے۔ اُسے یقین تھا کہ ترکوں کے خون سے رنگین نیزے اور تلواریں نوخیز مسیحی نسل کے دل سے اس خوف و ہراس کو دور

کرنے میں بڑی مدد دیں گی جو دو صدیوں کی مسلسل ناکامی اور غلامی کے بعد اُن کے خون کا جُزو بن چکی ہے ❖

O

جولین جب ولاڈی سلاس کے ساتھ شام کے کھانے کے لئے محل میں داخل ہُوا تو اُس کی نظریں تیزی سے اُن لوگوں پر مرکوز ہو گئیں، جو صف بہ صف اُس کے استقبال کی خاطر سر جھکا کر اُس کے سامنے کھڑے تھے۔ اُن میں سے ایک بیس بائیس برس کی ایسی دوشیزہ بھی تھی جس نے ایڑی سے شانوں تک سیاہ ماتمی لباس پہن رکھا تھا۔

جولین جب مصافحہ کے لئے کسی کے سامنے سے گزرتا تو محل کا ایک ملازم بلند آواز سے اُس شخص کا نام اور منصب بتاتا۔ پاپائے روم کے نمائندے جولین کو اس قدر قریب دیکھ کر معزّز مہمان اس کے سامنے جُھک جاتا۔ اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیتا اور اُسے بڑی عقیدت و احترام سے بوسہ دیتا۔

جولین اگرچہ ان لوگوں سے مصافحہ کر رہا تھا مگر اُس کی نظریں بیس برس کی اس دوشیزہ کے چہرے پر مرکوز تھیں جس کے حُسن و شباب کی تپش وہ خود بھی محسوس کرنے لگا تھا۔ چلتے چلتے جب وہ اس دوشیزہ کے سامنے آیا تو محل کا نقیب چلّا اُٹھا:

"کوہستانِ بلقان کی سرحدی ریاست ستارا کے مرحوم نواب لوشو استی کی مظلوم صاحبزادی ـــــ نواب زادی تھیوڈورا! نواب لوشو استی بلغراد کی جنگ سے کچھ پہلے ترکوں کے ساتھ ایک سرحدی جھڑپ میں شہید ہوئے تھے ـــــ نواب زادی تھیوڈورا یہ جذبہ لے کر یہاں آئی ہے کہ صلیب کی تذلیل کا بدلہ لے!"

تھیوڈورا نے لمحہ بھر کے لئے جولین کو دیکھا اور جولین نے تھیوڈورا کو، اس کے بعد تھیوڈورا جھک گئی۔ جولین نے مخصوص روحانی انداز میں ہاتھ بڑھایا ـــــ جو محسوس طور پہ کانپ رہا تھا۔

تھیوڈورا نے جب یہ کانپتا ہُوا ہاتھ ایک مخصوص عقیدت و احترام کے ساتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا تو اس لمس کے ساتھ ہی ایک تیز برقی رَو جولین کے رگ و ریشے میں دَوڑ گئی۔ اور اس سے پہلے کہ وہ جھٹکے کے ساتھ اپنا ہاتھ چھڑا لے۔ تھیوڈورا نے اپنے سُرخ ہونٹ اِس پر رکھ دئے جس کے اثر سے لمحہ بھر کے لئے جولین کے خون کی گردش معطل ہو کر رہ گئی اور اگر تھیوڈورا اپنی فطری حیا کے باعث عجلت سے کام نہ لیتی اور اگر وہ جولین کے ہاتھ سے اپنے ہونٹ تیزی کے ساتھ الگ نہ کر لیتی، تو جولین لازمی طور پر ایک بے جان لاش کی طرح اس کے قدموں میں گر چکا ہوتا۔

جولین نے تھیوڈورا کی شخصیت اور اُس کی قربت کے انقلاب انگیز اثر سے بچنے کے لئے دوسرے مہمانوں سے ملاقات کی آڑ لی اور یہاں سے فارغ ہوتے ہی کھانے کی میز پر نوعمر ولاڈی سلاس کے ساتھ والی کرسی پر جا بیٹھا۔

کھانے کے دوران میں جولین کی حالت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی ـــــ تھیوڈورا نہ صرف اس کے جذبات و محسوسات بلکہ اس کے اعصاب پر بُری طرح سوار ہو چکی تھی، اور اُسے یقین ہو چکا تھا کہ بیس بائیس سال کی یہ کوہستانی دوشیزہ مہلک بارُود کے اس انبار کی حیثیت رکھتی ہے جسے اگر سلیقہ کے ساتھ استعمال نہ کیا گیا تو وہ بذاتِ خود مسیحیت کے لئے ایک مستقل خطرہ بن سکتی ہے۔

اور کھانے سے فارغ ہوتے ہی وہ سینٹ نکولاس چوک کے انتظامات کا جائزہ لینے کے بہانے باہر چلا گیا۔

O

جولین جب وہاں پہنچا تو چاندنی میں کام ہو رہا تھا مگر اُس نے کام کرنے والوں کی ہمت بڑھانے کے لئے کہا:

"دوستو! یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تم آج اُس لشکر کے استقبال کا فخر حاصل کر رہے ہو جس نے یورپ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ترکوں کو شکست دی ہے۔ میری تمنا تھی کہ ہم اپنے ان مجاہدوں کے لئے بوڈا کی ایک ایک روش ایک ایک راستے کو اپنے سینے میں دھڑکتے ہوئے دلوں سے سجاتے اور یہاں کے ایک ایک ذرّے کو اپنی مسرّت انگیز اُمنگوں کا آئینہ بنا دیتے تاکہ آنے والوں کو یقین ہو جاتا کہ وہ ــــــ اُن لوگوں کی حفاظت اور سلامتی کے لئے دُشمن کے نیزوں اور تلواروں کا نشانہ بنتے ہیں جو ایثار، مروّت اور محبت کے جذبات سے بالکل بیگانہ نہیں ہیں۔"

جولین کی باتوں سے کام کرنے والوں کے دل میں تازہ اُمنگ اور نیا ولولہ پیدا ہو گیا، سینکڑوں شمعیں روشن ہو گئیں۔ آدھی رات تک بوڈا میں کام ہوتا رہا اور شہر کے ذرّے ذرّے سے زندگی، مسرّت اور جوانی کے چشمے پھوٹنے لگے۔

بعض لوگ تو کام کرتے کرتے اس قدر تھک گئے تھے کہ آرام کے لئے گھروں تک نہ جا سکے، وہ صلیبی لشکر کے انتظار میں وہیں لیٹ گئے اور جولین سارے شہر کا جائزہ لینے کے بعد مطمئن ہو کر شاہی محل واپس آ گیا۔

ہنگری کا دارالحکومت اس وقت امن و سکون کے جھولے میں جھول رہا تھا۔ رات کے سکوت نے ہر شے کو مدہوش کر دیا تھا مگر جولین کی حسرتیں اور ارمان تڑپ رہے تھے۔ اس کے تصورات کا سلسلہ بحیرۂ روم کے جنوب مشرقی کناروں سے نکل کر ادرنہ ــــــ ایڈریا نوپل ــــــ اور فلسطین کی سرحدوں تک پھیل گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا:

کیا واقعی اور نہ ــــ سلطنتِ عثمانیہ کا دار الخلافہ مسخّر ہو گیا؟ سرزمین یورپ میں عثمانی پرچم ہمیشہ کے لئے سرنگوں ہو گیا؟ مغرب سے مشرق کی طرف جانے والی برّی شاہراہ کے صدر دروازے کی چابیاں مسیحی مجاہدوں کے قبضے میں آگئیں؟ ــــ اور اس کے ساتھ ہی جولین کے پردۂ ذہن پر ایک پوری تاریخ اُبھر آئی:

گزشتہ سات سو برس سے بحیرۂ روم نے صلیب کا ساتھ چھوڑ دیا تھا ــــ پوری چھٹی صدی میں جس سمندر کی لہریں مسیحی بیڑے کو عقیدت و احترام سے اُٹھا اُٹھا کر چومتی تھیں ــ انہی لہروں کے کفن میں چھپ کر یہ بیڑہ بحیرۂ روم کی گہرائیوں میں معدوم ہو چکا تھا' اور اس کی جگہ اسلامی بیڑے نے لے لی تھی۔

جولین کو یہ بھی یاد آ رہا تھا:-

گیارھویں صدی میں جب چنگیزیوں نے سلطنتِ عباسیہ کو تباہ کر دیا اور اس کے کھنڈروں پر چھوٹی چھوٹی ریاستیں اُبھرنے لگیں اور جب عالمِ اسلام ٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانوں کی مانند اس طرح منتشر اور پراگندہ تھا کہ مرکزیت کا تصوّر تک ناممکن تھا۔ اُس وقت یورپ نے قدیم مشرقی برّی شاہراہ کے ذریعے قسطنطنیہ سے انطاکیہ' شام اور فلسطین تک پہنچنے کی کوششیں شروع کر دیں اور گیارھویں صدی کے بعد تمام صلیبی جنگیں اسی شاہراہ پر لڑی گئیں اور یہ وہ زمانہ تھا جب بحیرۂ روم آہستہ آہستہ اسلامی بیڑے سے بیگانہ ہو رہا تھا۔

مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا ــــ مغرب جس برّی شاہراہ کو اپنی ملکیت تصوّر کر رہا تھا اس پر اچانک ایک گمنام قبیلہ عثمانی ترکوں کے نام سے آباد ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے نہ صرف اس شاہراہ پر قبضہ کر لیا بلکہ درّۂ دانیال میں گیلی پولی کے مقام پر اپنی بحری چوکی ڈال کر بحیرۂ روم کی دربانی کرنے لگا۔

اور گزشتہ دو سو برس سے یورپ کو اتنی مہلت ہی نہ دی کہ وہ متحد ہو کر فلسطین کی

طرف پیش قدمی کے خیال کو عملی جامہ پہناتا۔

ماضی کے وسیع صحرا سے نکل کر اب جولین کا طائرِ خیال ۔۔۔ حال کی فضاؤں میں پرواز کر رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا:

"آج سے دو سو سال پہلے اندلس کی بھی بعینہ یہی حالت تھی ۔۔۔ جبل الطارق سے کوہستانِ پیرینیز تک اسلامی پرچم لہرا رہا تھا۔ تارلون، بورڈیو، طورس اور پوئٹیرس عربوں کے گھوڑوں کی چراگاہیں بن چکی تھیں۔ خصوصیّت کے ساتھ غرناطہ اور اشبیلیہ میں تو اسلامی اقتدار کی بنیادیں اس طرح استوار ہوئی تھیں۔ کہ متحدہ یورپ اپنی نجات سے مایوس ہو چکا تھا۔

یاس و ناامیدی کے اِس طوفان میں کنواری ماں نے قشتالہ میں ازابیلا نامی ایسی مذہب پرست مسیحی شہزادی پیدا کر دی، جس نے آخر کار سارے اُندلس کو مسلمانوں کے وجود سے پاک کر کے دم لیا ۔۔۔۔۔۔۔۔ شاید بلقان بھی کوئی ایسی دوشیزہ پیدا کر دے، جو اپنے شعلۂ احساس کی تپش سے بلقانیوں کے دل گرما کر انہیں آزادی اور خود مختاری کی شمع کا پروانہ بنا دے۔

اور اُس کے ذہن کے اُفق پر اس خیال کے ساتھ ہی ایک روشن ستارا چمک اُٹھا جسے اُس نے تھیوڈورا کے لباس میں دیکھا تھا۔

جس طرح قشتالہ کی شہزادی ازابیلا نے فرڈی نَنڈ کے ساتھ مل کر اُندلس کی تاریخ کا رُخ موڑ دیا تھا ۔۔۔ جولین کو اُمید تھی کہ اسی طرح تھیوڈورا بھی جان ہنیاڈی کے ساتھ مل کر بلقان کی تاریخ کو بدلنے میں کامیاب ہو جائے گی ۔۔۔ نہ جانے وہ نیند کی آغوش میں یہ خواب دیکھ رہا تھا یا عالمِ بیداری میں ۔۔۔ کچھ بھی ہو اس کا خواب انتہائی حسین تھا۔

○

بادِ نسیم کے جھونکے بوڈا کے سوئے ہوئے عوام کے لئے انتہائی مسرت انگیز پیغام لا رہے تھے ۔۔۔ سربیا، بوزنیا، دلاشیا، پونیڈ اور ہنگری کے سازندوں نے فتح اور شادمانی کا ایسا راگ چھیڑا تھا جسے ریاست ہائے بلقان کی آبادی تقریباً بُھلا چکی تھی۔

جولین ایک دم اُٹھ بیٹھا ۔۔۔ صلیبی لشکر اب بوڈا کی دیواروں کے قریب آ چکا تھا۔ اور رات کے آخری لمحات میں اُن جنگی سازوں کی دھیمی لَے سے یہ کچھ اِس طرح محسوس ہوتا تھا گویا آسمانی بادشاہت کے زمین کی طرف منتقل ہونے کا وقت آ پہنچا اور خداوند یسوع مسیح، کنواری ماں کے ساتھ عظمت و جلال کے تخت پر بیٹھا روح القدس اور حوروں کے جلو میں آسمان سے آہستہ آہستہ ہنگری کے دارالحکومت میں اُتر رہا ہے۔

جولین اس آواز سے متاثر ہو کر اپنی ذہانت سے بے پروا ہو گیا۔ مگر ایسے عالم میں بھی تھیوڈورا اس کی نظروں میں پھر رہی تھی۔ وہ تیزی سے اُٹھا اور خدمتگار سے کہا "تھیوڈورا کو بُلا لاؤ"۔ اور جب تھیوڈورا اُس کے کمرے میں داخل ہوئی تو جولین نے اُس پر بھرپور نگاہیں ڈالیں ۔۔۔ وہ اُسے اپنے خوابوں کی تعبیر پا رہا تھا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ اُٹھا، مُسکرایا اور اُسے اپنے ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔

O

بوڈا اس وقت تک بیدار ہو چکا تھا ۔۔۔

جولین اور تھیوڈورا دارالحکومت کے صدر دروازے کے قریب شہر کی پہلی عمارت میں آ گئے۔ جنگی باجوں کی آواز اب فصیل کے ساتھ ٹکرانے لگی جس کی صدائے بازگشت میں عوام نے اپنے پُرجوش نعروں سے آسمان سر پر اُٹھا لیا، اور جب ذرا

سکون ہُوا — توجولین نے شاہی محافظ دستے کے سردار کو دروازہ کھولنے کا اشارہ کرتے ہوئے بلند آواز میں کہنا شروع کیا:

"صلیب کے پرستارو! آج کا دن بوڈا کی تاریخ میں رہتی دنیا تک یادگار رہے گا اور سچ پوچھئے تو میرے نزدیک بوڈا کی اہمیت کسی طرح روم سے کم نہیں — یہ برّاعظم یورپ کا وہ خوش نصیب شہر ہے جس میں آج فتح مند مسیحی مجاہدین کا پہلا دستہ داخل ہو رہا ہے!

اور ہنگری، آج — اپنی خوش نصیبی پر جس قدر فخر کرے کم ہے کیونکہ وہ صلیبی جانباز جس نے یورپ کے متحدہ لشکر کی قیادت کرتے ہوئے ترکوں کو زبردست شکست دی، ہنگری ہی کا فرزند ہے —

آؤ! آگے بڑھو اور اُس مجاہد کا استقبال کرو جس نے مسیحیت کی لاج رکھ لی اور جس نے صلیب کو بچا لیا!"

نعروں کی گونج میں صدر دروازہ کھُلا اور سب سے پہلے ہنگری کی آہن پوش سپاہ کا ایک مختصر سا ہراول دستہ اپنے رنگین پرچم لہراتا ہُوا شہر میں داخل ہُوا جس کے پیچھے سربیا، بوزنیا، ولاشیا اور پولینڈ کے چھوٹے چھوٹے دستے رومی طبل کی تھاپ پر قدم رکھتے بڑی شان سے چلے آرہے تھے۔ سب سے پہلے جولین نے پھول برسائے۔ اِس کے بعد عورتیں اور بچے اپنی اپنی جھولیاں خالی کرنے لگے۔

اِن دستوں سے کوئی سو قدم پیچھے ترک جنگی قیدیوں کی قطاریں نظر آنے لگیں۔ سالار مجید سب سے آگے تھا۔ مسیحیوں نے قدیم رومی رسم کے مطابق اُس کی گردن میں تین بھاری طوق ڈالے تھے، جن کے بوجھ سے اُس کی کمر جھک گئی تھی۔ اُس کا سارا اسلحہ عثمانی پرچم میں لپیٹ کر اُس کے سر پر رکھ دیا گیا تھا، اور اُس کے پاؤں میں ایسی وزنی بیڑیاں پڑی تھیں جنہیں وہ بڑی مشکل سے گھسیٹ کر آہستہ آہستہ چل رہا تھا—

مجید کے پیچھے تقریباً بارہ ہزار ترک جنگی قیدی مالِ غنیمت کا سارا سامان اپنے سروں پر اُٹھائے — ندامت سے سر جھکائے، تھکے ہوئے بیلوں کی طرح بوڈاپسٹ میں داخل ہو رہے تھے۔

جو لوگ بے پناہ مسرّت سے بے خود ہو کر فاتح مجاہدوں پر پھول برسا رہے تھے، وہ ان قیدیوں کو دیکھ کر لمحہ بھر کے لئے خاموش ہو گئے — اُن کے سامنے ایک ایسا بدنصیب شکست خوردہ لشکر تھا جو صدیوں سے ایشیا کے شمال، جنوب اور مشرق و مغرب میں دُور دُور تک — بلغراد کی دیواروں تک — فتح کے پھریرے لہرا رہا تھا۔

عوام کی یہ خاموشی اس ہیبت کی غمّاز تھی جو فتح کے باوجود اہلِ بلقان کے دلوں پر چھائی ہوئی تھی۔ جولین نے بوڈاپسٹ میں مجاہدوں کے اِس تاریخی استقبال کا یہ اہتمام صرف اس مقصد کے لئے کیا تھا کہ ہر وہ شخص جو مسیحؑ کا نام لیوا ہے، اپنی آنکھوں سے ان ترکوں کی عاجزی اور بے بسی دیکھ لے۔ وہ آج صلیب کے پرستاروں کو اِس بات کا یقین دلانا چاہتا تھا کہ ترک بھی اِنہی کی طرح گوشت اور پوست کے بنے ہوئے آدمی ہیں اور جس طرح سکندر کی فتح کی ہوئی سلطنت یا روما الکبریٰ کی عظمت تباہ ہو کر رہ گئی۔ بالکل اسی طرح عثمانی سلطنت بھی تباہ ہو سکتی ہے۔ اُس نے بوڈا کے باشندوں کی افسوسناک خاموشی سے متاثر ہو کر بلند آواز میں کہا:

" فرزندانِ تثلیث! یہ حیرت اور خاموشی کے ساتھ تماشا دیکھنے کا وقت نہیں۔ تمہیں شاید ابھی تک اس حقیقت کا یقین نہیں آیا کہ صلیبی مجاہد اپنے ساتھ جس قدر قیدی ہانک کر لے آئے ہیں، وہ عثمانی ترک ہیں جن کے باپ دادا بار بار قسطنطنیہ کا محاصرہ کر چکے ہیں — آج وہ سلطنت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی جس کے بانی نے روم کے مقدّس کلیسا سینٹ پیٹر کو اپنے گھوڑوں کا اصطبل بنانے کی قسم کھائی تھی۔

آج کا دن نہ صرف یورپ کی سیاسی بلکہ مذہبی تاریخ میں بھی رہتی دُنیا تک یاد رہے گا۔ آج جو صلیبی لشکر ہنگری کے دارالحکومت میں داخل ہو رہا ہے، وہ مسیح ؑ کے نام کا محافظ ہے۔ اُس کی صلیب کا محافظ ہے۔ تمہارا فرض ہے کہ اس لشکر کا شایانِ شان استقبال کرو تاکہ مؤرخ یہ لکھنے پر مجبور ہو جائیں کہ ہنگری کے باشندوں نے فتح مند لشکر کو خوش آمدید کہنے میں بے مثال فراخدلی، خلوص اور ایثار کا مظاہرہ کیا۔"

جولین کی باتوں نے ہنگری کے عوام کو ایک نئی دنیا میں پہنچا دیا۔ جب وہ جھولیاں خالی ہو گئیں جو پھولوں سے بھری ہوئی تھیں، تو عورتوں اور مردوں نے اپنے رومال اور زیورات پھینکنے شروع کر دئیے۔ اور جب وہ بھی ختم ہو گئے تو قیدیوں پر پتھر برسنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے اُن راستوں پر پتھروں اور اینٹوں کے انبار لگ گئے۔ جہاں سے یہ جلوس گزر رہا تھا۔ اس سنگباری کے نتیجے میں قیدی زخمی ہو گئے اور قدم قدم پر اُن کے خون کے چھینٹے دکھائی دینے لگے۔

قیدیوں کے پیچھے بھی ہنگری کے سپاہیوں کا ایک اور مختصر دستہ شہر میں داخل ہُوا ـــــ اس کے ساتھ ہی متحدہ یورپ کی فوج کا سالار جان کا روس ہنیاڈی اپنے مخصوص چمکدار خود، سفید لباس اور سفید گھوڑے پر سوار عوام کے پُر جوش نعروں اور عقیدت واحترام کے جذبات کا جواب دے رہا تھا۔ اُس کی عمر مشکل سے تیئیس چوبیس برس ہوگی۔

آج اس شخص کا نام یورپ کے ممتاز سالاروں کی فہرست میں سب سے اُوپر لکھا جا رہا تھا۔ اُس نے سب سے پہلے یورپ کی باہمی جنگوں میں ـــــ جو اٹلی میں لڑی گئیں۔ اپنے سفید خود، صیقل کئے ہوئے چمک دار اسلحہ، سفید لباس اور سفید گھوڑے کی وجہ سے "ولاشیا کے سفید جانباز" کا خطاب حاصل کیا تھا۔

ہنگری کا بادشاہ سجسمنڈ حال ہی میں ترکوں کے خلاف لڑتا ہُوا میدانِ جنگ میں

مارا جاچکا تھا، اور اُس کا بیٹا ولاڈی سلاس ابھی نابالغ تھا۔ ہنیاڑی چونکہ ہنگری ہی کا باشندہ تھا۔ اِس لئے اٹلی کے میدانوں میں حاصل کی ہوئی شہرت کے سبب اُسے ولاڈی سلاس کی نابالغی کے زمانے میں ہنگری کا گورنر اور حکومت کا نگران مقرر کیا گیا تھا۔

اٹلی میں پاپائے روم اپنی آنکھوں سے ہنیاڑی کی شمشیر زنی کے جوہر دیکھ چکا تھا۔ اور بلقان کی تمام ریاستوں کے حکمران یہ سوچنے لگے تھے کہ ترکوں کے خلاف متحدہ محاذ قائم کرنے کے لئے قسطنطنیہ اور روم میں جو اتحادی لشکر تیار ہو رہا ہے، اُس کی قیادت ہنیاڑی ہی کو سونپی جاتے۔ ہرمانسٹڈٹ پر مجید کی یلغار نے یورپ کو اپنے باہمی اختلافات مٹا کر تیزی سے ایک جھنڈے تلے جمع کر دیا تھا۔ اِس علاقے کی مدافعت کے لئے سارے یورپ میں صلیبی جہاد کا نعرہ بلند ہو گیا۔ اِس پروپیگنڈے کے نتیجے میں یورپ کے کونے کونے سے جس قدر مسیحی مجاہد صلیبیں ہاتھ میں پکڑ کر ایک جھنڈے تلے جمع ہوئے۔ ہنیاڑی اُن کا سالار مقرر کیا گیا اور آج مسیحی زعما کو اپنے اس انتخاب پر فخر و غرور کرنے کا موقعہ مِلا تھا۔

گزرتے ہوئے لشکر کو سب دیکھ رہے تھے۔ جولین بھی نوڈا کے صدر دروازے کے قریب سب سے پہلی عمارت کی چھت پر کھڑا تھیوڈورا کو ہنیاڑی کی جرأت و شجاعت کے افسانے سُنا رہا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ ہنیاڑی شہر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے میرے پاس آئے گا۔ میرے سامنے عقیدت و احترام سے جھک جائے گا۔ ایک سچے مسیحی کی طرح آئندہ کی کامیابیوں کے لئے مجھ سے دُعا و برکت کا طالب ہو گا، اور وہ نظارہ دیکھنے کے قابل ہو گا جب سلطان مراد پر فتح پانے والا، عثمانی سلطنت کو یورپ اور ایشیا کے نقشوں سے حرفِ غلط کی طرح مٹانے والا۔ بہادر نوجوان' جولین کے قدموں میں جھکا ہوا ہو گا۔

مگر ہنیاڑی نے اپنی جوانی کے عالم میں ایسی کامیابی حاصل کی تھی کہ جولین، قیصر

مینویل اور خود پوپ بھی اُس کی نظروں کے سامنے کوئی اہمیت نہ رکھتے تھے۔ قیصر کو قیصر اور پوپ کو پاپائے اعظم کی حیثیت میں زندہ اور سلامت رکھنے والا شخص ہنیاڑی ہی تھا۔ وہ اسی فاتحانہ مسکراہٹ اور بے نیازی کے عالم میں جولین کے سامنے سے گزر گیا۔

اس وقت اُسے تھیوڈورا کے حُسن کا سیلاب روک سکا اور نہ جولین کی رعونت، اور جب وہ نظروں سے ذرا اوجھل ہو گیا تو جولین نے اپنی آنکھیں مَلیں۔ وہ کبھی یہ تصوّر بھی نہ کر سکتا تھا کہ ہنیاڑی اس بے پروائی کے ساتھ اُسے نظرانداز کر دے گا۔ بہر حال اُسے اتنی خوشی ضرور تھی کہ وہ اس سرکش نوجوان کو جو قیمتی تحفہ پیش کرنا چاہتا تھا، وہ ابھی تک اُس کے پاس تھا۔ اگر تھیوڈورا جولین ہی کے پاس رہی تو ہنیاڑی ایسے کئی سالار اپنے آپ کھنچ کر اُس کے قدموں میں آ جھکیں گے۔

○

ہنیاڑی کے شہر میں داخل ہوتے ہی فتح کا جشن اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ پُرجوش نعرے لگا لگا کر عوام کے گلے بیٹھ گئے۔ پھول اور پتّھر برسانے والوں کے بازو شل ہو گئے، دوپہر تک فاتح اور مفتوح سپاہیوں کا جلوس سارے شہر میں چکّر لگانے کے بعد شاہی محل کے سامنے سینٹ نکولاس کے چوک میں آ کر رُک گیا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں ہنگری کے نوعمر بادشاہ کی طرف سے فاتح ۔۔۔ یا ۔۔۔ صلیبی لشکر کی دعوت کا انتظام کیا گیا تھا اور یہی وہ جگہ تھی جسے بذاتِ خود جولین نے اپنے ہاتھوں سے سجایا تھا۔

ترک قیدی میدان میں ایک جگہ جمع کر دئیے گئے۔ ان کے اردگرد ان فتحمند سپاہیوں نے گھیرا ڈال لیا۔ میدان کے چاروں طرف شامیانے تانے گئے تھے اور

شمال کی طرف ــــ جہاں سے چند قدم دُور شاہی محل کی سیڑھیاں بخوبی نظر آتی تھیں۔ فوجی سرداروں اور بلقان کے اُمراء کے لئے کرسیاں بچھائی گئی تھیں۔

جان ہنیاڑی کے لئے ولاڈی سلاس کے بائیں ہاتھ مرصّع کرسی رکھی گئی، جس کے ساتھ قیصرِ روم کے نمائندے کی کرسی تھی۔ ولاڈی سلاس کے داہنے پہلو میں کارڈینل جولین اپنے مخصوص کلیسائی لباس میں بیٹھا تھا، اور جولین کے ساتھ تھیوڈورا ــــ جو ابھی تک اپنے سیاہ ماتمی لباس میں ملبوس تھی۔ ترک قیدیوں کے ہجوم سے ذرا اُس طرف ریاست ہائے بلقان کی حسین لڑکیاں گلاب کے کھلے ہوئے پھولوں کی طرح معطّر تھیں اور جنگی قیدیوں کے دونوں پہلوؤں پر فوجی ساز بج رہے تھے۔ جن کی لَے سے بجانے والوں کے دلی جذبات بڑی خوبصورتی کے ساتھ جھلک رہے تھے۔

جشن اپنے جوبن پر تھا۔ ہنیاڑی مشرقی یورپ کے ان معمّر فوجی سرداروں اور بلقانی اُمراء کے ساتھ ہنس ہنس کر ہرمانسٹاڈ نٹ کے واقعات پر تبصرہ کر رہا تھا، جن کی ساری عمر ترکوں کے ساتھ ناکام جنگوں میں بسر ہوئی تھی۔ اپنے وقت کے مانے ہوئے نامور سپاہی ہنیاڑی سے اِس قسم کی باتیں کرنے میں فخر محسوس کر رہے تھے۔

اِس وقت جولین کی حالت تیزی سے متغیّر ہو رہی تھی۔ اگرچہ ولاڈی سلاس، ہنیاڑی کے انتظار میں کسی قسم کی کمتری محسوس نہ کرتا تھا مگر جولین کا مرتبہ اس کم سِن شہزادے اور بلقان کے دُوسرے اُمراء سے بہت بُلند تھا اور ہنیاڑی اُسے جس بے نیازی کے ساتھ نظر انداز کر رہا تھا، جولین اُسے زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اگر سچ پوچھا جائے تو ہنیاڑی کی اس کامیابی میں ــــ جس پر وہ پھُولے نہ سما رہا تھا ــــ جولین کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ یہ جولین ہی تھا، جس نے ہرمانسٹڈٹ پر ترکوں کی یلغار سے مطلع ہو کر سارے یورپ کا دَورہ کر کے گھر گھر جہاد کا نعرہ بلند کیا ــــ جولین کو وہ دن یاد آ رہا

تھا جب محاذ پر روانہ ہوتے وقت اُس نے ہنیاڈی سے کہا تھا:

"آج تک ایسا عظیم لشکر اور کسی صلیبی جہاد میں ترکوں کے خلاف ایک جھنڈے تلے جمع نہیں ہوا تمہیں اتنی زبردست طاقت کے ساتھ ترکوں کو صرف ہرمانسٹڈٹ ہی سے نہیں بھگانا بلکہ ان کا ڈینیوب تک تعاقب بھی کرنا ہے۔ اور انہیں یہ موقعہ نہیں دینا کہ وہ سلامتی سے ڈینیوب پار کرسکیں ـــ جس قدر ترک لشکر یورپ میں داخل ہو چکا ہے، اگر اُسے ڈینیوب کے کناروں تک ختم کر دیا گیا تو ایڈریا نوپل کی حفاظت کے لئے عثمانی عورتوں کے سوا اور کچھ بھی باقی نہ بچے گا۔ اور دنیا کی کوئی طاقت عثمانی سلطنت کو ہنیاڈی کے ہاتھوں تباہ ہونے سے محفوظ نہیں رکھ سکے گی"۔

○

ہنیاڈی نے ہرمانسٹڈٹ کا میدان بڑی کامیابی کے ساتھ ترکوں سے چھیننے کے بعد اس بڑے حصے کی طرف سیلاب کی طرح بڑھنا شروع کیا جو کوہستانِ بلقان کے اِس پار واقع تھا۔

بلقان کو سردیوں میں شمال سے جنوب کی طرف دشمن ـــ اور خصوصیت کے ساتھ ترکوں ایسے دشمن کی مسلح مزاحمت کے سامنے عبور کرنا ایک ایسا کارنامہ ہے، جو یورپ کی تاریخ میں مشکل سے دو ایک بار انجام دیا گیا۔ ہنیاڈی کے علاوہ ڈیبش اور گورکو ہی صرف دو ایسے یورپی سپہ سالار ہیں، جنہوں نے یہ معرکہ سر کیا۔

ترکوں نے اپنی ساری قوت جمع کر کے یہاں جم کر مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ دروں کی ناکہ بندی کر لی گئی، اور جہاں کہیں دشمن کے گزرنے کا امکان تھا، وہاں رات رات

پھر پانی گرایا جاتا رہا، جو پتھروں کے ساتھ جم جاتا۔ اِن حالات میں دّروں سے گزرنا ناممکن اور ناقابلِ عمل نظر آتا تھا۔ مگر ہنیاڑی ایسے جواں ہمّت سالار نے ان میں سے کسی مشکل کی پروا نہ کی۔ دشمن کی شدید مزاحمت اور موسمِ سرما میں برف باری کے انتہائی خوفناک طوفانوں کے باوجود ہنگری کی سپاہ نے " درۂ اسلاڑی " کو پار کر لیا اور کرسمس کا تہوار اسی مشہور سلسلۂ کوہ کی جنوبی ڈھلوان میں منایا۔ کرسمس کے بعد اِس ڈھلوان کے نچلے میدان میں جمع ہونے والی ترک سپاہ کو ایک اور ــــ آخری اور فیصلہ کُن شکست دی۔

ظاہرہ طور پر یہ نظر آتا تھا۔ گویا یورپ میں عثمانی سلطنت کی بنیادیں لرز رہی ہیں۔ مگر یہ تاریخ کا ایک ایسا ناقابلِ تشریح عقدہ ہے کہ ہنیاڑی نے ایڈریا نوپل ــــ عثمانی سلطنت کے دارالخلافے کی طرف پیش قدمی کرنے کے بجائے اپنی اِس شاندار مہم سے عین اس وقت منہ موڑا جب وہ کامیابی کی آخری منزل میں داخل ہو چکی تھی، وہ ہنگری کی طرف لوٹ آیا، جس کا مقصد اِس کے سوا اور کیا تھا ــــ ــــ کہ اپنے ہموطنوں کو بے شمار مالِ غنیمت اور ہزاروں ترک جنگی قیدیوں کی نمائش سے مرعوب کرے۔

بلاشبہ ہنیاڑی اب بدل چکا تھا۔ وہ وقت سے پہلے ہی اس مقام تک پہنچ گیا تھا جہاں سے بلغراد کی ہر بلندی اُسے بہت پست دکھائی دیتی تھی۔ ہنگری کا نابالغ بادشاہ اس سے مرعوب تھا۔ بلقان کے اُمراء اِس سے مرعوب تھے۔ بلقان کے وزراء اس سے متاثر تھے۔ وسطی یورپ کے معمّر فوجی سردار اس کی بہادری کے قائل تھے ــــ رہا جوزین ــــ اگر وہ اس سے مرعوب نہ بھی ہو تو ہنیاڑی کو اس کا کوئی غم نہ تھا۔ یہ سب لوگ اُس کی صحت کا جام پینے کے لئے اُس کا انتظار کر رہے تھے اور وہ اُن سے دُور ــــ اپنے مدّاحوں کے ساتھ ہرمانسٹڈٹ کے واقعات کو بڑے مبالغے کے ساتھ

بیان کر رہا تھا۔ اور جب وہ تھک گیا تو بڑی شان کے ساتھ سارے میدان پر اُچٹتی سی نظریں ڈالتا اس کرسی کی طرف بڑھا جو ولاڈی سلاس کے پہلو میں صرف اسی کے لئے ابھی تک خالی پڑی تھی۔

اس نے باری باری ولاڈی سلاس، جولین، تھیوڈورا اور قیصر مینوئل کے خاص نمائندے کو دیکھا اور پھر مسکرا کر باری باری ہر ایک کے سامنے ایک مخصوص شان کے ساتھ جھکا۔ مگر کسی سے ہاتھ ملانے کی کوشش نہ کی۔ جولین کا زخمی وقار تڑپنے لگا، جسے ولاڈی سلاس نے محسوس کرتے ہوئے شراب کے اُن جاموں کی نذر کر دیا جو تمام مہمانوں کے سامنے میزوں پر پگھلی ہوئی آگ کی طرح چمک رہے تھے۔

سب سے پہلے شاہ ولاڈی سلاس نے ہنیاڑی کی صحت کا جام تجویز کیا اور اس کی تعریف میں چند کلمات کہے، جن کے اختتام پر تالیوں اور مسرت انگیز نعروں کی صدائے بازگشت میں جام چھلکنے اور ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے۔

فاتح سالار جب اپنی صحت کا پہلا جام خالی کر چکا تو اُس نے اپنے پیچھے کھڑے ہوئے محافظ کو ایک خاص اشارہ کیا، جسے سمجھ کر وہ ترک قیدیوں کی طرف بڑھا اور سکار امجید کو اپنے ساتھ لے کر ہنیاڑی کے پاس واپس آ گیا۔ ہنیاڑی نے جب ترک سالار کو دیکھا، تو اُس کے چہرے ــــ خصوصیت کے ساتھ ماتھے اور ہونٹوں کی رگیں سکڑنے لگیں۔ اور اس کی آنکھوں میں نفرت و تعصب کی بھٹیاں روشن ہو گئیں۔ اُس نے تیزی سے ایک اور جام خالی کیا۔ اپنے ہونٹ آستین سے پونچھے اور اپنی کرسی پر کھڑا ہو کر بولا:

"دوستو! تم اس وقت جس شخص کو دشمن جنگی قیدی کی حیثیت سے دیکھ رہے ہو۔ یہ ترک سلطان مراد کا وہ نامور سپہ سالار ہے جو بلغراد پر ناکام لشکر کشی کی تلافی کے لئے ٹرانسوینیا میں ہرمانسٹاڈٹ پر

حملہ آور ہُوا جہاں ہنگری کے سُورماؤں نے تُرکی کو ایسا سبق دیا کہ اگر وہ بیوقوف ثابت نہ ہوئے تو اُسے عمر بھر تک یاد رکھیں گے۔"

ہنیاڑی کی آواز نعرۂ تحسین کی گونج میں دب گئی۔ مجید نے سر اُٹھا کر اپنے ارد گرد دیکھنے کی کوشش کی مگر زنجیروں کے وزن نے اس کوشش کو کامیاب نہ ہونے دیا، اور اس کی مجبوریاں نفرت کے ایک عجیب غازے میں منتقل ہو کر اس کے چہرے پر پھیل گئیں۔

ہنیاڑی کی سُرخ آنکھیں مجید کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ وہ اس چہرے کے اُتار چڑھاؤ کی ایک ایک لکیر سے آگاہ تھا۔ وہ مسکرایا اور اس کے اشارے پر ایک دیو قامت جلاد صُورت سربی نوجوان قدم قدم پر جھکتا ہُوا ہنیاڑی کی طرف بڑھا۔ ابھی یہ سربی نوجوان ہنیاڑی سے بہت دُور تھا کہ ہنیاڑی نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے آگے بڑھنے سے روک دیا اور بلند آواز میں کہا :۔

"اب تمہیں اپنے ہاتھ کے کرتب دکھانے کی اجازت ہے۔"

سربی نوجوان کے چہرے پر ہیبت ناک مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ زمین تک جُھک گیا اور مجید کو گھورتا ہُوا اُلٹے پاؤں واپس لَوٹ گیا۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد جب وہ اس طرف آیا تو اُس کے دونوں ہاتھوں میں لوہے کی دہکتی ہوئی سُرخ انگارو سلاخیں گھوم رہی تھیں۔ اور اُس کے قدم شکست خوردہ ترک سالار سکار امجید کی طرف خوفناک ارادوں کے ساتھ اُٹھ رہے تھے — اس کے ساتھ بارہ مسلح مسیحی سپاہی بھی ترک سپہ سالار کی طرف بڑھے۔

سربی جلاد مجید کے بالکل سامنے آگیا۔ مجید نے چاہا کہ سر اُٹھا کر اُس کی طرف دیکھے مگر گراں بار طوق و سلاسل کی وجہ سے وہ دہکتی ہوئی سلاخوں کے درمیان جلاد کے بھیانک چہرے کو پوری طرح نہ دیکھ سکا۔ ہاں! وہ محسوس کر رہا تھا کہ موت اُس کے بہت قریب

کھڑی ہے لیکن ـــــ موت کا یہ قرب بھی اِس ترک جرنیل کو خوف و اضطراب میں مبتلا نہ کر سکا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ وہ اس مقام پر کہہ دینا چاہتا تھا کہ :۔

"اے فرزندانِ تثلیث! مجھے اس وقت چھونے کی کوشش نہ کرو۔ جبکہ میری زندگی اور شہادت کے درمیان سوائے تمہارے منحوس قہقہوں کے اور کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔"

ـــــ وہ اُنہیں بتا دینا چاہتا تھا کہ :ـــــ

"میں تمہاری اِس عارضی خوشی پر تم سے کہیں زیادہ خوش ہوں جو تمہاری قومی عظمت و شوکت کو فنا کر دینے والی اور تمہاری کامل تباہی کی پیامبر ہے ـــــ تم شوق سے میری آنکھیں نکال لو، تاکہ نوخیز ترک نسل کی بینائی کو استحکام میسّر آئے۔ مَیں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جس نعمت کو میں برسوں سے میدانِ جنگ میں تلاش کر رہا تھا وہ تم نے اس وقت میری جھولی میں ڈالی جبکہ جنگی قیدی کی حیثیت سے میں اس کا تصوّر بھی نہ کر سکتا تھا ـــــ"

وہ ان سے یہ بھی کہنا چاہتا تھا کہ :ـــــ

"میری موت پر جی کھول کر ہنسو، تاکہ تمہاری آواز میری قوم کے جوانوں تک پہنچ جائے ـــــ یاد رکھو! آنے والی کئی صدیوں تک بلقان کی قسمت میں ترکوں کی غلامی لکھ دی گئی ہے ـــــ"

اور جیسے ترک سالار کے دل کی خاموش دھڑکنوں میں مچلنے والے جذبات الفاظ کے پیکر میں ڈھلنے لگے، اُس کی آواز بتدریج بلند ہونے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا :۔

"ہماری کامیابی کا راز ہماری موت میں پوشیدہ ہے۔ زندگی کا حقیقی

راز مسلمان سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے۔ میں اُس غیر فانی قوم کا فرد ہوں
جو زندگی کی خاطر موت سے نبرد آزما ہوتی ہے۔ ہم زندگی کے لئے مرتے
ہیں اور مر کر زندۂ جاوید ہو جاتے ہیں ۔۔۔!"

اس کی آواز سے پوری محفل پر سنّاٹا چھا گیا۔ ہر شخص کی نگاہیں اِس پا بجولاں ترک ضیغم کے چہرے پر گڑ گئی تھیں۔ مجیدؔ کے اِن الفاظ نے ہنیاڑی کی آنکھوں میں روشن ہونے والی بھٹیوں کو اور بھی شعلہ بار کر دیا۔ یہ اُس سُورما اور فاتح کی کھُلی توہین تھی جس نے عثمانیوں کا زور توڑ کر رکھ دیا تھا۔ اُس نے اپنی مرصّع کرسی پر کئی بار پہلو بدلا، اور ایک دردناک اضطراب کے عالم میں اس سرِی جلاّد کی طرف اشارہ کیا۔ اور اُس نے وہ دونوں گرم دہکتی ہوئی آہنی سلاخیں تیزی سے مجیدؔ کی آنکھوں میں بھونک دیں۔

نہ جانے یہ انتہائی تکلیف کا ردِ عمل تھا یا اُس کی دِلی نفرت کا، کہ اس نے اس شدید عذاب کو ایسے مہیب قہقہے کی نذر کر دیا۔ جسے ہنیاڑی برداشت نہ کر سکا۔ اس نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے جلاّد کو ایک اور اشارہ کیا اور اب جلاّد کی تلوار کے ایک ہی وار سے ترک سالار کا سر قلم ہو کر زمین پر آ رہا۔

ایک بد نصیب قیدی کی موت سے سارے میدان پر ہولناک سکوت چھا گیا، اور اِس سکوت میں اُس کے آخری الفاظ کی گُونج پُوری طرح سنائی دے رہی تھی جس نے ہنیاڑی کا سارا غرور خاک میں ملا کر رکھ دیا تھا۔

ترک سالار کے قتل کے بعد ہنیاڑی کے حکم سے قیدیوں کا قتلِ عام شروع ہو گیا۔ مرنے والوں کی چیخوں، قتل کرنے والوں کے قہقہوں اور دیکھنے والوں کے مسرت انگیز نعروں نے سارے میدان میں خوشی اور غم، نفرت اور عقیدت، کامیابی اور ناکامی کا ایک مخلوط ماحول طاری کر دیا تھا اور خون کی اِس ہولی کے درمیان مسیحی مجاہدوں کے سامنے کھانا چُن دیا گیا۔

شروع شروع میں تو یہ قتلِ عام محض تعصب اور انتقامی جذبات کو تسکین پہنچانے کے لئے روا رکھا گیا۔ لیکن جب قیدیوں کی تعداد تیزی سے گھٹنے لگی تو بعض سپاہی پریشان ہو گئے۔ یہ ترک قیدی فتح مند سپاہیوں کا ایک قیمتی سرمایہ تھے جنہیں وہ یورپ کی منڈیوں میں منہ مانگے داموں بیچ سکتے تھے۔ مگر صرف ایک شخص — ہنیاڑی — ان کی دولت پر ڈاکہ ڈال رہا تھا اور کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ ان قیدیوں کا قتلِ عام بند کروا دیتا۔ ولاڈی ولاس کی نظریں بھی قیدیوں پر مرکوز تھیں۔ آدھے سے زیادہ قیدی مارے جا چکے تھے، اور ہنیاڑی کے تیوروں سے معلوم ہوتا تھا کہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے گا۔

ہنیاڑی اب کھانے سے فارغ ہو کر نہ صرف جلادوں کے پاس پہنچا تھا، بلکہ کبھی کبھی اپنے ہاتھ سے بھی ان سپاہیوں کا شکار کرتا — سر لڑھکتے، لاشے تڑپتے، خون کے فوارے چھوٹتے اور وہ ان تڑپتی لاشوں پر یوں پھرتا، جیسے کوئی شہزادہ اپنی پیدائش سے لے کر اس وقت تک کسی تاریک کوٹھڑی میں مقید رہنے کے بعد پہلی مرتبہ شاہی باغیچے میں گل گشت کر رہا ہو۔

اس ماحول کے خلاف سب سے پہلے تھیوڈورا نے ایک خاموش احتجاج کا اظہار کیا — ایک عقیدت مند، یتیم، کیتھولک دوشیزہ ایسے ظلم و بربریت کے تصور تک سے عاری تھی۔ وہ اس میدان سے بھاگ جانے کے لئے اپنی کرسی سے اٹھی۔ جولین کو ایسی نظروں سے دیکھا، جو تمام تر منت اور سماجت کے احساس سے آباد تھیں، اور ولاڈی سلاس اور جولین کو بالکل سرد اور غیر جانب دار محسوس کر کے دوبارہ عاجزی کے ساتھ اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔ نہ جانے اس وقت ولاڈی سلاس اور جولین کیا سوچ رہے تھے۔ سارے ماحول پر ہنیاڑی کا شخصی اقتدار چھایا ہوا تھا۔

ہنیاڑی کی عدم موجودگی میں ولاڈی سلاس کو موقعہ ملا۔ وہ کارڈینل جولین کی طرف جھکا اور بالکل سرگوشی کے سے انداز میں کہا "آپ دیکھ رہے ہیں؟"

جولین نے ولاڈی سلاس کو جواب دیا "میں اس خودسر اور ناعاقبت اندیش نوجوان کی ایک ایک حرکت دیکھ رہا ہوں۔ اور صرف اس لئے خاموش ہوں کہ اس وقت ہنیاڑی کا ستارہ عروج پر ہے۔ وہ اس وقت ایک ایسے خوش نصیب جواری کی حیثیت رکھتا ہے جس کے سامنے اگر ساری دنیا داؤ پر لگادی جائے تو وہ اُسے بھی جیت لے گا۔

"مگر یہ تو ہماری بدقسمتی ہے معزز کارڈینل! کم از کم آٹھ ہزار کے قریب ایسے غلام مارے جا چکے ہیں، جن میں سے ہر ایک ہزاروں روپے کے عوض بک سکتا تھا۔ یہ ہماری ہار ہے۔"

"یہ ہماری ہار کی ایک ایسی نشانی ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، مگر اسے کون سمجھائے ——؟"

"آپ کا یہ مطلب ہے کہ وہ ——!

"یہ بڑا نازک وقت ہے شہزادے" کارڈینل جولین نے ولاڈی سلاس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "اگر ذرا بھی بے احتیاطی ہوئی، تو نہ صرف روم اور قسطنطنیہ کا وقار —— بلکہ سارے یورپ کی آزادی خطرے میں پڑ جائے گی۔"

ہنیاڑی نے جیسے اس کھیل سے اُکتا کر کارڈینل اور ولاڈی سلاس کی طرف نگاہ ڈالی۔ شاید بھبوڈورا اُسے پہلی بار نظر آئی۔ اس قتلِ عام نے اُسے سکون بخش دیا تھا۔ وہ اپنی کرسی کی طرف بڑھا۔ خون کے فواروں، بریدہ سروں اور لاشوں کے رقص اور مرنیوالوں کی فریاد نے اُسے مسرور کر دیا تھا۔ ذرا دیر پہلے اُس کی جن آنکھوں میں غیض و غضب کی بھٹیاں روشن تھیں، اب وہ آہستہ آہستہ سرد پڑ چکی تھیں —— ولاڈی سلاس نے اپنا مُنہ

کارڈینل جولین کے کان کے قریب لے جاکر کہا:۔

"سرکش گھوڑے کے منہ میں لگام دینے کا یہی وقت ہے۔"

اور جولین نے اعتماد کے ساتھ جواب دیا "میں اِس موقعے کو ہاتھ سے نہ جانے دُوں گا۔"

ہنیاڈی ھتیوڈورا کے سامنے آکر رُک گیا، اور جولین نے گویا اُسے خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا۔

"بہت خوب جان ہنیاڈی! بہت خوب!! ان کافروں کے ساتھ بہت ہوچکی۔"

"بہت ہوچکی؟" ہنیاڈی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔" ابھی تو مشکل سے آدھے ختم ہوئے ہیں۔"

" ولاڈی سلاس نے جلدی سے کہا۔" تو کیا آپ ان سب کو ختم کرنا چاہتے ہیں؟"

کارڈینل جولین کو یوں معلوم ہُوا جیسے ولاڈی سلاس کی بات سُن کر ہنیاڈی کی آنکھوں سے مسرت و انبساط کے اُبلنے والے چشمے تیزی سے خشک ہو رہے ہیں۔ اُس نے ہنیاڈی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:۔

" ان جنگی قیدیوں کی زندگی پر تمہارے ان سپاہیوں کا بھی حق ہے جنہوں نے تمہارے اشارے پر اس صلیبی جہاد میں قربانی پیش کرنے کے لئے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ ثواب کے ساتھ ساتھ سپاہیوں کو مالِ غنیمت کا لالچ بھی ہوتا ہے اور وہ سالار ہمیشہ کامیاب رہتا ہے جسے سپاہیوں کے اِن جذبات و احساسات کا خیال ہوتا ہے۔

ہنیاڈی کی نظریں کارڈینل جولین کے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔ پاپائے روم کے اس خاص نمائندے کے اِرد گرد عقیدت کا ایک ایسا ہالہ موجود تھا جس کے نفسیاتی اثر

سے ہنیاڑی کی نظریں جھک گئیں اور اُس نے مسکراتے ہوئے کہا :۔

" اگر آپ کی دُعا سے ترک زندہ رہے تو میں بلقانی سپاہیوں کو غلاموں کی اس دولت سے مالا مال کر دُوں گا۔"

" خدا تمہیں برکت دے " جولین نے اُس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا۔" گھبراؤ نہیں! ترک کچھ عرصہ اور زندہ رہیں گے اور بلقانی مجاہد بھی۔ ہر میدان کا علیحدہ علیحدہ حساب ہونا چاہیئے۔ جو مجاہد ہرمانسٹڈٹ کے میدان میں تمہارے ساتھ تھے، اُن کا حساب اسی میدان کے مالِ غنیمت سے بے باق ہونا چاہیئے۔"

ہنیاڑی مسکرایا اور جولین کے سامنے پہلی بار جھکتے ہوئے کہا۔" میں آپ کی ہر خواہش کا احترام کروں گا۔"

اب ہنیاڑی کی نظریں بار بار تھیوڈورا کے اِردگرد گھومنے لگیں۔ اس نے جولین کی بجائے تھیوڈورا سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔" لیجیئے! آپ کے حکم کی تعمیل میں باقی قیدیوں کی جانیں بخش دی گئیں۔"

○

دن ڈھل رہا تھا۔ جب مسیحی مجاہدوں نے دیکھا کہ اب اُن کی دلچسپی کا کوئی سامان باقی نہیں رہا، تو وہ اُونچے گھنے درختوں کے سائے میں لیٹ گئے اور ہنگری کے عوام بھی صبح سے دوپہر تک خون کی ہولی سے اُکتا کر اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہونے لگے۔ ولاڈی سلاس تو اُس وقت تک بیٹھا ہی اس لئے تھا کہ کچھ ترک قیدی بچا لئے جائیں، اور جب اُس کا مقصد پُورا ہو گیا، تو وہ بھی محل میں جانے کے بہانے سوچنے لگا۔ اتنے میں ایک راہب نے کارڈینل جولین سے کہا :۔

" سارے بلقان کے نواب اور معزز خواتین آپ کی زیارت کے مشتاق ہیں۔"

جولین بھی ہنیاڈی سے الگ ہونے کی دعا مانگ رہا تھا۔ اُس نے اچانک تھیوڈورا میں دلچسپی کا اظہار کیا تھا، وہ اس سے خوش تھا۔ اُس نے بلقان کے سرکش سالار کے لئے جو جال تیار کیا تھا، وہ آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ مگر جولین اُسے ابھی کچھ اور تڑپانا چاہتا تھا۔ اُس نے اُٹھنے سے پہلے تھیوڈورا کو بھی چلنے کا اشارہ کیا اور دونوں ولاڈی سلاس کے ساتھ شاہی محل چلے گئے۔ ہنیاڈی کی نظریں تھیوڈورا کا تعاقب کر رہی تھیں ٭

○

اس میدان سے ولادی سلاس اور کارڈینل جولین کے چلے جانے کے بعد ہنگری کے شاہی دستوں کو بھی فراغت اور سکون میسّر آگیا تھا۔ متحدہ بلقانی لشکر کے سردار ہنیاڈی کے ارد گرد بیٹھے ہرمانسٹڈٹ کے معرکے پر آزاد تبصرہ کر رہے تھے۔

ایک سپاہی نے ہنیاڈی کو اطلاع دی کہ ترک وفد، جسے سلطان مراد نے بھیجا ہے، باریابی کا خواہش مند ہے۔ یہ خبر سُن کر نہ صرف تمام سرداروں نے بلکہ ہنیاڈی نے بھی ایک عجیب حیرت و اشتیاق کا اظہار کیا، اور سپاہی کو اشارہ کیا کہ وفد کو فوراً بُلا لیا جائے۔

وفد کا قائد ایک ساٹھ سالہ ترک تھا جو مُراد کے باپ سلطان محمد اوّل کے معتمد سرداروں میں سے تھا۔ اس معمّر۔ تجربہ کار ترک کو ہنیاڈی کے پہچاننے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ اُس نے ہنیاڈی سے ہاتھ ملایا اور کسی قسم کی رسمی تمہید کے بغیر گفتگو کا آغاز کر دیا۔

"مجھے معلوم ہے کہ ہنگری کا تاجدار ولاڈی سلاس اور پاپائے روم کا ذاتی نمائندہ کارڈینل جولین بھی بوڈا میں موجود ہیں۔ مگر مجھے خاص طور پر آپ کے پاس بھیجا گیا ہے

اور میں دولتِ عثمانیہ کے سربراہ سلطان مراد دوم کی طرف سے آپ کے پاس امن اور دوستی کا پیغام لایا ہوں"۔

ہنیاڑی نے بالکل غیر ارادی طور پر اپنے چاروں طرف دیکھا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ سلطان مراد کی حیثیت کا تاجدار اور سالار براہِ راست ہنیاڑی سے معاملہ طے کر رہا تھا۔ اُسے یوں معلوم ہوا گویا ولاڈی سلاس اور کارڈینل بلقانی سیاست کی بساط کے ایسے مُہرے ہیں جن کا عدم یا وجود کوئی حقیقت نہیں رکھتا، اور مسیحی بلقان کی اصل قوت ہنیاڑی ہے ــــ سلطان مراد کا تیر اپنے نشانے پر ٹھیک بیٹھا تھا۔ ہنیاڑی نے ترک وفد کے قائد کو اچھی نظروں سے دیکھا اور کہا :۔

" اگر دولتِ عثمانیہ کے سربراہ مُراد دوم کو واقعی امن اور دوستی کی خواہش ہے، تو ہمارے اور ترکوں کے درمیان محض ہماری شرائط پر امن قائم ہو سکتا ہے"۔

وفد کے قائد نے دوسرے ترک اراکین کی طرف نگاہ ڈالی۔ لمحہ بھر کے لئے ہنیاڑی کے الفاظ کو تولا اور جواب دیا :۔

"آپ اپنی شرطیں بیان کریں"۔

ہنیاڑی نے بوڑھے ترک کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا۔ جس میں امن کی پیاس آسانی سے محسوس کی جا سکتی تھی۔ ہنیاڑی کو یقین ہو گیا۔ گویا وہ نامور سلطان مراد جو ٹرائے سپارٹا اور ایتھنز کی قدیم شہرت کو اپنے گھوڑے کے سموں سے خاک میں ملاتا ہُوا بلغراد کے دروازے تک جا پہنچا تھا حقیقت میں اب اس کے سامنے بے بس ہو گیا ہے۔ وہ سوچنے لگا۔ اگر ترکوں سے وہ سب کچھ امن کے ذریعے حاصل ہو جائے جسے بلقان کی ساری مسیحی آبادی لڑ کر حاصل کرنا چاہتی ہے، تو کیا بُرا ہے ؟ اُس نے اپنی نظریں بوڑھے قائد کے چہرے پر گاڑ دیں، اور آہستہ سے کہا :۔

"سلطان مُراد کو سربیا کی حکومت سے دستبردار ہونا پڑے گا"۔

بوڑھے نے جواب دیا۔ "منظور ہے۔ ہم سارے سربیا سے دستبردار ہوجائینگے۔"

"اور۔۔۔!" ہنیاڑی نے اسی سنجیدگی سے کہا، اور ولاشیا بھی نہ صرف آزاد تصور نہ ہوگا بلکہ آئندہ یہ ہنگری میں شامل کر کے ہنگری ہی کا ایک حصہ قرار دیا جائیگا۔"

ہنیاڑی درحقیقت عثمانی مملکت پر پیش قدمی کرنے کے لئے راستہ ہموار کر رہا تھا مگر اس وقت عثمانیوں کو فوری طور پر امن کی ضرورت تھی۔ بلقان میں مسیحیوں کی متحدہ سرگرمیوں سے باخبر ہوکر ایشیا کی بعض وہ ریاستیں بھی ترکوں کی غلامی کا جُوا اُتار پھینکنے کے خواب دیکھ رہی تھیں جنہیں مراد نے بڑی مشکل سے دولتِ عثمانیہ میں شامل کیا تھا۔

بوڑھے ترک نے کسی قدر تامل کے بعد کہا:۔

"ہم ولاشیا کو بھی آزاد کرتے ہیں اور ہمیں اس کے ہنگری کے ساتھ الحاق کے بارے میں بھی کوئی اعتراض نہیں۔"

ہنیاڑی ترکوں کی بے بسی کے خیال سے مسکرایا اور پوچھا:۔ "اب ہمیں کتنے عرصے امن کا یقین دلانا ہوگا؟"

بوڑھے ترک نے باری باری وفد کے تمام اراکین کو سوالیہ نظروں سے دیکھا، اور سب نے ایک دوسرے سے مشورہ کرنے کے بعد خاموشی اختیار کرلی تاکہ قائد کو ہنیاڑی سے گفتگو جاری رکھنے کا موقعہ ملے۔ چنانچہ اس نے ہنیاڑی سے مخاطب ہوکر کہا:۔

"کم از کم دس سال کے لئے۔"

"دس سال کے لئے۔" ہنیاڑی نے اُس کا فقرہ دہراتے ہوئے ایک طویل قہقہہ لگایا۔ "دس سال کا عرصہ بہت زیادہ نہیں ہے؟"

"ضرور ہے۔" قائد نے جواب دیا۔ "اور امن کے اِس طویل یا مختصر دور سے فائدہ اٹھانے والے صرف ترک ہی نہیں، بلکہ یقین کیجئے! آپ کے لئے بھی یہ بڑا عمدہ موقعہ

ہے!"

"شاید ــــ! بہرحال مجھے یہ معاہدہ منظور ہے۔"

ہنیاڑی نے انجیل پر اور ترک وفد کے قائد نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ ــــ

"معاہدہ زیجدین" کے عنوان سے سلطان مراد اور ہنیاڑی نے دس سالہ امن کے قیام کے لئے ایک دوسرے سے جو وعدہ کیا ہے، فریقین کے جیتے جی اس کا احترام کیا جائے گا۔"

اِس کے بعد ترک وفد رخصت ہو گیا ــــ

دُوسرا باب

خطِ تنسیخ

چوک سینٹ نکولاس کا جشن ختم ہوتے کئی روز ہو گئے تھے۔
اور ہنگری کے شاہی محل پر اب مکمّل سکوت طاری تھا۔ ولاڈی سلاس اور کارڈینل جولین، اس خوش رنگ نقاب کو ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے جو ہنیاڈی نے ان کے گرد تان دیا تھا۔

اب تک میدانِ جنگ سے جس قدر خبریں آ رہی تھیں، ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ صلیبی سیلاب کے راستے میں تُرک جس قسم کی مزاحمت بھی پیش کر رہے ہیں، وُہ اُسے بہا کر آدرنہ کی طرف برابر بڑھتا چلا جا رہا ہے ــــ لیکن جب حالات اُن کے سامنے آئے تو وہ افسانوں سے مختلف نہ تھے۔ فتح مند لشکر نہ صرف ڈینیوب کے کناروں سے پلٹ آیا، بلکہ اب اُن کے سامنے "معاہدۂ زیجیدین" کی ناقابلِ شکست دیواریں بھی کھڑی کر دی گئی تھیں۔ جن کے پار سلطنتِ عثمانیہ بدستور دندنا رہی تھی۔

آدرنہ کی فتح کے بعد جولین جس یلغار کے منصوبے سوچ رہا تھا، وہ اب خواب سے بدل گئے تھے۔ ایک ایسے خواب سے ـــ جو "معاہدۂ زیجدین" کے ہوتے ہوئے کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکتا تھا۔

اِس سے بھی زیادہ افسوسناک بات یہ تھی کہ ہنیاڈی اب بالکل بدل چکا تھا۔ اُس نے ہنگری میں داخل ہوتے وقت جولین سے جس بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا تھا، اس سے جولین کا وقار اور بھی مجروح ہو کر تڑپنے لگا تھا۔ لیکن وہ اب بھی مایوس نہ ہُوا تھا۔ ابھی تک تھیوڈورا اُس کے قبضے میں تھی۔ وہی تھیوڈورا، جسے وہ بلقان کی ازابیلا قرار دے چکا تھا، جو اپنے حسن و شباب کے اثر سے ہنیاڈی کو اپنا غلام بنا سکتی تھی اور جہاں اُس کا وقار اور تقدس ناکام ہو گیا تھا وہاں تھیوڈورا کی آنکھیں اور ہونٹ جولین کے خوابوں کی تعبیر بن سکتے تھے۔

ہنگری کا نوجوان بادشاہ ولاڈی سلاس حد درجہ مغموم تھا۔ سارے بلقان میں ہنگری ہی ایک ایسا ملک تھا جس نے ترکوں کے خلاف ہر صلیبی جہاد میں سبقت کی تھی۔ ولاڈی سلاس کا باپ سجسمنڈ انہی جہادوں میں اپنی جان کھو بیٹھا تھا، اور آج ـــ جس وقت وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ اپنے باپ کے خون کا بدلہ لے سکے گا ـــ ہنیاڈی ساری قوم کو "معاہدۂ زیجدین" کی زنجیروں میں جکڑ چکا تھا۔

نوجوان بادشاہ کو یقین تھا کہ اگر "معاہدۂ زیجدین" برقرار رہتا ہے تو دس برس کے پُرامن زمانہ میں ترک جس قدر فوجی قوت حاصل کریں گے وہ ہنگری ہی کے خلاف استعمال ہوگی، اور اس سے پہلے کہ پوپ، یورپ کو ایک بار پھر ہنگری کی حفاظت کے لئے ایک جھنڈے تلے جمع کرے۔ سارا ملک ترک سواروں سے پامال ہو چکا ہوگا۔

ولاڈی سلاس ـــ جولین کی امداد سے اس معاملے میں ہنیاڈی سے ایک فیصلہ کُن گفتگو کرنا چاہتا تھا ـــ

اور اس موقعے پر قیصر مینوئل کے خاص قاصد کی آمد نے ولاڈی سلاس اور جولین کے لئے ایک مناسب موقع بہم پہنچا دیا۔ چنانچہ اس معزز مہمان کے اعزاز میں ایک دعوت خاص مرتب ہوئی جس میں ہنیاڑی کے علاوہ ہنگری کے دوسرے اکابر کو بھی مدعو کیا گیا۔

○

جب شاہی محل کے کھانے کے کمرے میں ولاڈی سلاس، جولین، ہنیاڑی اور دوسرے زعماء اپنی اپنی کرسیوں پر کھانے کی میز کے اِرد گرد بیٹھ گئے، تو نقیب نے قیصر کے قاصد کی آمد کا اعلان کیا۔

قاصد کمرے میں بیٹھے ہوئے شاہی مہمانوں کے حفظِ مراتب کا خیال کرتے ہوئے گردن جھکائے بڑے ادب سے کمرے میں داخل ہوا۔ اس وقت مکمل خاموشی ہو گئی تھی۔ پھر اُس نے ایک لمحہ توقف کئے بغیر قیصر مینوئل کا یہ پیغام سنایا :-

"معاہدۂ زیجدین کی رعائتوں سے فائدہ اُٹھا کر نامور ترک سلطان ـــ مراد دوم اپنے نوعمر بیٹے سلطان محمد دوم کے حق میں تخت سے دستبردار ہو کر آدرنہ سے میگنیشیا میں گوشہ نشین ہو چکا ہے۔

اگر مسیحیت کے دل میں نہ صرف یورپ بلکہ ارضِ مقدس فلسطین کو مسلمان کافروں کے ناپاک وجود سے پاک کرنے کا جذبہ سلامت ہے تو اِس سے عمدہ موقع پھر کبھی ہاتھ نہ آئے گا!

جہاں تک میری سلطنت کے ذرائع کا تعلق ہے، میں اپنا سب کچھ اس مقدس جہاد میں قربان کرنے کے لئے تیار ہوں اور اُمید ہے ـــ کہ پاپائے روم بھی اس جہاد کو کامیاب بنانے کے لئے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کریں گے۔ رہا یورپ ـــ تو شاید ہی کوئی ایسا بدنصیب مسیحی ہو،

جس کے دل میں مرنے کی تمنّا۔۔ شہادت کی حسرت بے تاب نہ ہو!
انگورہ کی تباہی کے بعد خداوندِ یسوع مسیحؑ نے چالیس برس
کے اندر مسیحیوں کو ایک بار پھر یہ سنہری موقع دیا ہے کہ وہ خوابِ
غفلت سے جاگیں، صلیب اُٹھائیں اور ارضِ مقدس کی آزادی کے لئے
آخری بار ایک جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔ اگر مسیحیت نے اس موقعے
سے فائدہ نہ اُٹھایا تو یہ حقیقت ہے کہ پھر دنیا کی کوئی طاقت اُسے
اِس ذلّت اور بربادی سے بچا نہیں سکتی جو ترکوں کی شکل میں گزشتہ دو
صدیوں سے اُن کے سر پر منڈلا رہی ہے"!

قیصر کا یہ پیغام سنانے کے بعد قاصد ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ خاموشی کی اس فضا میں وہ اس پیغام کا ردِ عمل معلوم کرنا چاہتا تھا۔

کارڈینل جولین اور ولاڈی سلاس کی نظریں بیک وقت ہنیاڈی کے چہرے پر گڑ گئیں۔ وہ معمول کے مطابق خاموش تھا، جیسے اُس نے سرے سے یہ پیغام سُنا ہی نہیں، اور اگر سُنا بھی ہے تو اُس کے نزدیک اس میں ایسی کوئی بات نہ تھی جس سے وہ متاثر ہوتا۔

جولین نے ایک مختصر سی دُعا کے بعد کھانے کا آغاز کیا۔ اور جب بے جان اور مصنوعی جملوں اور بے اثر مُردہ قہقہوں کی گونج میں کھانا ختم ہوا تو مہمان چار چار پانچ پانچ کی ٹولیوں میں بٹ گئے، لیکن ہنیاڈی، ولاڈی سلاس اور جولین جہاں بیٹھے تھے وہیں بیٹھے رہے۔۔ یہ تینوں خاموش تھے۔

جولین نے خاموشی کا یہ عذاب برداشت نہ کرتے ہوئے ہنیاڈی سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"تم شاید قیصر کے پیغام کی روشنی میں معاہدۂ زیجدین پر غور کر رہے ہو؟"

"شاید ــــ!" ہنیاڈی نے جولین کو دیکھے بغیر جواب دیا۔

"میرا مطلب ہے، تم ان اسباب کا جائزہ لے رہے ہو، جن کی آڑ لے کر یہ معاہدہ توڑا جا سکتا ہے؟"

ہنیاڈی نے تیزی سے سر اُٹھایا اور کہا۔ "معاہدے اس طرح آسانی سے تو نہیں توڑے جا سکتے!"

"کیوں؟" جولین نے گھبرا کر کہا۔ "معاہدوں میں آخر رکھا ہی کیا ہے؟"

"ایک سپاہی کا عہد ــــ قسم!"

"کافروں کے ساتھ عہد! ترکوں کے ساتھ کھائی ہوئی قسم؟"

"قسم آخر قسم ہے، خواہ وہ دوست کے سامنے کھائی جائے یا دشمن کے سامنے!"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" جولین کی آواز میں نرمی پیدا ہو گئی۔ "دوست کے ساتھ کھائی ہوئی قسم واقعی قسم ہے، جسے نبھانا سچے عیسائی کا فرض ہے۔ مگر کافروں کے ساتھ کھائی ہوئی قسم کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔"

جولین نے لمحہ بھر کے بعد ــــ جس کے دوران اُس کی نظریں ہنیاڈی کے چہرے پر مرکوز رہیں، کہنا شروع کیا:۔

"اِس وقت ترک امن کے پیاسے تھے اور تم نے معاہدۂ زیجدین کے ذریعے اُن کی پیاس بجھا دی ہے۔ ذرا اُنہیں دم لے لینے دو، اور تھوڑا سا اُنہیں سنبھلنے دو، پھر دیکھنا وہ تمہارے ساتھ کئے ہوئے وعدے کو کب تک نبھاتے ہیں۔"

"مجھے کسی اور کے عمل کا جواب دِہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، میں اپنے وعدے کو آخری وقت تک نبھاؤں گا۔"

"تمہیں ایسا شاندار موقعہ پھر کبھی ہاتھ نہ آئے گا۔ اس وقت تمہیں یورپ اور قسطنطنیہ ــــ دونوں طرف سے امداد مِل سکتی ہے۔"

ہنیاڑی نے بیباکی سے جولین کو دیکھا۔ اُس کی آنکھیں انگاروں کی طرح سُرخ تھیں۔ اُس نے تقریباً چِلّاکر کہا:

"میں نے یورپ اور قسطنطنیہ کی امداد پر کبھی بھروسہ نہیں کیا۔ میں لڑنا اور میدانِ جنگ کے حالات سے فائدہ اُٹھانا جانتا ہوں۔ میں ہرگز پہل نہ کروں گا، اور اگر ترک معاہدہ توڑ دیں تو مجھ میں اُنہیں جواب دینے کی طاقت موجود ہے"!

جولین کو یقین ہو گیا کہ ہنیاڑی کے ساتھ اِس موضوع پر مزید بات چیت بے سُود ہے۔ اِس لئے وہاں سے اُٹھا اور اس کے ساتھ ہی ولاڈی سلاس بھی کھڑا ہو گیا۔ پھر وہ دوسرے مہمانوں کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گئے۔

○

جولین نے ہنیاڑی کے قریب سے اُٹھنے اور دوسری جگہ تک پہنچنے کے درمیانی وقفے میں ایک دربان کی طرف نگاہ ڈالی جو ایک عرصے سے اُس پر نظریں مرکوز کئے کھڑا تھا۔ اُسے ایک اشارہ کیا۔ جسے سمجھ کر دربان باہر نکلا اور نقیب کے پاس سے گزرتے ہوئے اُس کے کان میں کچھ کہا۔ تھوڑی دیر بعد نقیب نے باہر نگاہ ڈالی اور اپنی مخصوص آواز میں زور سے بولا:

"کوہستانِ بلقان کی سرحدی ریاست ستارا کے شہید نواب لوشواستی کی مظلوم صاحبزادی — نواب زادی تھیوڈورا"!

"مظلوم نواب زادی تھیوڈورا"! ہنیاڑی کی آنکھیں تیزی سے دروازے کی طرف اُٹھیں، تھیوڈورا اپنے مخصوص لباس میں ایک ماہر اداکارہ کی طرح اندر داخل ہوئی۔ سب سے پہلے اُس نے دہلیز پر کھڑے ہو کر کمرے پر ایک اُچٹتی سی نظر ڈالی۔ اِس کے بعد ولاڈی سلاس کے سامنے ذرا سی جھکی، اور پھر آہستہ آہستہ جولین

کی طرف بڑھی۔ ہر شخص کی نظریں تھیوڈورا پر لگی ہوئی تھیں۔ کمرے میں مکمل سکوت چھایا ہوا تھا۔

تھیوڈورا جولین کے قریب آئی اور جھک گئی۔ جولین نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:۔

" تھیوڈورا — میری بدنصیب بیٹی! جب میں تمہیں دیکھتا ہوں، جب تمہاری مظلومی پر غور کرتا ہوں اور جب مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے شہید باپ کے خون کا انتقام نہ لیا جا سکے گا تو مجھے اپنی ذات سے شرم آتی ہے۔"

" میں آپ سے کسی قسم کی فریاد کرنے نہیں آئی۔ مجھے کسی داد کی ضرورت نہیں۔ بلکہ میں تو آپ کو اپنے ایک آخری فیصلے سے آگاہ کرنے آئی ہوں۔"

کھانے کے کمرے میں ہدایت کار جولین کے سامنے اس کا اپنا تیار کیا ہوا ایسا ناٹک کھیلا جا رہا تھا، جس نے سامعین کے دلوں کی حرکت معطّل کر دی — اُس نے تھیوڈورا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:۔

" وہ کیا؟"

" میں اپنی زندگی کنواری ماں کے قدموں میں وقف کرنے کی اجازت لینے آئی ہوں۔ مجھے دُعا دیجئے۔"

" تھیوڈورا — تم صرف ایک کلیسا کو روشن کرنے کے لئے سارے بلقان کو کیوں تاریک بنانا چاہتی ہو؟ یاد رکھو، ظلم و بربریّت کا جو طوفان یورپ پر منڈلا رہا ہے، اس سے چرچ بھی محفوظ نہ رہے گا۔"

اُس نے کمرے میں موجود لوگوں پر ایک نظر ڈالی۔ ولادسی سلاکس اس وقت ہنگری کی معزز خواتین کے ساتھ جرعہ نوشی میں مصروف تھا، اور ہنیاڈی اس سارے ہنگامے سے دُور اکیلا شراب کے تلخ گھونٹ بڑی مشکلوں سے اپنے حلق سے نیچے اُتار رہا تھا۔

شراب سے بھرے ہوئے پیالے کی آڑ میں وہ کبھی کبھی کنکھیوں سے تھیوڈورا کو دیکھ لیتا، جو اس کے نزدیک ابھی تک ویرانے میں بنی ہوئی قبر کے چراغ کی طرح جل رہی تھی۔

جولین ظاہری طور پر تو تھیوڈورا سے باتوں میں لگا ہوا تھا۔ مگر حقیقت میں وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ ہنیاڈی اُسے تھیوڈورا کے ساتھ مصروفِ تکلم دیکھ کر رشک کی ایک ایسی آگ میں جل رہا ہے جس کی محسوس تپش کا اثر زائل کرنے کے لئے وہ شراب کی پگھلی ہوئی آگ میں پناہ ڈھونڈ رہا تھا۔

خوش قسمتی سے تھیوڈورا کیتھولک تھی، اُسے یقین تھا کہ کرۂ خاک پر زندگی کی کش مکش میں صرف مسیحیت ہی کامیاب رہے گی۔

ترکوں ——— محمدؐ کے غلاموں نے صرف وقتی طور پر طاقت حاصل کر لی تھی اُسی طرح جیسے چند اور ظالم قومیں بھی وسطی ایشیا سے اُٹھی تھیں ——— چنگیزی یا تاتاری، مگر مسیحیت کے سامنے وہ شبنم کی طرح تحلیل ہو گئی تھیں۔

اور اب مسیحیوں نے ترکوں کو بھی ختم کر دیا تھا ——— اب یورپ اُس مقدس صلیب پر قبضہ کرنے کے لئے متحد ہو گیا تھا جو بیت المقدس میں موجود تھا۔

——— تھیوڈورا کو یہی بتایا گیا تھا: ———

بدی ازل سے نیکی کی دشمن ہے، مسیحیت روشنی ہے اور اسلام تاریکی ——— شیطان ہزار بار کوشش کرے، وہ روشنی کو بجھانے میں کامیاب ہو سکے گا؟

——— نہیں! کبھی نہیں!!

اُس نے خاموشی کا طلسم توڑتے ہوئے کہا:

"میں تمہیں کبھی نن بننے کی اجازت نہ دوں گا۔ تم جن جذبات و محسوسات سے مجبور ہو کر نن بننا چاہتی ہو، میں اُنہیں تمہارے چہرے پر پڑھ سکتا ہوں۔ اب ترکوں سے

خوف کھانے کا وقت گزر گیا۔اب اس دنیا میں بدی کبھی نیکی پر غالب نہ آسکے گی۔ مگر ۔۔۔ صرف ایک شرط ہے، اور وہ یہ کہ ۔۔۔ ہر مسیحی یہ قسم کھالے کہ یا صرف ہم زندہ رہیں گے یا صرف مسلمان!"

جولین یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔ اُس نے اپنی نظریں تھیوڈورا سے ہٹا کر ہنیاڑی کے چہرے پر مرکوز کر دیں اور ہنیاڑی کی صورت سے یہ نظر آتا تھا، جیسے وہ اپنے سامنے پڑی ہوئی ہر ایک صراحی اور جام کو ایک دوسرے سے ٹکرا کر دیوانوں کی طرح ایک ہنگامہ برپا کر دے گا، اور جب اُس نے تنگ آ کر تھیوڈورا کی طرف آنکھیں اُٹھائیں تو یوں معلوم ہوتا تھا گویا اُس کی نظر کا ہر تار، مصیبت کے اس عالم میں تھیوڈورا سے رحم کی درخواست کر رہا تھا ۔۔۔!

تھیوڈورا کی معصومیت کا جادو چل چکا تھا۔ وہ ہنیاڑی کے جذبات و احساسات پر چھا گئی تھی۔ اور جولین اب تھیوڈورا کو یورپ کے انتہائی خوش نصیب اور بہادر سالار کے اعصاب پر سوار کرنا چاہتا تھا۔ اس نے تھیوڈورا کو ہنیاڑی کی کھردری اور بے باک نظروں سے محفوظ رکھتے ہوئے اُس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی اور کہا :

"مسیحیت ۔۔۔ زندگی کی دوڑ میں اب ایک ایسی منزل پر پہنچ چکی ہے، جہاں نہ صرف اُسے جوان مردوں بلکہ جوان عورتوں کی بھی ضرورت ہے۔ ہمارے سامنے ایک ایسا صلیبی جہاد ہے جس میں عورتوں، مردوں، بوڑھوں اور بچوں تک کی خدمات بروئے کار لانی ہونگی۔ ہمیں قربانی دینی ہوگی۔ ایک عظیم قربانی، کیونکہ اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی فتح اس قربانی سے ہزار درجے زیادہ شاندار ہوگی ۔۔۔ روحانی فتح! اور کون جانتا ہے کہ اس کامیابی کے بعد زمین پر بھی آسمانی بادشاہت قائم ہو جائے۔ خداوند یسوع کے سارے دشمن ہلاک ہو جائیں ۔۔۔!"

کارڈینل جولین کی روحانیت نے اس بدنصیب دوشیزہ کے گرد عقیدہ پرستی کے

جال کی گرہوں کو اور زیادہ مضبوط کر دیا تھا۔ نجات کے لئے تھیوڈورا کی تڑپ اب پہلے سے زیادہ شدید ہو گئی تھی۔ اُس نے اس طرح جھرجھری لی جیسے سحر کے خاتمے پر معمول کے بے حس جسم میں زندگی کی رَو پیدا ہوتی ہے۔ اُس نے اپنے خاموش ہونٹوں کو حرکت دی اور دردناک لہجے میں بولی :-

"مقدس باپ! خدا کے لئے میرے دل میں روحانیت کی شمع روشن کیجئے! میری رُوح کی اس تاریکی کو ختم کیجئے جس میں میرے احساسات ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ میں ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار ہوں، میں مسیحیت کی عظمت اور کنواری ماں کے تقدس کی حفاظت کے لئے خوشی سے اپنی جان دے سکتی ہوں"۔

"گھبراؤ نہیں میری بچی!" جولین کے کانپتے ہوئے ہاتھ ایک پیشہ ور دلی کی طرح تھیوڈورا کے سر کی طرف اُٹھے جس سے اس کے معصوم و منور چہرے پر ایک عجیب و غریب سرمئی سایہ متحرک ہونے لگا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا گویا چاند اچانک ہلکے بادلوں کے لطیف پردے میں چھپ گیا ہو۔ "یقین کرو! مقدس ماں نے اپنے ہاتھ سے تمہارے دل میں روحانیت کی شمع روشن کر دی ہے، اب اُسے تیل بہم پہنچانا تمہارا کام ہے تاکہ یہ ہمیشہ روشن رہے۔ وہ قوم کبھی فنا نہیں ہو سکتی، جس کی گود میں تمہاری ایسی لڑکیاں موجود ہوں۔ باور کرو! تم مسیحیت کے گرداب میں پھنسی ہوئی کشتی کے لئے ایک ایسے خطر پسند ملاح کی حیثیت رکھتی ہو، جس کی جرأت و ایثار کے افسانوں سے آنے والی نسلوں میں جوش و حریت کی رُوح پھونکی جائے گی۔ تمہاری شخصیت ایسی دیوی کا درجہ اختیار کرے گی جس کی بڑے بڑے بہادر اور سالار پرستش کیا کریں گے"۔

تھیوڈورا کی نظریں پہلی بار یوں بلند ہوئیں جیسے کوئی اندرونی قوت اپنے اظہار و نمود کا فیصلہ کر چکی ہو۔ اُس کی آنکھوں میں واقعی ایک ایسی چمک پیدا ہو گئی، جس

کے تار جولین کی روح میں پیوست ہونے لگے تھے۔ وہ حُسن کے اس جلال کو برداشت نہ کر سکا۔ وہ تھیوڈورا کو ہنیاڑی پر حملہ آور ہونے کے لئے تیار کر چکا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ ہنیاڑی اس حملے کی تاب نہ لاسکے گا۔ اُس نے دانستہ تھیوڈورا سے نظریں بچاتے ہوئے ہنیاڑی کی طرف دیکھا اور کہا:

"وہ ہے ــــ جان کاردس ہنیاڑی، بلقان کی تاریخ میں ترکوں کے خلاف پہلی بار کامیابی حاصل کرنے والا خوش نصیب مسیحی سالار! نہ جانے اِس بیوقوف کو کس شیطان کی نظر لگ گئی۔ جب ساری عثمانی سلطنت اُس کی تلوار کی نوک میں سمٹ آئی، تو اس نے تلوار پھینک دی اور قلم ہاتھ میں لے کر دشمنوں کے ساتھ دس سال کے لئے امن کا معاہدہ کر لیا۔ کہتا ہے میں نے امن قائم رکھنے کی قسم کھائی ہے۔ میں کہتا ہوں کبھی اُس قوم کے ساتھ قسم نبھائی جاتی ہے جو ہمارے مذہب اور ہمارے کلیسا کی ازلی دشمن ہو؟

اور پھر یہ نادان اتنا بھی تو نہیں سمجھتے کہ اس وقت دُنیا کی کوئی طاقت ترکوں کو مسیحی سیلاب کی زد سے محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ لیکن جب وہ اُسے روکنے کے لئے بند بنانے میں کامیاب ہو گئے ــــ اس وقت دیکھنا، نہ سینٹ صوفیہ کا کلیسا محفوظ ہوگا، نہ سینٹ پیٹر کے کلیسا کا کہیں نشان باقی رہے گا، آؤ! میرے ساتھ آؤ!! تاکہ تم یورپ کے اس بدنصیب سردار کو ہدایت اور نجات کا وہ راستہ دکھا سکو، جو مسیحیت کی بقا کا آخری راستہ ہے اور اگر وہ ایک بار اس راہ پہ گامزن ہو گیا تو مسیحی قافلے کی پہلی منزل آدرنہ اور دوسری ــــ فلسطین ہو گی۔"

جولین نے تھیوڈورا کو دیکھا اور مسکرایا۔ تھیوڈورا کو اُٹھنے کا اشارہ کیا اور اُسے ہنیاڑی کے قریب لاکر آہستہ سے کہا:

"جان کاروس ہنیاڑی ــــ! ہنگری کے نابالغ بادشاہ ولاڈی ولاس کا

نگران ـــ صلیبی مجاہدوں کی فوج کا سپہ سالارِ اعلیٰ اور ہرمانسٹڈٹ کے میدان میں ترکوں کے خلاف ایک یادگار فتح حاصل کرنے والا پہلا یورپی سپاہی !"

ہنیاڑی ـــ تھیوڈورا کے حیران سانسوں کی حرارت پہلے ہی سے محسوس کر رہا تھا، اُس نے ایک عجیب اضطراب اور ذہنی عذاب کے عالم میں جولین کی بات سننے تک صبر کیا اور جب وہ خاموش ہو گیا تو اُس نے آہستہ آہستہ سر اُٹھا کر سب سے پہلے جولین کو اپنے اُوپر جھکا ہوا دیکھا اور پھر تھیوڈورا ـــ جس کی نظروں سے وہ نظریں نہ ملا سکا۔

"تھیوڈورا ـــ !" جولین نے تھیوڈورا کے دمکتے ہوئے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "ستارا کی ریاست کے نواب لوشواستی کی یتیم صاحبزادی ـــ جس نے یورپ کی طرف مُراد کی آخری پیش قدمی کے نتیجے میں بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے شہادت حاصل کی ـــ

ہنیاڑی خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔ لمحہ بھر کے لئے اُس نے تھیوڈورا کو اور تھیوڈورا نے اس کو دیکھا ـــ ایک دوسرے کے دلوں میں جھانک کر دیکھنے کی کوشش کی، مگر دونوں کامیاب نہ ہوئے۔ ہنیاڑی کی شخصیت پر چند مافوق الفطرت فوجی روایات کا پردہ پڑا ہوا تھا اور تھیوڈورا کو حسن کے وقار اور شباب کے جلال نے واقعی ایک ایسی دیوی کے رُوپ میں منتقل کر دیا تھا جس کے قدموں میں جھک جانا تو ممکن تھا، مگر اُس کی طرف آنکھیں اُٹھانا ـــ ناممکن !

ہنیاڑی اپنی ناکامی چھپانے کے لئے تیزی سے تھیوڈورا کے سامنے جھک گیا۔ تھیوڈورا نے ایک نظر اپنے سامنے جھکے ہوئے ہنیاڑی پر ڈالی اور دوسری نظر جولین پر، جو ہنیاڑی کو تھیوڈورا کے حضور جھکا ہوا دیکھ کر اپنے چہرے پر ایک عجیب مسکراہٹ لئے ولادی سلاس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تھیوڈورا نے اپنا ہاتھ بڑھایا جسے ہنیاڑی

نے ڈرتے ڈرتے تھام لیا۔ یہ گوشت پوست اور ہڈیوں پر مشتمل بازو تھا۔ یا کسی سانچے میں ڈھلا ہوا سُرخ مادّہ۔ ہنیاڑی نے اپنا نفسیاتی خوف دُور کرنے کے لیئے تھیوڈورا کے ہاتھ پہ اپنا منہ رکھ دیا۔

ہنیاڑی کے عرصے سے خشک اور پیاسے ہونٹ دیر تک تھیوڈورا کے ہاتھ کو چُومتے رہے۔ اُس نے جب بھی اپنے ہاتھ کو ہنیاڑی کے لبوں سے الگ رکھنے کا ارادہ کیا، اُس کے اعصاب کا ردِّ عمل محسوس کر کے ہنیاڑی لرز سا گیا۔ تھیوڈورا ایک ایسے قومی ہیرو کی قربت کے احساس کی نذر ہو چکی تھی، جسے بعض انتہائی خوش فہم اور عقیدہ پرست مسیحیوں نے صلیب کے "محافظ" کا درجہ دے دیا تھا۔ اور ہنیاڑی واقعی ایک ایسی دوشیزہ کی موجودگی کے احساس میں ڈوب گیا تھا جو دیوی کے رُوپ میں منتقل ہو کر پرستش کے قابل تھی۔

ہنیاڑی نے اپنے ہونٹ پہلے الگ کئے یا تھیوڈورا نے اپنا ہاتھ۔ ۔ ! دونوں میں سے کوئی بھی یہ معلوم نہ کر سکا۔ بہرحال ہنیاڑی اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے پرستش کے بعد کسی پُجاری میں خودی کا احساس بیدار ہو گیا ہو۔ اُس کی دُعا مستجاب ہوئی۔ اُس نے تھیوڈورا کے لیئے ایک کرُسی کھینچی جس پہ وہ خاموشی سے اُس کے سامنے بیٹھ گئی، اور وہ بھی اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

ایک مختصر سی متکلّم خاموشی کے بعد جس کے دوران میں ہنیاڑی کی شخصیت سے قومی ہیرو کی روایات کا اور تھیوڈورا کے وجُود سے دیویت کا پردہ ہٹ گیا، تو ہنیاڑی نے جیسے پشیمان ہو کر خالی صراحیوں اور جاموں سے ایک بار پھر اُلجھنے کی کوشش کی۔ اور تھیوڈورا نے سر جھکا کر کہا :

"یورپ کے نامور فاتح سے اس غیر متوقع مُلاقات کی سعادت کے احساس نے مجھے جو خوشی بخشی ہے، الفاظ میں اُس کا اظہار ناممکن ہے۔"

"اور یورپ کی سب سے حسین دوشیزہ کے ہاتھ چوم کر یہ محسوس ہوتا ہے، جیسے مجھے اِس فتح کا حقیقی انعام مِل گیا۔"

تھیوڈورا کا سر جھک گیا۔ ہنیاڈی تلوار کے علاوہ بات کرنے کے طریقوں سے بھی آگاہ تھا۔ تھیوڈورا نے کہا:

"خدا آپ کو قدم قدم پر کامیابیاں عطا کرے۔ معاف کیجئے! آپ سے مُلاقات کی خوشی میں مجھے اتنا بھی ہوش نہ رہا کہ آپ کو بلغراد اور ہرمانسٹڈٹ کی فتح پر ہدیۂ تبریک پیش کروں۔"

"خدا کے لیئے اِن فضول باتوں میں وقت ضائع نہ کیجئے نواب زادی! اگر زندگی رہی تو ایسے موقعے بار بار ملتے رہیں گے۔"

"کیوں نہیں! کیوں نہیں!" تھیوڈورا نے مسکراتے ہوئے ہنیاڈی کے قول کی تصدیق کی۔ اور کہا "لیکن ـــ!"

ہنیاڈی اب چوکنا ہوکر بلقان کی اس حسینہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"لیکن ـــ آخر تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"مَیں نے سُنا ہے آپ نے ترکوں کے ساتھ دس سال کے لیئے امن کا معاہدہ کرلیا ہے، اور اب شاید ہمیں ایسی شاندار فتوحات کے مواقع نصیب نہ ہوں گے۔ کیا آپ نے سوچا کہ ـــ!"

تھیوڈورا اب پھر تُو تُو میں مَیں کرنے کے لیئے تیار تھی۔ اور ہنیاڈی سوچ رہا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔

"خدارا اپنی بات جاری رکھو! حسینۂ بلقان! ہنگری کا سالار پکارا۔" تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

کارڈینل جولین نے ہنیاڈی اور تھیوڈورا سے رخصت ہوکر ایک خدمتگار کے

ہاتھ شراب کی جو صراحی بھجوائی تھی، وہ اب ہنیاڑی کے سامنے میز پر آچکی تھی۔ تھیوڈورا نے اس میں سے ایک چھلکتا ہوا جام ہنیاڑی کو پیش کرتے ہوئے کہا :۔

"میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ بلقان کی ریاستوں میں میری طرح کی ہزاروں لڑکیاں ایسی ہیں جنہیں ترکوں نے یتیم بنا دیا ہے۔ اُن کے جوان بھائی اور جوان خاوند اُن کی آنکھوں کے سامنے خاک اور خون میں تڑپتے رہے ہیں۔ اور یہ قتل و خونریزی موسموں کی طرح ہر سال اپنے مقررہ وقت پر عمل میں آتی رہی۔ میں تو اپنی یتیمی کا عذاب عمر بھر تک کنواری ماں کے قدموں کے سائے میں رہ کر برداشت کر لوں گی۔ مگر لاطینی کلیسا اب اپنے اس اقتدار سے محروم ہونے والا ہے جو دوسری ہزاروں لڑکیوں کو اپنے دامن میں پناہ دے سکے۔ میں سوچتی ہوں اور سوچ سوچ کر عاجز ہو جاتی ہوں آخر ان عورتوں کا انجام کیا ہوگا! مسیحیت کہاں جائے گی! سینٹ پیٹر کے مقدس کلیسا کو عثمانی رسالوں کا اصطبل بننے سے کیسے محفوظ کیا جائے گا!"

ہنیاڑی نے خاموشی سے اپنا جام خالی کر کے سامنے میز پر رکھ دیا۔ ایک عجیب پریشانی کے عالم میں اپنے ہونٹ آستین سے صاف کئے اور تھیوڈورا کو دیکھا، جو اُسے اپنی زندگی کے انتہائی ہولناک فیصلے سے آگاہ کر چکی تھی۔ اگر تھیوڈورا نن بن گئی۔ اگر اس نے اپنا طوفانی شباب اور ملکوتی حُسن کلیسا کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تو بلقان پر عذاب نازل ہو جائے گا، دُنیا تباہ ہو جائے گی!

تھیوڈورا نے دوبارہ جام بھرا جسے ہنیاڑی نے بے تابی سے اُٹھا لیا۔ اس نے جام کو بھی دیکھا اور تھیوڈورا کو بھی، اور اُسے مُنہ کے قریب لے جا کر کہا :

"اگر تم نن بن گئیں تو بلقان ایسا حسین ساقی کہاں سے لائے گا؟" اُس نے دو ایک گھونٹ پیئے اور بے چینی سے کہا۔ "تھیوڈورا! تم نے واقعی اپنی زندگی کلیسا کے لیئے وقف کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے؟"

"اگر ہماری زندگیاں انتہائی آباد شہروں اور سنگین قلعوں میں بھی محفوظ نہ رہ سکیں تو پھر کلیسا کی محترم و مقدس چار دیواری کے سوا اور کہاں پناہ تلاش کی جائے؟"

ہنیاڑی نے تھیوڈورا کو دیکھا جو اس وقت واقعی مجبوری و بے کسی اور یاس و حرماں کی تصویر بن گئی تھی۔ اُس نے اپنی نظریں تھیوڈورا کے چہرے پر مرکوز کرتے ہوئے جام خالی کر دیا اور اُسے تھیوڈورا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:۔

"اس سے پہلے کہ مجھے اپنی زندگی میں دوبارہ ایسے حسین ساقی کے ہاتھ سے پینے کی سعادت نصیب نہ ہو۔ مجھے ایک اور جام عنایت کرو۔"

تھیوڈورا نے خاموشی سے ہنیاڑی کا جام بھرا۔ اس کی نظریں ہنیاڑی کی نظروں سے اُلجھی ہوئی تھیں۔ اُسے اچانک ہنیاڑی سے خوف محسوس ہونے لگا۔ وہ اُس کے سامنے کانپ رہی تھی۔ اُس نے اس کے قریب آکر ایک ایسی غلطی کی تھی۔ جس پر اب وہ پشیمان تھی اور اگر اُس وقت جولین کا مسکراتا ہوا چہرہ اُسے سہارا نہ دیتا تو وہ اپنے ہاتھ سے صراحی پھینکتی ہوئی ولاڈی ولاس کے محل سے بھاگ جاتی۔

"تھیوڈورا"۔ ہنیاڑی نے خالی جام میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "اگر تم نے ابھی تک اپنی زندگی وقف کرنے کا فیصلہ نہیں کیا تو میں تمہارے حُسن کو گواہ بنا کر یہ عہد کرتا ہوں، کہ ترکوں کو دوبارہ بلقان کے پار آنے کی مہلت نہ دوں گا۔ میں طوفان کی طرح ڈینیوب کے کناروں پر چھا جاؤں گا اور جب تک ایڈریانوپل کو جلا کر خاک نہ کر دوں، اُس وقت تک واپس لوٹنے کا نام نہ لوں گا۔ تھیوڈورا! میں تمہیں یقین دلاتا ہوں، دُنیا کے نقشے سے عثمانی سلطنت کے منحوس دھبے کے معدوم ہو جانے کا مُبارک وقت آگیا ہے۔"

وہ اپنی کرسی سے اُٹھا اور ہاتھ کے سہارے سے تھیوڈورا کو بھی اُٹھنے کی دعوت دی۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے تھیوڈورا کے قریب آگیا اور اس کے سامنے دو زانو ہو کر

اپنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے بولا:

"اپنا وہ ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو جس میں گرم و جوان خون دوڑ رہا ہے تاکہ اس کی حرارت سے میں اپنے اُن تمام اندیشوں اور وسوسوں کو خس و خاشاک کی طرح جلا دوں، جو مجھے ابھی تک اپنے وعدے پر قائم رہنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔ اپنا وہ ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو، جس کی تپش نے عقل و خرد کے خرمن کو خاک سیاہ بنا کر اُسے محض عشق و جنوں میں منتقل کر دیا ہے۔ مگر یاد رکھو! میں عمر بھر تلوار کی طرح اِس ہاتھ سے غافل نہ رہ سکوں گا، کہیں تم اُسے میرے ہاتھ سے کھینچ نہ لینا! کیونکہ میرے نزدیک یہ ہاتھ صلیب سے زیادہ مقدس اور کلیسا سے زیادہ محترم ہے۔ میں صرف تمہاری خاطر اس عہد کو فراموش کر رہا ہوں جس سے مُنہ موڑنے پر مجھے دُنیا کی کوئی طاقت مجبور نہ کر سکتی تھی۔"

ہنیاڈی جب تھیوڈورا کے کانپتے ہوئے ہاتھ کو چوم رہا تھا تو جولین نے ولادی سلاس کے کندھے پر آہستہ سے ہاتھ رکھا۔ اور اُس کی توجہ ان دونوں کی طرف مبذول کی۔

ہنیاڈی نے تھیوڈورا کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے بعد میز پر پڑی ہوئی صراحیوں کو ٹٹولا، سب خالی تھیں۔ اُس نے باری باری سب کو اُنڈیلا اور جو چند ایک قطرے جام میں جمع ہو گئے۔ اُنہیں للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا، جام اُٹھایا اور اُسے تھیوڈورا کی طرف اس طرح حرکت دی جیسے وہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہو کہ یہ تمہاری صحت، تمہارے شباب، تمہاری محبت اور تحفظ کا جام ہے۔ اُسے منہ سے لگانے سے پہلے ایک عجیب احترام کے ساتھ جھکا۔ چند گھونٹ حلق میں اُتارے اور مسکراتا ہوا باہر چلا گیا۔

جولین کی مسکراتی ہوئی آنکھوں نے آخر تک اس کا تعاقب کیا، اور جب ہنیاڈی لمحہ بھر کے لئے دہلیز پر رُکنے اور تھیوڈورا کو آخری بار مسکرا کے دیکھنے کے بعد باہر چلا

گیا تو سارا محل جولین کے قہقہے کی گونج سے لرز اٹھا۔

O

تھیوڈورا نے کارڈینل جولین کو شب بخیر کہنے سے پہلے یہ خوشخبری سنا دی تھی کہ ہنیاڑی نے اپنا معاہدہ توڑ کر عثمانیوں کے خلاف پیش قدمی کا فیصلہ کر لیا ہے۔

جولین اس خوشخبری کے باوجود ساری رات بیقرار رہا۔ اسے ہنیاڑی کی ہمت اور خوش بختی میں کوئی شبہ نہ تھا۔ مگر اس نوجوان سالار کی متلون طبیعت نے جولین کو مایوس کر دیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا، اگر ہنیاڑی عثمانیوں سے پہلی جھڑپ کے بعد —— خواہ وہ کامیاب ہو یا ناکام —— تھیوڈورا کا ہاتھ تھام کر تلوار ہاتھ سے رکھ دے اور میدانِ جنگ کی بجائے طاؤس و رباب میں مست ہو جائے تو ——!!

کاش وہ تھیوڈورا کو ابھی ہنیاڑی کی نگاہوں سے اوجھل رکھ سکتا۔ کیا یہ ممکن تھا کہ تھیوڈورا کو عارضی طور پر بلقان سے باہر بھیج کر ہنیاڑی کو یقین دلایا جاتا کہ جب تک وہ عثمانی سلطنت کو یورپ اور ایشیا کے نقشوں سے حرفِ غلط کی طرح نہ مٹا دے، اس وقت تک تھیوڈورا کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں نہیں دیا جا سکتا —— لیکن یہ کیسے ممکن ہے، وہ یہ کیسے برداشت کرے گا کہ وہ تو میدانِ جنگ میں اپنے سینے پر عثمانی تلواروں اور تیروں کے زخم کھاتا رہے اور جس کے لئے وہ ایک مرتبہ پھر خاک و خون کی ہولی کھیلنے پر آمادہ ہوا ہے۔ اس کی نگاہوں سے دور —— بہت دور، کسی ہنگامہ آفریں یورپی شہر میں رنگ و نور کی قیدی بنا دی جائے ——!

جولین نے نیند کی خواہش میں بار بار کروٹیں لیں۔ وہ سوچ رہا تھا —— بذاتِ خود تھیوڈورا کو بھی ترکوں کے خلاف کیوں نہ استعمال کیا جائے!

—— جولین کا یہ اقدام بلقانیوں کی موروثی روایات کے عین مطابق تھا۔ قیصرِ روم

سے لے کر بلقان کے عام ریاستی باشندوں تک ۔۔۔ ایسا خاندان مشکل سے نظر آتا تھا، جس نے اپنی بیٹیاں اور بہنیں ترکوں کے حوالے نہ کی ہوں، قیصر اندرونیکس اور ہنگری کے بادشاہ سرزاس کی بیٹیاں ابھی تک عثمانی حرم میں زندہ تھیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب مسیحی سیلاب عباسی سلطنت کی نااہلی، عیش کوشی اور عاقبت نااندیشی کے باوجود بغداد کی مرکزی حکومت کی چٹان سے بار بار ٹکرانے کے بعد ناکام واپس لوٹ گیا تو فرانس اور وینس کے سوداگروں نے اپنی بیٹیاں چنگیز خاں کے دربار میں بھیج کر منگولوں کو مسلمانوں کے خلاف اکسایا۔

تیمور کو ترکوں کے خلاف میدان میں کون لایا؟ یورپ! بایزید یلدرم کی عبرتناک شکست کے اسباب کیا تھے ۔۔۔ ؟ عورت، سرزاس کی بیٹی ۔۔۔ لیڈی ڈسپینا جس نے کوسووو کے میدان میں ترکوں کے ہاتھ سے اپنے بادشاہ باپ کی موت کے بعد یہ قسم کھائی تھی کہ وہ بایزید کی بیوی کی حیثیت سے ترک حرم میں داخل ہوگی، اور جب تک اس سلطنت کو تباہ و برباد نہ کر دے اس وقت تک حرم سے باہر نہ نکلے گی۔

تھیوڈورا کو عثمانی حرم کی زینت بھی بنایا نہ جاسکتا تھا۔ کیونکہ جیسے ہنیاڈی کو معلوم ہوا کہ وہ جس دوشیزہ کو حاصل کرنے کے لئے اپنی قسم توڑ کر میدانِ جنگ میں اترا ہے۔ اس کی زندگی کلیسا کی جگہ سلطانی حرم کے لئے وقف ہو چکی ہے۔ تو وہ بالکل دیوانگی کے عالم میں ہاتھ سے تلوار پھینک کر شاید خود بھی راہبانہ زندگی اختیار کرے گا۔

وہ اب پھر کروٹ بدل رہا تھا۔ آج خیالات کا ایک لامتناہی سلسلہ اس کے دماغ کے ہر تار کو جنبش دے رہا تھا۔ شدّتِ درد سے اُس کا سر پھٹا جا رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اُس کے ذہن میں ایک نیا خیال آگیا۔ جس کے تصور ہی سے اس کے خشک ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

بلقان کے ایک معزّز نوّاب کی بیٹی ۔۔۔ سلطان مراد کی چہیتی بیگم اور سلطان کی سوتیلی

ماں کی حیثیت سے ۔۔۔ آج بھی زندہ تھی۔ نہ صرف زندہ تھی بلکہ اُس کا ایک بیٹا بھی تھا۔ عثمانی سلطنت پر مراد کے بعد جو حق محمد کو حاصل تھا، مراد کی مسیحی بیوی کا بیٹا بھی اتنا ہی حقدار ہے۔ اگر اس کم سن شہزادے کو آدرنہ سے نکال کر عافیت کے ساتھ یورپی مقبوضات میں پہنچا دیا جائے تو محمد کے مقابلے پر تخت کا ایک اور وارث میدان میں لایا جا سکتا ہے۔

یہ کام اگرچہ مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں۔ تھیوڈورا کو اس مہم کے لئے تیار کیا جا سکتا ہے۔ وہ ناتجربہ کار عقیدہ پرست لڑکی مسیحیت کی عظمت کے لئے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرے گی اور اگر ہنیاڈی کو یہ معلوم ہو گیا کہ تھیوڈورا نے کس طرح جان جوکھوں میں ڈال کر آدرنہ سے محمد کے سوتیلے بھائی ۔۔۔ تخت کے ایک اور دعویدار کو یورپ لانے کی ذمہ داری لے لی ہے تو آدرنہ ایک ایسے طوفان کی نذر ہو جائے گا، جسے برداشت کرنا ناممکن ہے۔ عثمانیوں پر دو محاذوں سے پیش قدمی ہو گی، ایک طرف اپنے حسن و شباب کی برکتوں سے محفوظ تھیوڈورا اور دوسری طرف تیر و سناں سے مسلح ہنیاڈی ۔۔۔ !!"

وہ اپنے خیال کی حماقت پر بیساختہ مسکرایا، اُٹھا اور اُٹھ کر بیٹھ گیا ۔۔۔ پچھلی رات بالکل خاموش تھی۔ اور اُسے اپنے تنفّس کی آواز کے سوا اور کچھ سنائی نہ دیتا تھا جو اُن جذبات کی شدّت اور احساسات کے وفور کی وجہ سے تیز ہو گئی تھی۔ پھر وہ بستر سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے رات کے تین پہر آنکھوں میں کاٹ دئیے تھے۔

"معاہدۂ زیجدین" کے بعد عیسائی دنیا جس شرمناک سازش کو پروان چڑھانے والی تھی، جولین اس کا سربراہ تھا، اس سازش کی کامیابی براہِ راست جولین کی ذمہ داری تھی، اور وہ اس کی کامیابی کے خواب دیکھ رہا تھا۔

جولین منصوبے بنا بنا کر تنگ آ گیا۔ اب اِس کا دماغ شل ہو چکا تھا۔ اس کی آنکھیں

دُکھ رہی تھیں۔ اس کاروان رواں چل رہا تھا۔ تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے وہ اپنے بستر کی طرف بڑھا، بیٹھا اور لیٹ گیا اور چند ہی گھڑیوں میں نیند نے اُس پر غلبہ پا لیا تھا۔

○

دروازے پر زوردار دستک کی آواز سُن کر اُس کی آنکھ کُھل گئی، وہ اپنی دونوں آنکھیں مَلتا ہُوا اُٹھ بیٹھا اور بولا:

"مَیں جاگ رہا ہوں، اندر آ جاؤ!"

پھر وہ سرکا اور ـــ ہنیاڈی اپنے مخصوص سفید فوجی لباس میں دہلیز پر کھڑا جولین کے کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

"ہنیاڈی!" وہ زیرِ لب مسکرایا۔

اُس نے اپنی آنکھیں مَلیں اور بڑی بے تابی سے ہنیاڈی کے قریب آیا۔ وہ کتنا خوب صورت لگ رہا تھا ـــ سفید فوجی لباس، صیقل کیا ہُوا نقرئی خود، کلغی میں لگے ہوئے حسین و رنگین پروں کی جھلمل اور کمر میں لٹکی ہوئی تلوار۔

"عجیب بہار ہے!" جولین کے ہونٹ لرزنے لگے:

"آہا ـــ بلقان کا وہ خوش نصیب جواں سال سالار جس نے مادرِ وطن ـــ ہنگری کی حفاظت کے لئے اپنی شجاعت و بے جگری کے باعث یورپ کی جنگی تاریخ میں ایک ایسا مقام حاصل کر لیا، جہاں اُس کے نام کے آس پاس گنتی کے چند ہی فاتح دکھائی دیتے ہیں ـــ میں کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔ کہیں میرے احساسات کی شدّت نے مجھے دھوکہ دینا تو شروع نہیں کر دیا ـــ؟"

ہنیاڈی نے سپاہیانہ سنجیدگی سے کہا:

"مَیں نے ترکوں کے خلاف پیش قدمی کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"مبارک! مبارک!!" جولین چلّایا۔

صلیبی جانباز کوچ کے لئے تیار کھڑے ہیں" ہنیاڑی نے کہا۔ "آیئے! آپ انہیں برکت دیجئے اور دُعا کے ساتھ رخصت کیجئے۔"

"مجھے یقین ہے تم ایسا ذمہ دار شخص یہ غلطی دوبارہ نہ کرے گا۔" جولین نے ہنیاڑی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کرسیوں کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "ترکوں کو اس قدر سادہ دل نہ سمجھو۔ کہ انھوں نے مراد کے بعد اپنے دفاع اور تحفّظ کے لئے کوئی موزوں قدم نہ اُٹھایا ہوگا۔ تم جس جنگ کے لئے صلیبی لشکر کی رہبری اور قیادت کر رہے ہو' وہ جنگ تاریخ کی فیصلہ کن جنگوں میں شمار ہوگی اور ایسی یادگار جنگ کے لئے ہمیں ہر ممکن احتیاط اور دُور اندیشی سے کام لینا ہوگا۔"

اُس نے کرسیوں کے قریب پہنچ کر ہنیاڑی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود اُس کے پہلو میں بیٹھ کر ایک طویل ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا:

"ترک پُورے دو سو سال کے بعد قابُو میں آتے ہیں۔ اگر وہ اس مرتبہ بھی ہمارے ہاتھ سے نکل گئے، تو پھر یورپ کی مسیحی آبادی کو ترکوں کی غلامی سے محفوظ رکھنے کا کوئی امکان باقی نہ رہے گا۔ عثمانی دستے "معاہدۂ زیجدین" کی رُو سے بلقان کے سرحدی قلعے خالی کر رہے ہیں۔ سربیا کو اُن کے وجُود سے پاک ہو لینے دو، ولاشیا کے اُن علاقوں کا ـــــ جو عثمانی سلطنت میں شامل ہو چکے تھے۔ ہنگری سے الحاق ہو نے دو۔ اور پھر ـــــ!"

نہ جانے جولین اپنا قہقہہ کیوں نہ روک سکا۔ وہ دیر تک ہنستا رہا اور ہنیاڑی عجیب سنجیدگی کے عالم میں اُس کا منہ تکتا رہا۔ جولین کے چہرے پر ابھی تک ایک پُر اسرار مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اُس نے ہنیاڑی کی طرف جھکتے ہوئے کہا:

"اور پھر ان سرحدی قلعوں کی سپاہ کو ذرا میدان میں بھی نکل لینے دو ـــ سمجھے!"

"سمجھا!" ہنیاڑی نے کرسی پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"تو پھر صبر کرو! ہر اعتبار سے متحد اور چوکنے رہو اور وقت کا انتظار کرو"

O

جولین جس وقت کا انتظار کر رہا تھا، وہ آخر کار آ ہی گیا۔

نفرت، تعصب اور تباہی کے اس صلیبی سیلاب کے راستے سے رکاوٹیں ہٹ گئیں، اور آدرنہ ـــ کی طرف بڑھنے کے لئے اب یہ سیلاب سینٹ نکولاس، چوک میں چنگھاڑ رہا تھا۔

ہنیاڑی اپنے سفید گھوڑے پر سوار اس سپاہ کے سامنے پھر رہا تھا جو بلغراد اور ہرمانسٹڈٹ کی جنگ میں ترکوں کو شکست دینے کے بعد اُنہیں ڈینیوب کے پار دھکیل آئی تھی۔ اُن کے حوصلے بلند تھے، اور ان کے دلوں میں آدرنہ کی تسخیر، فلسطین کی فتح، سارے اسلامی مشرق کی تباہی کے نئے ولولے پیدا ہو گئے تھے۔

ہنیاڑی اُنہیں بتا رہا تھا:

"پاپائے روم کے نائب کارڈینل جولین تمہیں دُعا اور برکت دینے کے لئے آ رہے ہیں"

ـــ اور جب کارڈینل جولین کی سواری نظر آئی تو لشکر میں ہلچل سی مچ گئی۔ تلواریں اور صلیبیں بلند ہو ہو کر جولین کا استقبال کرنے لگیں، جولین کے گرد و پیش ہنگری کے عقیدت مند ہجوم نے جلوس کی سی صورت اختیار کر لی تھی ـــ حدِ نگاہ تک سوار اور پیادہ سپاہ موجود تھی۔ چاروں طرف تلواروں، نیزوں اور صلیبوں کی عجیب و غریب دُنیا آباد تھی۔ جن کا رُخ آدرنہ کی طرف تھا۔ ہر شخص خاموش تھا، ہر شخص ہمہ تن گوش تھا ـــ وہ اُنہیں الوداعی

پیغام دینے لگا:

"یورپ کے محافظو! اس موقعے پر کچھ زیادہ کہنے سُننے کی ضرورت نہیں، اور نہ ہی میں تمہارا قیمتی وقت ضائع کرنا چاہتا ہوں۔ میں تمہاری آنکھوں کی چمک، چہرے کی سُرخی اور دل کی دھڑکن سے تمہاری اُمنگوں اور آرزوؤں کی خاموش آواز سُن رہا ہوں۔ میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں۔ کہ اس وقت مسیحؑ کی عظمت اور اس کے پیغام کی لاج تمہارے ہاتھ میں ہے۔ ہر ایک مسیحی بچے کی زندگی، عورت کی عزت، حسرت اور یاس بھری نظروں سے تمہاری طرف دیکھ رہی ہے۔ مسیحیت نے اپنی جو اُمیدیں تمہاری تلواروں اور تمہارے بازوؤں کی حرکت کے ساتھ وابستہ کی ہیں۔ میں خلوص سے دُعا کرتا ہوں کہ مقدس باپ تمہیں ان کا جائز امین بننے کی توفیق دے!"

"آمین" کا غلغلہ بلند ہوا۔ اور جب ایک مرتبہ پھر خاموشی چھا گئی تو جولین نے کہا:

"مجھے تمہاری خوش قسمتی پر رشک آتا ہے۔ تمہارا قائد یورپ کا وہ جواں سال سپہ سالار ہے جس نے یورپ کے دو میدانوں میں عثمانی سلطنت کے تاجدار مراد کو یکے بعد دیگرے ایسی شرمناک شکستیں دی ہیں جس کی مثال نہ تو عثمانی اور نہ ہی یورپ کی مسیحی تاریخ پیش کر سکتی ہے۔ میری تمنا تھی کہ مَیں بھی اس خوش قسمت سالار کی قیادت میں ——اس جہاد میں حصہ لیتا۔ لیکن چونکہ تمہارا محبوب شہزادہ ولاڈی ولاس بھی جہاد میں شریک ہو رہا ہے۔ اِس لیئے دونوں نے مل کر مجھے ہنگری ہی میں چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

اُس نے بیک وقت ولاڈی سلاس اور ہنیاڈی کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں تو یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ وہ عزت اور شہرت کے جس مقام کی طرف پیشقدمی کر رہے ہیں، اِس میں مجھے برابر کا شریک نہیں کرنا چاہتے۔"

"میرے بہادرو!" جولین نے اپنی آواز کو بلند کرتے ہوئے تقریر جاری رکھی——

"تمہارے دل میں کہیں یہ خیال جڑ نہ پکڑ لے کہ تمہاری منزل آدرنہ اور تمہارا مقصود صرف سلطنتِ عثمانیہ کی تباہی ہی ہے، ہرگز نہیں، بلکہ یہ تو تمہاری عظیم الشان کامیابی کا پہلا زینہ ہے۔ حقیقت میں ہمارا قبلۂ مقصود فلسطین ہے ـــ وہ ارضِ مقدّس، جو صدیوں سے مسلمانوں کے قدموں میں پامال ہو رہی ہے۔ وہ مقدس مقامات جو اُجڑ کر کھنڈروں میں منتقل ہو جانے کے بعد حسرت و یاس کے عالم میں ہماری طرف دیکھ رہے ہیں۔ وہ جگہ جہاں تمہارے باپ نے آنکھیں کھول کر کُفر کا پردہ چاک کیا۔ وہ جگہ جہاں تمہارے باپ کو سُولی دی گئی اور یہ کتنے شرم کا مقام ہے کہ مسیحی یورپ آج بھی ان جگہوں کی زیارت سے محروم ہے۔ اور جو چند پروانے روحانی شمع کی زیارت کے شوق میں یورپ سے فلسطین کا سفر کرتے ہیں۔ انہیں مسلمانوں سے اجازت لینی پڑتی ہے۔ پھر انہیں زندہ آنے کی کبھی اجازت نہیں دی جاتی۔"

اُس نے ہنیلاطی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور گرجنے لگا:

"ہمارے انتقام کی آگ اب صرف اُسی صورت میں بجھ سکتی ہے کہ ـــ جس طرح انہوں نے ہمیں ارضِ مقدّس میں آزادی سے جانے اور شوقِ زیارت سے بزور محروم کر رکھا ہے، بالکل اُسی طرح ہم بھی اُنہیں اُن کے کعبہ میں داخل نہ ہونے دیں ـــ کعبہ میں ہم اپنے پنجے گاڑ دیں اور مسلمان ہمارے رحم و کرم پر ہوں۔"

بوڑھے راہب کی ولولہ انگیز تقریر تھیوڈورا کے دل کی گہرائی میں اُترتی چلی جا رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی۔ اے کاش! اس جہاد میں وہ بھی شامل ہو سکتی۔ اُس کا رواں رواں احساسات سے کانپ رہا تھا۔ وہ چاہتی تھی جولین اب خاموش ہو جائے ـــ اُس کے دل میں جو آگ بھڑک رہی تھی، اس کی تپش کو اور زیادہ تیز نہ کر دے۔ لیکن جولین بلند آواز سے کہہ رہا تھا:

"اب اسلام کی ذلّت و تباہی اور مسیحیت کے عروج و کامیابی کا وقت آگیا ہے۔

یورپ میں جان کا روس ہنیاڑی کا وجود اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ اب تاریکیوں کے بادل چھٹ جائیں گے اور تم اس روشنی کے نقیب بن جاؤ گے جو یورپ سے ایشیا کی طرف منتقل ہونے والی ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ باپ اور بیٹا تمہیں ارضِ مقدس کے کھنڈرات کو روشن و آباد کرنے کی توفیق دے ـــــ!

جولین خاموش ہو کر اسٹیج سے اُتر آیا۔ لشکر اور عوام نے یک زبان ہو کر پر جوش نعرے بلند کئے۔ صلیبوں اور تلواروں کے سمندر میں ایک بار پھر طوفان آگیا۔ جولین لشکر کے تمام سردار جمع کئے اور باری باری اُن سے مصافحہ کرنے لگا۔

ہنیاڑی نے اس فرصت سے فائدہ اُٹھایا۔ وہ تھیوڈورا کے قریب آیا۔ تھیوڈورا کی آنکھوں کی چمک ہنیاڑی کا خیر مقدم کر رہی تھی۔ اُس کی نگاہیں بتا رہی تھیں کہ وہ جہاد پر نہیں جا رہی، لیکن جو لوگ جہاد پر جا رہے ہیں، اُن کے لئے اُس کے دل و جان حاضر ہیں۔

ولاڈی ولاس نے ہنگری کے ولی عہد ہونے کی حیثیت سے کارڈینل جولین کے اشارے پر فوج کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔ فوجی بینڈ بجنے لگے اور یورپ کی مختلف قوموں کے رنگا رنگ پھریرے کھول دئیے گئے۔

ہنیاڑی آخری بار تھیوڈورا کے سامنے جھکا اور سرگوشی کے انداز میں کہا:

"صلیبی مجاہد نہ جانے کس انعام اور خوشی کے لالچ میں آدرنہ کی طرف بڑھے جا رہے ہیں! مگر مجھے نہ شہرت کی تمنّا ہے نہ بہشت کی۔ میں تو صرف تمہاری خواہش کے احترام میں جنگ کی طرف جا رہا ہوں، اور میرا انعام صرف یہی ہے کہ تم مجھے بھلا نہ دینا۔"

تھیوڈورا نے اپنے گلے سے چھوٹی سی طلائی صلیب اُتاری جو باریک سنہری زنجیر کے ساتھ لٹک رہی تھی، اور اُسے ہنیاڑی کی طرف بڑھایا۔ ہنیاڑی مسکرایا اور

اپنی گردن تھیوڈورا کے سامنے جھکا دی۔ اُس نے اپنے ہاتھ سے صلیب ہنیاڑی کے گلے میں ڈال دی اور کہا:

"میں یورپ کے اس خوش نصیب مجاہد کو کبھی نہ بھولوں گی جو —— اِس صلیب کو ارضِ مقدس میں دوبارہ سربلند کرنے کا عہد کر چکا ہے۔"

ہنیاڑی ایک بار پھر تھیوڈورا کے سامنے جُھک گیا اور صلیب کو چوم کر بولا:

"مجھے یہ صلیب جان سے زیادہ عزیز رہے گی، اس لئے نہیں کہ یہ صلیب ہے —— سنہری، قیمتی اور مقدس صلیب! بلکہ اس لئے کہ یہ اُس دوشیزہ کا تحفہ ہے جسے تمام یورپ میں سب سے زیادہ حسین ہونے کا فخر حاصل ہے"!

ہنیاڑی تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گیا۔ اُس کی نظریں تھیوڈورا کے چہرے پر مرکوز تھیں، جسے سُورج کی ابتدائی کرنوں نے اِس قدر دلفریب بنا دیا تھا کہ اُس کی نظر ٹھہر نہ سکتی تھی۔ اُس نے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:

"خدا تمہیں میرے واپس آنے تک ہر بلا سے محفوظ رکھے۔"

اِتنی دیر میں ہنیاڑی کا خدمت گار اُس کا سفید گھوڑا اُس کے قریب لے آیا تھا —— لشکر موج در موج آگے بڑھ رہا تھا۔ ہنیاڑی بھی سوار ہُوا۔

جب وہ جولین کے قریب سے گزرا تو عقیدت سے جُھک گیا۔ جولین مُسکرایا اور اُس نے خاموشی کے عالم میں اُسے دُعا دینے کے لئے ہاتھ اُٹھائے جس میں چھوٹی سی سیاہ آبنوسی صلیب لہرا رہی تھی۔

سڑکوں کے دو طرفہ —— درختوں اور چھتوں پر صلیبیں اور پرچم لہرا رہے تھے —— ہنگری پُرجوش نعروں اور مجاہدوں کی کامیابی کے لئے دُعاؤں کی گونج میں لرزنے لگا۔ جسے ہزاروں گھوڑوں کے سُموں نے اور زیادہ شدید کر دیا تھا۔

تیسرا باب

وَرنا کا مَیدان

مغرب کو مشرقِ وسطیٰ ـــــ یورپ کو ایشیا اور افریقہ سے کاٹنے والے سمندر ـــــ بحیرۂ روم کو وجُود عطا کرتے وقت خشک و تر، زمین و آسمان کے خالق نے کچھ اسی مصلحت سے کام لیا کہ جس وقت تک مسلمان اِس کی عظمت کو پہچانتے رہے ـــــ اُس وقت تک ماوراء النہر سے مراکش، اور ایڈریاٹک سے سندھ تک کی ساری دریائی دنیا پر اسلامی پرچم لہراتا رہا ـــــ

اِسی سمندر کی مشرقی سرحد پر گیلی پولی اور مغربی سرحد پر جبل الطارق، دو ایسی پُرتمکنت اور پُروقار چٹانیں ہیں جنہیں کانپتا ہُوا زرد سُورج ـــــ طلُوع ہونے کے بعد اور غروب ہونے سے پہلے، پہلا اور آخری سلام کر کے رات بھر کے لئے اِس دُنیا سے رخصت ہو جاتا ہے ـــــ

اور یہ خورشید جہاں تاب، اِسی طرح ـــــ ہر روز ان دو انتہائی روشن مقامات اور اُن کے مسلمان فاتحین کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے مشرق سے مغرب

کا سفر کرتا ہے۔

بحیرۂ روم کے مغربی دروازے پر جبل الطارق کی وہ چٹان پہرہ دے رہی ہے جس پر نامور مسلمان سپہ سالار طارقؒ نے اپنے تین ہزار مجاہدوں کے ساتھ مغربی یورپ کے جنوبی حصّے --- اندلس پر پہلی بار قدم رکھا اور طارقؒ کے نام کی رعایت سے اس چٹان نے تاریخ میں غیر فانی مقام حاصل کر لیا۔

اور بحیرۂ روم کے مشرقی کنارے پر گیلی پولی کے نام سے وہ جزیرہ آباد ہے جو ایک طویل نکیلے --- پتھریلے تیر کی طرح یورپ کے مشرقی کونے سے نکل کر سمندر کے سینے میں اُترتا چلا گیا ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں بحیرۂ روم نے مارمورا سے جُدا ہوتے وقت ایک درّے کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ جو درّۂ دانیال کہلاتا ہے۔

پہلی جنگِ عظیم میں سارا مسیحی یورپ --- برطانیہ کلاں، روس، امریکہ اور جاپان کی مدد سے ترکوں کو ختم کرنے کے لئے جس درّے پر قبضہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اُسے صرف چالیس ترکوں نے گیلیو پر عبور کر کے --- مشرقی یورپ کے جنوبی کونے پر پہلی بار اسلامی پرچم گاڑا تھا۔

نوجوان ترک سلطان --- محمّد کو بھی گیلی پولی سے حد درجہ عقیدت تھی اور یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی عظیم سلطنت کے دار الخلافے --- آدرنہ کے پُر عظمت دربار اور شاد و آباد محلّات کو نظر انداز کر کے سیر و شکار کے بہلاتے یہیں آ نکلتا۔

گیلی پولی کے عین جنوب میں درۂ دانیال کے اُس پار ٹرائے کا قدیم یونانی شہر ہے جس کی حسین ترین شہزادی ہیلن کے افسانے نے اس شہر کو شہرتِ دوام بخش دی ہے۔ جنوب مغرب میں سپارٹا ہے۔ جنوب میں سکندرِ اعظم کا وطن مقدونیہ اور ٹرائے کے نیچے بلکہ بہت نیچے شام ہے۔ شام کے ساتھ مصر اور مراکش بھی اسی سیاہ سے خطہ میں واقع ہیں۔

سلطان محمدؒ کبھی پہاڑ کی اُونچی چوٹیوں پر چڑھ کر ان ملکوں کے جغرافئے پر غور کرتا اور کبھی ان مسلمان سرداروں کی زندگی پر ــــ جن کے نقشِ پا آج تک مکہ معظمہ سے مراکش تک جانے والی صحرائی شاہراہ پر کہکشاں کے ستاروں کی طرح روشن تھے۔ اور اس کی خواہش تھی کہ وہ اِنھی نشانوں پر چلتا ہُوا ــــ شمعِ توحید کے پروانوں اور مجاہدوں کے نقوشِ پا کو چُومتا ہُوا اپنی ساری عمر گزار دے۔

O

ایک دن ــ شام کے قریب جب وہ گیلی پولی کے ساحل سے دُور کھلے سمندر میں سیر کر رہا تھا تو اچانک کسی انجانے خیال نے اُسے افسردہ کر دیا۔

اُس نے اپنے ذہن کو اس خیال کی گرفت سے آزاد کرنے کی جدوجہد میں اپنے گردوپیش نگاہ ڈالی ــــ مغرب میں سورج کے ڈوبنے کے وقت سے اُفق میں آگ بھڑک اُٹھی تھی اور تاریکیاں پُراسرار طور پر بتدریج نیلگوں ہوتی ہوئی سرخیوں کی طرف رینگ رہی تھیں۔

ــــ سمندر کے تموّج میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہو رہا تھا اور تھوڑی دیر بعد سلطان محمدؒ کا چھوٹا شکاری جہاز بُری طرح ہچکولے کھانے لگا۔

ملاح سلطان کے اشارے پر جہاز کو ساحل کے قریب لے جانے کی کوشش میں تھے مگر سمندر کے تیزی سے بڑھتے ہوئے مدّوجزر نے جہاز کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ وہ اُسے ساحل سے لگانے کی جتنی کوششیں کرتے۔ لہریں اُسے اتنا ہی اور دُور لے جاتیں۔ اور آخر ملاحوں نے جہاز کو مدّوجزر کے رحم پر چھوڑ دیا۔

اب جہاز آہستہ آہستہ اُس چٹان کی طرف بڑھنے لگا جہاں آج سے کچھ عرصہ پہلے یہی جہاز تخت سے دستبردار ہونے والے سلطان مراد کو میلنشیا میں گوشہ نشینی

کے لئے یورپ سے ایشیا لے جانے کے لئے لنگر انداز تھا۔

سلطان محمد کی نگاہیں جب بھی چٹان پر پڑتیں، اُس کی حالت متغیر ہونے لگتی، ملاحوں کو یہ راز معلوم تھا، اِس لئے وہ ہمیشہ اُس کے جہاز کو اس چٹان سے دُور لنگر انداز کرتے۔ آج بھی وہ جہاز کو اس چٹان سے دُور ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے مگر سلطان نے اُنہیں منع کر دیا اور لہریں اپنے زور سے جہاز کو اُسی چٹان کے قریب لے آئی تھیں۔

جہاز لنگر انداز ہو گیا تو سلطان نے عرشے پر کھڑے ہو کر جہاز اور چٹان پر نگاہ ڈالی ـــ سب کچھ وہی تھا۔ مگر سُلطان مراد موجود نہ تھا، اور اُس نے اپنے باپ کی عدم موجودگی کو بُری طرح محسوس کیا۔ باپ کی ضعیفی، تخت سے دستبرداری اور یورپ کی سرزمین سے دُور ایشیا میں گوشہ نشینی کی زندگی پر اُسے رونا آ گیا۔

ابھی وہ جہاز کے عرشے پر کھڑے ہو کر آدریَنہ کے محلات اور اُن کے میناروں کو دیکھ ہی رہا تھا کہ اُسے آدریَنہ سے گیلی پولی آنے والی سڑک پر گرد و غبار کے بادل اُٹھتے ہوئے دکھائی دئیے، جیسے کئی رسالے سرپٹ دوڑتے آ رہے ہوں۔ وہ جہاز سے ساحل پر آ گیا۔ اس اثنا میں اُس کے مصاحب بھی چاروں طرف سے ساحل پہ جمع ہو گئے۔ اور اُس گھوڑ سوار کو دیکھنے لگے جو سب سے آگے سرپٹ دوڑتا ہُوا سلطان کی طرف آ رہا تھا۔

اِس گھوڑ سوار کو دیکھ کر آسانی سے معلوم ہو سکتا تھا کہ وہ آدریَنہ سے نہیں ـــ بلکہ بہت دُور سے آ رہا ہے۔ اُس کے گھوڑے پر گرد و غبار کی تہیں جمی ہوئی تھیں اُس کے چہرے پر حیرت، خوف اور پریشانی نے اپنا رنگ جما رکھا تھا اور اُس کا لباس خون میں لت پت تھا۔

سلطان اُس کی یہ حالت دیکھ کر تیز تیز چلتا ہُوا اُس کے قریب آ گیا۔ اُسے گھوڑے سے اُترنے کی مہلت بھی نہ دی اور سوال کیا:

"یہ کیا ہوا تمہیں؟"

"جولین کی سازش سے، ہنیاڈی نے معاہدۂ زیجدین کی دھجیاں اُڑا دیں!"
اُس نے ہانپتے کانپتے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کہا۔" ہماری جو فوج معاہدے کے احترام میں سربیا بوزنیا اور ہنگری کے سرحدی برجوں کو خالی کر کے دارالخلافے کی طرف بڑھ رہی تھی، ان سب کو تہہ تیغ کر دیا گیا۔ کئی دستوں کو قلعوں ہی میں زندہ جلا دیا گیا۔ سینکڑوں سپاہیوں کو پہاڑ کی چوٹیوں سے گہرے کھڈوں میں گرا دیا گیا اور اب متحدہ یورپ کا زبردست مسیحی لشکر ورنا کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اور ـــــ میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت تک ورنا کا کیا حشر ہوا ہوگا!"

سلطان نے لمحہ بھر کے لئے سوار کو دیکھا۔ اُسے اس کی باتوں پر یقین نہ آیا۔ کہیں یہ سوار کسی دماغی صدمے کی وجہ سے پاگل تو نہیں ہو گیا؟ سوار نے سلطان کو اپنے سامنے پا کر نیچے اُترنے کی کوشش کی، تاکہ وہ سلطانی آداب ملحوظ رکھے۔ مگر زخموں کی وجہ سے وہ اُتر نہ سکا، نیچے گرا اور گرتے ہی اُس نے بیتابی کے ساتھ سلطان کے پاؤں تھام لئے۔ پھر آخری بار کہا:

"سلطان ـــــ!"

سلطان اس پر جھکا۔ سپاہی اپنا فرض ادا کرتے ہوئے، عثمانی سلطنت پر قربان ہو چکا تھا ـــــ وہ اپنا حقِ نمک ادا کر چکا تھا۔

سلطان اس کے پاس زمین پر ہی بیٹھ گیا، سپاہی کی شہادت کے اعزاز میں اپنے سر سے سلطانی عمامہ اُتار لیا اور کہا:

" میں عثمانی سلطنت سے تمہاری وفاداری کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہاری شہادت کا انتقام لیا جائے گا، اُن شہیدوں کا انتقام لیا جائے گا جو سرحدی چوکیوں سے دارالخلافے کی طرف آتے وقت کام آئے اور ہماری گرفت سے وہ صلیبی حملہ آور بھی

کبھی نہ بچ سکیں گے جنہوں نے ہماری سرحدی چوکیوں کو جلاکر راکھ میں منتقل کر دیا ہے"!

سلطان نے اپنی شاہانہ خلعت اُتاری اور مرحوم سپاہی کی لاش پر پھیلا دی اتنے میں وہ سوار بھی آن پہنچے جو اس قاصد کے پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ ان میں زیادہ تر آدرنہ کے اُمراء اور وزراء تھے۔ سب کے چہروں پر پریشانی چھائی ہوئی تھی۔ سب حیرت سے نوجوان سلطان کا منہ تک رہے تھے۔ سلطان نے سالارِ اعلےٰ سے مخاطب ہوکر کہا:

"فوری طور پر جس قدر فوج تیار ہو سکتی ہے، اُسے ورنا کی طرف کوچ کا حکم سنا دیا جائے۔ میں صبح ہونے سے پہلے پہلے ورنا کی طرف روانہ ہو رہا ہوں"۔

سالارِ اعلےٰ سلطان کے سامنے جھک گیا اور اُس کے بعد سلطان نے وزیرِ اعلیٰ سے کہا:

"اس وقت ایک مختصر سا وفد میلینشیا کی طرف روانہ کیا جائے جو ضعیف سلطان کو میری طرف سے یہ پیغام دے کہ آپ نے جس دشمن کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے کے احترام میں تخت سے دستبردار ہوکر گوشہ نشینی اختیار کی تھی اُس نے معاہدہ زیجدین کی عبارت کی سیاہی خشک ہونے سے پہلے ہی اُسے مٹا ڈالا! میری طرف سے گوشہ نشین سلطان کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرنے کے بعد یہ بھی عرض کیا جائے کہ گیلی پولی کے کنارے میری دن رات کی دُعائیں مستجاب ہوئیں ــــ دشمن اپنے آپ ہمارے خلاف میدان میں نکل آیا، اور میں اُسے ورنا ہی میں روکنے کے لئے کل صبح سے پہلے پہلے روانہ ہو رہا ہوں۔ دُعا کیجئے کہ اللہ مجھے کامیاب کرے۔ مجھے موقعہ دے کہ میں اپنے آپ کو تُرک سُلطان ثابت کر سکوں!!

انشاء اللہ آپ بہت جلد یہ سُن لیں گے کہ یورپ کے نامور فاتح۔ سلطان دوم کا بیٹا محمد دوم یا تو زیجیدین کی جگہ جولین اور ہنسیاڈی کو صلح اور امن کے بالکل نئے معاہدے پر مجبور کرے گا — یا ورنا کے میدان میں اس طرح بے جان پڑا ہوا نظر آئے گا کہ ترک پرچم اُس کے ایک ہاتھ میں ہوگا اور آپ کی بخشی ہوئی تلوار دوسرے ہاتھ میں!"

O

سلطان مراد اگرچہ سلطنتِ عثمانیہ سے دستبردار ہو کر میلنشیا میں گوشہ نشین ہو چکا تھا اور ظاہری طور پر سلطنت کے معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ مگر اُس نے اپنے عہدِ حکومت کے دوران جو کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے، اُن کی روشنی میں وہ نہ صرف عثمانی خاندان کے ممتاز سالاروں، بلکہ انتہائی ذہین سیاستدانوں کی صف میں آگیا تھا، اور یہ حقیقت ہے کہ اگرچہ عثمانی سلطنت پر سلطان محمد کی فرمانروائی تھی — مگر گوشہ نشین سلطان ابھی تک دوست اور دشمن — دونوں کے نزدیک اپنے تدبّر، تجربات، اعتماد اور پیش آنے والے واقعات کا قبل از وقت صحیح اندازہ لگانے کے لئے ایک ایسا درویش صفت سلطان قرار دیا جاتا تھا جو میلنشیا میں گوشہ نشینی کے باوجود سلطنت کا مرکزی ستون تھا۔

اِس میں کوئی شک نہیں کہ انگورہ میں تیمور کے ہاتھوں سلطنتِ عثمانیہ کی انتہائی ہولناک تباہی کے بعد سلطان محمد اوّل کی فراست اور حکمتِ عملی نے دوبارہ مُردہ سلطنت میں جان ڈال دی تھی۔ مگر تباہی کے بھنور میں عثمانیوں کے اس ڈوبتے ہوئے سفینے کو جو اَب واقعی سمندر کی تہہ میں پہنچ چکا تھا، نہ صرف عافیت — بلکہ موجودہ عزّت و شہرت کے بلند مقام پر پہنچانے والا سلطان مراد دوئم ہی تھا۔

مراد اپنی حکومت کے آخری ایام میں اپنی سلطنت کی شمالی سرحدوں پر اپنے طاقتور ہمسائے ہنگری سے اُلجھا رہا۔ لیکن یورپ میں مُراد کی شاندار پیش قدمیوں میں بلغراد کا محاصرہ بڑی شہرت رکھتا ہے۔

آج بلغراد کو محاصرے میں لینے والا شیر مینگنیشیا میں اپنے باپ کی قبر کے ساتھ چھوٹی سی ملحقہ سبز گنبد والی مسجد میں محصور ہو کر گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہا تھا۔ تیس برس تک ڈینیوب سے ڈینزگ کے ایوانوں پر رعشہ طاری کر دینے والا مجاہد مسجد میں قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا اور جب وفد اُس کے حضور باریاب ہوا تو اُس نے ایک تارک الدنیا درویش کی طرح کسی رسمی تمہید کے بغیر قائد کو اپنا مدعا بیان کرنے کی اجازت دی۔

اور جب قائد نے گوشہ نشین سلطان کو تخت نشین ـــــ سلطان وقت کا مختصر سا پیغام سنایا تو سلطان مُراد کی نظریں اطمینان کے ساتھ قرآن کے صفحات پر دوبارہ مرکوز ہو گئیں، تلاوت ختم کی، قرآن شریف بند کیا، اَدب سے مسجد کے طاق میں رکھا، اور اپنے مختصر سے سامان کو اُلٹ پلٹ کر معاہدۂ زیجیدین کی نقل، بوسیدہ تلوار، اور ٹوٹی ہوئی زنگ آلود زرہ نکالی۔ لمحہ بھر کے لئے معاہدۂ زیجیدین پر نگاہ ڈالی، زرہ پہنی اور تلوار کمر میں لٹکاتے ہوئے پوچھا:

"اِس وقت نوجوان سلطان کیا کر رہا ہے؟"

وفد کے قائد نے نہایت مؤدب انداز میں جواب دیا:

"آپ کے جواب کا انتظار۔"

یہ سُن کر گوشہ نشین سلطان نے معاہدۂ زیجیدین کی نقل کو تہہ کر کے اپنے کمربند میں رکھتے ہوئے کہا کہ:-

"ترک مسلمانوں کو خدا نے صرف اِس لئے زندگی عطا کی ہے کہ وہ اس سے اپنی عزت و وقار کی حفاظت کریں اور اپنی زندگی کی حفاظت کے لئے

بذاتِ خود موت سے پنجہ آزما ہوں ــــ یہ تمہاری زندگی اور موت کی آخری کش مکش ہے۔ اس میں فوجوں اور جنگی سازوسامان کی کثرت تمہاری کوئی مدد نہ کر سکے گی۔ اس لئے جو کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے اُسے سمیٹ کر طوفان کی طرح ورنا پر چھا جاؤ!

آج تمہارے زبردست حریف ــــ فتح کے نشے میں بدمست دشمن کو جو چیز شکست دے سکتی ہے، وہ تمہاری جرأت اور عزم کی پختگی ہے۔ آدرنہ سے فوراً نکلو! لشکر و سپاہ کے ساتھ نکلو یا تنِ تنہا نکلو۔ تلواروں، نیزوں اور پرچموں کے سائے میں نکلو یا خالی ہاتھ نکلو۔ تم اپنے ضعیف باپ کو درۂ دانیال کے پار ــــ یورپ کی سرزمین میں ــــ وَرنا کی شاہراہ پر اپنا منتظر پاؤ گے!!"

"معاف کیجئے عالی جاہ!" وفد کے قائد نے بڑے ادب کے ساتھ کہا۔ "میں حضور کی ہیبت سے یہ عرض کرنا بھول گیا کہ سُلطانِ وقت نے اُسی رات صبح سے پہلے پہلے ادرنہ سے کُوچ کا ارادہ کر لیا تھا۔"

سلطان مراد نے لمحہ بھر کے لئے وفد کے قائد کو دیکھا۔ وفورِ جذبات سے اُس کے ہاتھ غیر ارادی طور پر تلوار کے قبضے پر حرکت کرنے لگے اور اُس نے مسکراتے ہوئے کہا:

"مجھے اپنے جانشین سے یہی اُمید تھی۔"

○

سربیا، بوزنیا اور ولاشیا کے علاوہ کوہستانِ بلقان میں ترکوں کی جس قدر سرحدی چوکیاں قائم تھیں "معاہدۂ زیجدین" کی رُو سے انہیں خالی کیا جا رہا تھا ــــ

جو سپاہی تین تین چار چار سال سے یہاں تعینات تھے۔ وہ اُنہیں چھوڑتے وقت مغموم تو ضرور تھے۔ کیونکہ اُن پر قبضہ کرنے کے لئے اُنہوں نے اپنی آنکھوں سے سینکڑوں عزیزوں اور بھائیوں کو خون میں نہلاتے دیکھا تھا۔ معاہدۂ زیجدین نے ان تمام قربانیوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ مگر اُنہیں یقین تھا کہ وہ بہت جلد دوبارہ ان مقامات پر اسلامی پرچم لہرائیں گے۔

گھر جانے کی خوشی نے تھوڑی دیر کے لئے اُنہیں مسرور کر دیا تھا۔ عزیزوں رشتہ داروں اور بیوی بچوں سے ملاقات کے تصوّر نے اُن کے سامنے ایک نئی دنیا بسا دی تھی، اور ان میں سے کسی کے دل میں خیال تک نہ تھا کہ موت سائے کی طرح اُن کا پیچھا کر رہی ہے۔

جب یہ ترک دستے چوکیوں سے نکل کر بلقان کے دامن میں منتشر ہو کر ادرنہ کی طرف جا رہے تھے، تو اُنہیں اس سیلاب نے اچانک گھیر لیا جو ہنگری سے اُٹھا تھا — پہاڑ کا خاموش اور پُر امن دامن موت کے بازار میں منتقل ہو گیا۔ مسیحی نائٹوں نے چھوٹے چھوٹے ترک دستوں سے خوب خوب انتقام لیا۔ اُنہیں پکڑا جاتا، اور گھوڑوں کے سُموں تلے کچل دیا جاتا۔ ان کے اعضاء کاٹے جاتے۔ اُنہیں اُونچی چٹانوں پر سے نیچے — میلوں نیچے کھڈوں اور تاریک پہاڑی غاروں میں دھکیل دیا جاتا۔

ہنیاڈی کا حکم تھا، "کسی ترک کو زندہ نہ رہنے دیا جائے — ترکوں کے منہ میں جو چند دانے جائیں گے، مسیحی گھوڑوں کو اُن کی بے حد ضرورت ہوگی۔ کسی ترک کو جان بچا کر نکل جانے کا موقعہ نہ دیا جائے، ورنہ ترکوں کو ساری سازش کا علم ہو جائے گا۔"

"ہمارا لشکر جب تک ڈینیوب پار نہ کرے، وہ کہتا تھا اس وقت تک یہ پیش قدمی بالکل راز رہے!! جس طرح وہ بے خبر ترک دستوں کے سر پر موت کی طرح مسلّط ہو جاتے

اسی طرح ہنیاڑی ادرنہ کی دیواروں کے نیچے اچانک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ وہ ترکوں کو اپنی مدافعت کا موقع بھی نہ دینا چاہتا تھا۔

جولین کے خیالات کے مطابق ـــ ادرنہ اس سیلاب کی پہلی منزل تھی۔ اُس کا رُخ تو فلسطین کی طرف تھا اور فلسطین سے اِدھر وہ مسلمانوں کو کسی بڑی جنگ کے لئے تیاری کی مُہلت دینے کے سراسر خلاف تھا۔

یہ لشکر یکے بعد دیگرے اِن تمام چوکیوں پر قابض ہوتا چلا گیا جنہیں ترک خالی کر کے جا رہے تھے۔ وہ تمام دستے باری باری مسیحیوں کی تلوار کا نشانہ بنے جو ادرنہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اِس دوران میں بعض ایسے موقعے بھی آئے کہ بعض چوکیوں پر ابھی تک ترک قابض تھے۔ ہنیاڑی ان کو محاصرے میں لے لیتا۔ ترک مردانہ وار مقابلہ کرتے۔ جس کی تاب نہ لا کر ہنیاڑی ان میں آگ لگا دینے کا حکم سُنا دیتا ـــ اُس نے ترکوں کی کامل تباہی کے لئے بلقان کو بھٹیوں میں منتقل کر دیا۔ جہاں سے صلیبی لشکر گزر جاتا۔ وہاں راکھ کے سوا اور کچھ نظر نہ آتا۔

بلقان کے سرحدی علاقے فتح کرنے کے بعد ہنیاڑی نے ڈینیوب کے کنارے لگام موڑ دی۔ ایک طرف تو اُسے یہ معلوم تھا کہ بحیرۂ اسود کے کنارے ورنا ترکوں کی ایسی چوکی ہے جو سارے بلقان کی سرحدی چوکیوں میں تعینات ترک سپاہ کا مرکز ہے۔ اگر اس چوکی کو نظر انداز کر کے صلیبی ادرنہ کی طرف بڑھ گئے تو ورنا میں مقیم ترک سپاہ نہایت آسانی سے آدرنہ تک پہنچ کر اُنہیں نقصان پہنچا سکتی ہے۔ ساتھ ہی اُسے یہ بھی خیال تھا کہ جب تک ترکوں کا اقتدار بحیرۂ اسود میں برقرار رہے۔ اُنہیں یورپ میں قطعی شکست نہیں دی جا سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے اب ساحل کا رُخ کر لیا تھا۔

ورنا کے ترک قلعدار کو معلوم ہو چکا تھا کہ معاہدۂ زیجدین کو توڑنے والے اب

اور ترنہ کی طرف بڑھ رہے ہیں، اس لئے اس نئے اور ترنہ کے حاکم کو اس سازش سے بروقت آگاہ کرنے کے لئے برق رفتار قاصد بھیج دئے تھے، اور خود قلعہ کے دفاع میں ہمہ تن مصروف ہو گیا تھا۔

ہنیاڈی نے ورتنا کے باہر ڈیرے ڈال کر جب قلعے کے استحکام کا جائزہ لیا، تو اُسے معلوم ہو گیا کہ جب تک صلیبی لشکر جانی نقصان برداشت نہ کرے، اُس وقت تک اُسے فتح نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہ ورتنا کے لئے ایسا نقصان برداشت کرنے کو تیار نہ تھا۔

چنانچہ اُس نے سب سے پہلے قلعہ دار کو صلح کی بات چیت کے لئے مُلاقات کا پیغام بھیجا۔ اُسے یقین تھا کہ جو وفد بات چیت کے لئے آئے گا، اُسے وہ اپنی فوجی برتری کی نمائش سے مرعوب و متاثر کرے گا اور عین ممکن ہے کہ ترک اپنی سلامتی کے لئے اُس کی شرائط پر ہی قلعہ اُس کے سپرد کر دیں۔ ورنہ وفد کی شرائط پر بھی صلح کر لی جائے تو کوئی ہرج نہیں ــــ اس کا مقصد شرطوں کی پابندی نہیں، بلکہ قلعہ پر قبضہ کرنا تھا۔

ہنیاڈی کی خواہشات کے مُطابق قلعہ دار نے صلح کی بات چیت پر آمادگی ظاہر کرتے ہوئے ایک وفد اُس کے پاس بھیجا۔ اُس نے پہلے دن تو وفد کو صرف اپنے کیمپ کے اردگرد گھماتے ہوئے فوجی برتری کی نمائش سے مرعوب کرنے کی کوشش کی اور دوسرے دن باقاعدہ گفتگو شروع ہوئی ــــ سارا دن دونوں طرف سے پیش ہونے والی شرطیں وغیرہ بیان کرنے میں گزر گیا۔ تیسرے دن ان شرطوں پر بحث شروع ہوئی، اور یہ سلسلہ کچھ اس طرح قائم ہُوا کہ ختم ہونے ہی میں نہ آتا تھا۔

حقیقت میں ترک قلعہ دار صلح کے لئے تیار ہی نہ تھا۔ وہ کسی بھی شرط پر صلح

کرنے کا خواہشمند نہ تھا۔ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ بات چیت میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارا جائے، تاکہ اس دوران ترک سلطان دشمن کے مقابلے کے لئے تیار ہو کر یہاں پہنچ جائے اور اگر یہاں نہ بھی پہنچے تو اُسے جنگی تیاریوں کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت مل جائے، کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ ورنا کا جھگڑا ختم ہوتے ہی ہنیاڑی طوفان کی طرح اور نہ پر چھا جائے گا۔

آخر کار ہنیاڑی کو بھی معلوم ہو گیا کہ قلعہ دار اُسے باتوں میں مصروف رکھنا چاہتا ہے۔ اس لئے اُس نے وفد پر دھونس جماتے ہوئے کہا :

"ہمیں قوّت کے استعمال پر مجبور نہ کرو، حقیقت میں ہمیں ابھی تک تمہارے جان و مال کا خیال ہے ــــ ورنا ہمارے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ میرے پاس اس قدر فوج ہے کہ اگر ایک صف میں کھڑی ہو کر وہ اپنے نیزے ہی تان لے تو ورنا کی فصیل پاش پاش ہو جائے !"

جس کے جواب میں وفد کے قائد نے کہا :

"اور ہم تمہیں قوت کے استعمال کا موقعہ دیتے ہیں۔ بخدا ہمیں اپنی جانوں کی کوئی پروا نہیں، کیونکہ ہم جس دن پیدا ہوئے تھے، ہماری زندگیاں قومی مقاصد کے لئے وقف ہو گئی تھیں۔"

اور اس کے ساتھ ہی اس بات چیت کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔

وفد کے اندر داخل ہوتے ہی قلعے کے دروازے بند ہو گئے اور سپاہ کو مدافعت کا حکم سُنا دیا گیا۔

قلعہ دار نے مٹھی بھر ترکوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا :

"مسیحی یورپ معاہدۂ زیجدین سے رُوگردانی اختیار کر چکا ہے اور یہ بات شاید کسی کے خواب و خیال میں بھی نہ ہو گی۔ بلقان کے شمالی دامن

سے ورنا تک جس قدر چوکیاں تھیں، وہ تباہ کردی گئیں، اب ورنا کی باری ہے! ہماری زندگی کا سب سے بڑا مدعا اور ہماری محبوب تمنا شہادت۔۔۔ قلعے کے دروازے پر دستک دے رہی ہے۔ اور اب اُسے زیادہ دیر تک روکا نہیں جاسکتا۔ ہماری کوشش یہ ہے کہ محض مدافعانہ جنگ کریں۔ تاکہ سلطان کو تیاری کے لئے زیادہ سے زیادہ فرصت مل سکے۔ کیا عجب ہے کہ سلطانی سپاہ حرکت میں آچکی ہو"۔

سپاہیوں نے اپنا اپنا اسلحہ سنبھالا اور فصیل کے برجوں پر مستعد بیٹھ گئے۔

اگلے دن ہنیاڈی نے حملہ کردیا۔ مگر ترک نہایت بہادری سے لڑے اور انہوں نے سرحدی چوکیوں میں مرنے والے بھائیوں کا جی بھر کر انتقام لیا۔۔۔ ورنا کے ایک ایک ترک سپاہی نے کئی کئی مسیحی قتل کئے۔ مگر دشمن کا دباؤ بڑھتا گیا۔ ترک لڑتے اور ادرنہ کی طرف دیکھتے رہے، شاید کوئی امداد مل جائے مگر بے سود۔ خوراک ختم ہوگئی، پانی ختم ہوگیا۔ زندگی کی امید دھندلی ہوتی چلی گئی۔ بازو شل ہوتے گئے، اور موت قریب سے قریب تر!

اور آخر کار ورنا آگ کے شعلوں کی نذر ہوگیا۔ اور جب شعلے بجھ گئے تو کھنڈروں پر اسلامی پرچم کی جگہ صلیبی پرچم لہرا رہا تھا۔

○

ایک دن شام کے وقت جب سلطان محمد بحیرۂ اسود کے کنارے کوئی ایسا موزوں مقام تلاش کررہا تھا جہاں رات بھر کے لئے اُس کی فوج پڑاؤ کرسکے کہ اُس کی نگاہ ساحلی چٹانوں میں ایک ایسے گھوڑے پر پڑی، جس کا سوار ساحل پر

بے قراری سے ٹہل رہا تھا۔

سلطان محمد اپنا شبرنگ گھوڑا دوڑاتا ہوا اس سوار کے قریب آیا، جس نے اپنا نیزہ بحیرۂ اسود کے سنگلاخ ساحل پہ گاڑ کر گھوڑے کی لگامیں اس میں پھنسا دی تھیں اور خود رطی بے نیازی سے مغربی اُفق کی تنہائیوں میں کائنات کے تنہا مسافر —— سورج کو اپنی منزل مقصود کے قریب پہنچتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

سلطان محمد نے اپنے ضعیف باپ کو پہچان لیا تھا۔ وہ دبے پاؤں گوشہ نشین سلطان کی طرف بڑھا اور ادب و خاموشی کے ساتھ اُس کے سامنے زمیں بوس ہو گیا۔

بوڑھے باپ نے جوان بیٹے کو دیکھا۔ اُس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ اور خاموشی کے ساتھ سینے سے لگا لیا —— دونوں کو عرصے کے بعد یہ خلوتیں میسّر آئی تھیں۔ دونوں کی آنکھوں میں گیلی پولی کا وہ سماں پھرنے لگا، جبکہ دونوں آخری بار ایک دوسرے سے رخصت ہوئے تھے۔ دونوں نے بار بار خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھا —— ایک دوسرے کی خاموش نگاہوں اور بے قرار دل کی دھڑکنوں نے وہ سب کچھ کہا سُنا جو دونوں ایک عرصے پر مشتمل حالات کے متعلق ایک دوسرے سے کہہ سُن سکتے تھے۔

سلطانِ وقت کے محافظ دستے کے کچھ سوار اور دوسرے امیر وزیر اب اِس طرف آ رہے تھے۔ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہوئے۔ سلطنت کے قدیمی خیراندیش گوشہ نشین سلطان سے ملے اور ساری سپاہ میں ایک غلغلہ مچ گیا —— "گوشہ نشین سلطان آ گئے، سلطانِ معظم سلطان مراد ثانی پہنچ گئے۔"

سلطان مراد اپنے دیرینہ دوستوں سے مِلا۔ سپاہ کے سامنے آیا اور سلطان محمد سے مخاطب ہو کر کہا —— "اگر سلطانِ وقت یہاں قیام کرنے کا فیصلہ نہ کر چکا ہوتا،

تو مَیں اُسی وقت ورنا کی طرف روانہ ہو جاتا، کیونکہ حقیقت میں مَیں جب تک ورنا میں موجود دشمن کے سر پر نہ پہنچ جاؤں مجھے چین نہیں آئے گا، مگر چونکہ سلطان کے حکم پر سپاہی اپنی کمریں کھول چکے ہیں، اس لئے مَیں بھی سکون کی چند گھڑیاں اپنے پُرانے دوستوں کے ساتھ گزارنے پر آمادہ ہو گیا ہُوں، بہر حال کوئی خیمہ نصب نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ ترک سپاہ صبح کی نماز کے فوراً بعد ورنا کی طرف کُوچ کر دے گی۔"

اور دوسرے دن صبح سویرے ــــ نماز سے فارغ ہوتے ہی ترک سپاہ ورنا کی طرف روانہ ہو گئی۔ اب فوج کی کمان ضعیف سلطان کے ہاتھ میں تھی۔ جسے عرصے کے بعد گھوڑے کی زین پر بیٹھنے کا اتفاق ہُوا تھا۔ اس نے سرزمینِ یورپ کی طنابیں کھینچ لیں، اور غیر متوقع سُرعت کے ساتھ ورنا کے قریب جا پہنچا۔

صلیبی مجاہد اپنے ساتھ جہازوں میں بھر کر جس قدر عورتیں اور شراب لا سکے تھے، ورنا کی فتح سے بے خود ہو کر اُن کے ساتھ دادِ عیش دے رہے تھے۔ اُنہیں اپنی قوت، استعداد اور جنگی ساز و سامان کی کثرت پر اتنا ناز تھا کہ شراب کی عارضی بلندیوں پر پہنچ کر کہتے۔ "ترک کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر آسمان بھی ہمارے سر پر آ گرے تو ہم اُسے بھی اپنے نیزوں کی اَنیوں پر تھام لیں گے"!

مگر جب بلقانیوں کو معلوم ہُوا کہ وہ جس نامور سلطان کو میگنیشیا میں یورپ سے بہت دُور ایشیا میں ــــ گوشہ نشین تصوّر کر رہے تھے، وہی سُلطان مراد فوج کی کمان کرتے ہوئے ورنا سے صرف سات میل کے فاصلے پر آ گیا ہے، تو ان میں بد دلی ظاہر ہونے لگی، جسے معلوم کر کے ہنیاڈی نے مخبروں کی گوشمالی کرتے ہوئے ساری سپاہ میں اعلان کر دیا کہ:

"ترک کوئی فرشتے تو نہیں کہ اس قدر تیزی سے ورنا پہنچنے میں کامیاب ہوں گے۔ اگر آئندہ کسی مخبر نے ایسی غلط افواہیں پھیلائیں تو ان کے

کان کاٹ دئے جائیں گے ــــ اور ــــ اگر وہ آبھی رہے ہیں تو انہیں آنا چاہیئے۔ کیونکہ ہم انہیں میدان میں لانے کی کوشش کر رہے ہیں ــــ ہماری خواہش ہے کہ مرنے سے پہلے سُلطان مُراد بھی آخری بار ہمارے مقابلے پر آئے۔ یہ وہی شخص ہے جس کی سپاہ کو ہم بلغراد اور ہر مانسٹڈٹ میں عبرتناک شکست دینے کے بعد ڈینیوب کے پار بھگا چکے ہیں اُسے آنے دو۔ کیونکہ جب تک وہ ہمارے ہاتھ سے مارا نہ جائے اُس وقت تک ترکوں کے ساتھ ہماری جنگ کا کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

بہادرو! یہ ترکوں اور بلقانیوں، یورپیوں اور ایشیائیوں، مسیحیوں اور مسلمانوں یا ــــ سکندرِ اعظم کے الفاظ میں مغرب و مشرق کے درمیان ساری دُنیا پر اقتدار برقرار رکھنے کا فیصلہ کرنے کے لئے آخری فیصلہ کُن جنگ ہے۔ ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ دُنیا کو مسیحیت کی ضرورت ہے، یا اسلام کی۔ کائنات کا مقدر مسیحیت کے ہاتھ میں ہے یا اسلام کے ہاتھ میں؟"

○

آخر کار ۱۱ نومبر ۱۴۴۴ء کے روز ــــ جب ورنا کے باہر سینٹ میتھودین کے عُرس کا آغاز ہونے والا تھا۔ ترکوں کے ہراول دستے ورنا کی دیواروں کے سامنے آنمودار ہوئے۔

ہنیاڈی نے ایک محتاط سالار کی طرح صلیبی لشکر کو پہلے ہی سے جنگی ترتیب کے مطابق صف آرا کر رکھا تھا ــــ یورپی سپاہ کا سب سے زبردست، تجربہ کار حصّہ میمنہ پر مامور تھا۔ جس میں فرانس کے آہن پوش صلیبی دستے خاص طور پر قابلِ ذکر

تھے۔ ہنگری کا نوجوان ولی عہد ولاڈی ولاس اپنے شاہی محافظ دستے اور ہنگری کے نامور پہلوانوں، سرداروں اور نائٹوں کے ساتھ قلب پر مامور تھا۔ پولینڈ کے نوجوان صلیبی مجاہد، پیٹر وارڈین کے بشپ کی کمان میں قلب کے پیچھے پس نشیں —— رئر گارڈ کی حیثیت میں صف آرا تھے۔ اور ہنیاڈی اس متحارہ صلیبی لشکر کے سالارِ اعلیٰ کی حیثیت سے اپنے مانے ہوئے جیالوں کے ساتھ میسرہ پر کھڑا میدان کا جائزہ لے رہا تھا۔

ترک فوج کی پہلی دو صفیں سواروں اور بے قاعدہ پیدل دستوں پر مشتمل تھیں۔ رومیلیہ کا ترک گورنر اس کے دائیں بازو پر تعینات تھا اور اناطولیہ کا نوجوان ترک گورنر بائیں بازو پر۔ ان صفوں کے پیچھے قلب میں گوشہ نشیں سلطان اپنے جانثاروں اور محافظ دستے پر مشتمل رسالے کے ساتھ فوج کی کمان کر رہا تھا اور سلطان محمد تیراندازوں کی ایک چھوٹی سی ٹولی کے ساتھ رومیلیہ کے گورنر کے دائیں ہاتھ پس نشین دستے کے کماندار کی حیثیت سے موجود تھا۔

سلطان مُراد نے آخری بار صفوں کا مُعائنہ کیا۔ اُس نے اپنے کمربند سے معاہدۂ تر یحدین کی نقل نکالی۔ ترک فوج کو اس کے مفہوم اور بعض بنیادی شرطوں سے آگاہ کیا۔ پھر اسے اپنے نیزے کی نوک میں پرو دیا اور اپنے ہاتھ کو بلند کرتے ہوئے کہا:

"لوگو! گواہ رہو یہ اس معاہدے کی نقل ہے جس پر دس برس تک کاربند رہنے کا یقین دلانے کے لئے ہنیاڈی نے انجیل پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی تھی۔ تمہیں معلوم ہے کہ صلیبیوں نے —— بلکہ سارے یورپ کے مسیحیوں نے ایک ناپاک سازش کر کے یہ معاہدہ اس وقت توڑا جبکہ ہم اس کی شرطوں پر عمل کر کے ہنگری، بوزنیا اور سربیا کی سرحدی

چوکیاں خالی کر رہے تھے۔ اِن چوکیوں کو خالی کرنے والی ترک فوج کا جو حشر ہُوا، وہ بھی تمہیں معلوم ہے اور تعصّب کی وجہ سے اندھے صلیبیوں نے ورنا کا جو حشر کیا ہے، اُسے بھی تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔

لوگو! مَیں خدا کو گواہ بنا کر قسم کھاتا ہوں کہ ہم نے پہل نہیں کی، اور مَیں اس معاہدے کی نقل آخری وقت تک سینہ سے لگائے رہا جسے تم اس وقت میرے نیزے پر ٹنگا ہُوا دیکھ رہے ہو۔ ورنا کے میدان میں اسی معاہدے کی نقل ہمارا جنگی نشان ہے۔ یاد رکھو! ہم حق پر ہیں، اور خدا حق پرستوں کی ضرور مدد کرے گا۔"

سلطان مُراد اپنی تقریر ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ پیٹر وارڈین کے بشپ نے ترک فوج کے میمنہ پر حملہ بول دیا۔ ابھی یہ دستہ ترکوں کی صفوں سے ٹکرایا ہی تھا کہ قلب سے ولاڈی سلاس نے یلغار کی۔ صلیبی سپاہ کے اِس زوردار حملے کی پشت پناہی کے لئے ہنیاڈی خود ان دستوں کے بیچوں بیچ ترک فوج کے قلب پر حملہ آور ہُوا اور دیکھتے ہی دیکھتے میدانِ کارزار کے دامن میں چاروں طرف آگ لگ گئی۔ جب آخری صلیبی دستے نے ترکوں کے میسرہ پر حملہ بولا، اُس وقت ترک سپاہ کی پہلی دو صفوں میں انتشار پھیل گیا اور بظاہر نظر آتا تھا کہ ترک سپاہ دوبارہ اپنے قدم نہ جما سکے گی۔

میدان کی یہ حالت دیکھ کر ہنیاڈی اپنے دستے کی طرف واپس آیا، جو ابھی تک میدان میں اپنی جنگی ترتیب کے مطابق صف آرا تھا۔ اِس دستے کو ساتھ لے کر اُس نے اپنی سپاہ کے میسرہ کو اکٹھا کیا اور ایشیائی سپاہ پر اِس طرح جھپٹا کہ اُن کی بچی کھچی صفیں بھی درہم برہم ہوگئیں۔ وہ میدان سے پسپا ہو کر بھاگے اور ہنیاڈی نے اُن کا تعاقب کر کے اُنہیں سرحدوں کے پار بھگا دیا۔

ترک فوج کے دوسرے بازو پر ولاشیا کی سپاہ نے رومیلیہ کے گورنر کو پسپائی پر مجبور کر دیا تھا۔ اب ولاڈی سلاس کو اپنے قلبی دستوں کے ساتھ ترک سپاہ کے عین سینے میں گھس جانے کا موقعہ ملا۔ سلطان مراد اپنی آنکھوں سے اپنی پہلی دو سوار صفوں کی پسپائی دیکھ رہا تھا۔ میدان کی حالت لمحہ بہ لمحہ خراب ہو رہی تھی۔ ہر طرف ترک بھاگتے ہوئے نظر آتے تھے۔ مگر اس انتشار میں اُسے اپنا نوجوان بیٹا سلطان محمد — کہیں نظر نہ آتا تھا۔ بوڑھے سلطان کا دل بیٹھنے لگا — کہیں نوجوان — ناتجربہ کار سلطان نے اپنی وہ قسم تو پوری نہیں کی — کہ یا تو آپ ورنا پر ترک پرچم لہراتا ہوا دیکھیں گے اور یا — !!

سلطان مراد نے اپنے نورِ نظر کی تلاش میں گھوڑے کی لگام موڑی۔ ترک فوج نے گمان کیا کہ شاید سلطان مراد میدان سے مایوس ہو کر جان بچانے کے لیئے راستہ ڈھونڈ رہا ہے۔ اس غلط فہمی سے ترک سپاہ کے رہے سہے حوصلے بھی پست ہو گئے اور ہر شخص میدان سے جان بچانے کے لیئے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

اچانک، سلطان محمد — رومیلیہ کے اس گورنر کے ساتھ جو ہنیاڈی کے حملے سے پسپا ہو کر دوبارہ میدان میں آگیا تھا، سلطان مراد کے سامنے آگیا، اور میدان پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے گوشہ نشین سلطان سے کہا:

"اب کیا حکم ہے عالی قدر سلطان؟"

"یہ تو میں تم سے پوچھنے والا تھا۔" بوڑھے سلطان نے مسکرا کر جواب دیا۔ "سلطان وقت تو تم ہو۔ یہ سلطنت تمہاری ہے۔ کہو! تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"تخت یا تختہ!" سلطان محمد نے اپنا آہنی گرز لہراتے ہوئے کہا —

"میدان کی حالت بڑی مخدوش ہے۔ میں مشورہ دیتا ہوں کہ آپ ادرنہ واپس تشریف لے جایئے اور مجھے موقعہ دیجیئے کہ میں اطمینان کے ساتھ اپنی موت کا تعاقب

کر سکوں!"

"مرحبا!" سلطان مُراد نے بھی اپنی تلوار لہراتے ہوئے کہا: —" اپنے نورِ نظر کے بغیر میں اپنی بقیہ زندگی کے تاریک راستے کیسے دیکھ سکوں گا۔ مجھے بھی اطمینان کے ساتھ اپنی عزت کی موت کا تعاقب کرنے دو!"

باپ اور بیٹا ایک نئی اُمنگ — نئے عزم کے ساتھ میدان میں اُتر آئے، جنہیں دیکھ کر منتشر سپاہی اور سردار تیزی سے ان کے اردگرد جمع ہونے لگے۔ اب فوجی ترتیب — میمنہ، میسرہ اور قلب کی از سرِ نو صف بندی کا وقت نہ تھا اور نہ اُنہیں سپاہ کی کثرت اور جنگی ساز و سامان کی ضرورت تھی، دونوں اُس موت کا تعاقب کرنے لگے جو محض مجاہدوں — مجاہد مسلمانوں کا حصّہ ہے اور وہ دونوں اپنے گرد و پیش سے بے نیاز بگولوں کی طرح گردش کرنے لگے۔

سلطان محمد نے کچھ ایسی طوفانی شدّت کے ساتھ جنگ کے بے جان ڈھانچے میں نئی رُوح پھونکی کہ وہ تمام ترک جو لمحہ بھر پہلے بددل ہو کر میدان کے ایک کونے سے دوسرے کونے کی طرف بھاگ رہے تھے، اب پھر ترک پرچم کے نیچے جمع ہونے لگے۔ دوبارہ گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی اور اس زور کا رَن پڑا کہ دیکھتے ہی دیکھتے دونوں طرف سے ہزاروں سپاہی میدان میں کام آ گئے۔

ترک کامل فتح کی اُمید میں لڑ رہے تھے۔ اور صلیبی — اس فتح کو دوبارہ آواز دینے کی جدوجہد میں مصروف تھے جو لمحہ بہ لمحہ ان سے دُور ہوتی جا رہی تھی۔

سواروں کی تلواروں، نیزوں اور تیروں کی بوچھاڑ نے سارے میدان پر اپنا سایہ ڈال دیا۔ فولادی خودوں، تلواروں اور نیزوں کی چمک سے یہ ظاہر ہوتا تھا، گویا ابرآلود آسمان پر بجلیاں کوند رہی ہیں۔ ڈھالوں پر تلواروں کی ضرب سے بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک کی سی آواز نکلتی — طبلِ جنگ کی گونج، زخمیوں اور مرنے والوں کی چیخ پکار

اور خوف زدہ گھوڑوں کی ہنہناہٹ نے آسمان سر پہ اُٹھا لیا۔

دوپہر تک جنگی قوت کا توازن ایسی حالت میں برقرار رہا کہ کسی فریق کی فتح یا تباہی کی پیشین گوئی نہ کی جا سکتی تھی۔ مگر دوپہر کے بعد واضح صورت ظاہر ہونے لگی۔ ترکوں کی کامیابی کے امکانات لمحہ بہ لمحہ روشن ہوتے چلے گئے۔

سلطان محمد نے ہنیاڑی کو، اناطولیہ کے نوجوان گورنر نے پیٹر وارڈین کے بشپ کو اور رومیلیہ کے گورنر نے ہنگری کے نوخیز ولی عہد ولاڈی سلاس کو آپس میں بانٹ لیا تھا اور وہ انہیں تلاش کرنے کے لئے دشمن کی صفیں اُلٹ رہے تھے۔

ہنیاڑی اور پیٹر وارڈین کا بشپ نہ جانے کہاں گُم ہو گئے تھے۔ البتہ خوش قسمتی سے رومیلیہ کے گورنر کی نگاہ ولاڈی سلاس پہ جا پڑی، جو سلطان کے داہنے پہلو پر انتہائی گھمسان کی جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لے رہا تھا۔

وہ اس کی طرف بڑھا اور حملہ کر دیا۔ مگر پہلا وار ولاڈی سلاس کے گھوڑے کی گردن پر پڑا۔ جس کے لگتے ہی وہ زمین پر بیٹھ گیا۔ جب ولاڈی سلاس نے گھوڑے سے اُتر کر اپنے نوجوان دشمن کے تیور دیکھے تو وہ قیدی کی حیثیت سے اپنے آپ کو رومیلیہ کے گورنر کے حوالے کر دینا چاہتا تھا۔ مگر ہنگری کے بادشاہ نے اپنی زندگی کا یہ آخری فیصلہ کرنے میں بڑی دیر لگا دی تھی ـــــ

رومیلیہ کے گورنر کی تلوار اپنا کام کر گئی تھی۔ اور ولی عہد کا سر گورنر کے قدموں میں لڑھکنے لگا۔ ایک جانثار نے لپک کر اُسے اُٹھایا اور نیزے پر چڑھا دیا۔

اپنے نقرئی چمکدار خود میں ولاڈی سلاس کا سر دُور دُور سے نظر آتا تھا اور اتفاق سے یہ نیزہ اس نیزے کے قریب آ گیا۔ جس پہ معاہدۂ زیجیدین کی نقل ابھی تک پھڑ پھڑا رہی تھی۔

ہنگری کے نائٹ، پہلوان، سردار اور صلیبی جنگجو نیزے پہ اپنے ولی عہد کا سر

دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ جب ہنیاڈی کو ولاڈی سلاس کا سر دکھائی دیا تو اُس نے صلیبی فو
کی مدد سے ترکوں کے ہاتھ سے یہ نیزہ چھیننے کی ناکام کوشش کی، وہ جنگ کے شعلو
میں کُود پڑا۔ مگر اب یہ آگ پھونکوں سے بجھنے والی نہ تھی۔ ہنیاڈی کے ایک ایک کر کے
کئی ساتھی میدان میں کام آئے اور آخر اُسے بھی سلطان محمد کے حملے سے جان بچانے
کے لئے سر پہ پیر رکھ کر بھاگنا پڑا۔

پلیسٹر وار ڈین کے بشپ نے بھاگتے ہوئے ہنیاڈی کو روکا۔ اُسے غیرت دلائی
جوش دلایا "ابھی وقت ہے۔ ہم ترکوں کے ہاتھ سے ورنا کی فتح کا سنہری تمغ
اِس وقت بھی چھین سکتے ہیں"۔ مگر جب اُس نے دوسری بار سلطان محمد کے فولادی گرز
کو اپنے سر پہ منڈلاتے دیکھا تو فتح کے اس دلفریب تمغے کی بجائے اُسے اپنی
زندگی زیادہ دلفریب نظر آئی —— ولاڈی سلاس کے بعد ہنگری کا تخت و تاج اُس
کی راہ دیکھ رہا تھا۔ خود تھیوڈورا اُس کی راہ دیکھ رہی تھی۔ اگر اُس نے ورنا کے میدان
سے بزدلوں کی طرح بھاگ کر جان بچائی تو کیا ہوا! اگر وہ نوجوان ترک سلطان پہ فتح نہ پا
سکا تو کیا ہوا! ہنگری کی حکومت اور تھیوڈورا کی محبت پر ابھی تک اُس کا قبضہ تھا۔

اور اس طرح بلغراد کے محاصرہ شکن، ہرمانسٹڈٹ کے فاتح اور ڈینیوب تک
ترکوں کا تعاقب کرنے والے —— ہنگری کے نامور قومی ہیرو، یورپ کے انتہائی بہادر
اور ذہین سالار نے ولاشیا کے ان چند سپاہیوں کے ساتھ جو جنگ کے شعلوں
سے بچ نکلنے میں کامیاب نہ ہوئے تھے —— ورنا کے میدان سے بھاگ کر اپنی
جان بچائی۔

نوجوان سلطان محمد اپنی قسم پوری کر چکا تھا، وہ اپنے باپ کے اُن دشمنوں
سے انتقام لے چکا تھا۔ جنہوں نے معاہدۂ زیجیدین کی خوفناک سازش
کے پردے میں اس کے نامور ضعیف باپ کو عثمانی سلطنت سے دست برداری

اور یورپ سے نکل کر ایشیا میں گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔

چوتھا باب

آخری بار

بلغاریہ، یوگوسلاویہ اور رومانیہ سے بوڈا کی طرف آنے والی بڑی شاہراہ پر، شاہ بلوط کے ایک درخت کے نیچے جولین کو دیکھ کر بوڈا کے لوگ ذرا کی ذرا رُکتے، کچھ سوچتے اور پھر —— آگے چلے جاتے۔ بوڑھا راہب محویت کے عالم میں حدِ نگاہ تک پھیلی ہوئی سڑک کی طرف گھورتا رہتا، جیسے وہ کسی کی تلاش میں ہو، جیسے اُسے کسی کا انتظار ہو اور عام طور پر تھیوڈورا اس کے ساتھ ہوتی —— ہنیاڑی کے جانے کے بعد روزانہ اس کا یہی معمول تھا۔

اور آخر کار ایک دن اُس کی مُراد بر آئی، اُسے دُور سے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سُنائی دی۔ وہ سنبھلا اور پُوچھنے لگا:

"کہیں کوئی قاصد تو نہیں آرہا؟"

"کچھ ایسے ہی آثار ہیں مقدس باپ!" تھیوڈورا نے بھی آنے والے کی طرف گھورتے ہوئے جواب دیا۔

جولین اب بلوط کے نیچے ٹھیر کر قاصد کا انتظار نہ کر سکتا تھا۔ وہ دیوانوں کی طرح

بھاگا۔ تھیوڈورا نے اُسے روکنے کی کوشش کی، مگر اُمید و بیم کے بعد اس میں دفعتہً ایک عجیب توانائی آ گئی تھی۔ وہ اب ایک بوڑھا راہب نہیں بلکہ قوی پہلوان کی طرح تھیوڈورا کے ہاتھ جھٹکتا ہوا سڑک پر بھاگا چلا جا رہا تھا — راہب کی آنکھیں بیقراری کے ساتھ آنے والے سوار کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

اب قاصد اُن کے قریب آ گیا۔ اُس نے جولین کو پہچان لیا تھا۔ وہ گھوڑے سے اُترا۔ جولین کے قریب آیا۔ اور سر جھکا کر بولا :

"قسمت نے ہمیں ورنا میں دھوکہ دیا۔"

"کیا — ؟" جولین نے اُس کے گھوڑے کی لگام تھام لی۔

"یورپ کی متحدہ فوجی قوت کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔"

"پھر — ؟" جولین کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔

"ہزاروں صلیبی مجاہدین کے ساتھ ہنگری کے شہزادے ولاڈی سلاس کو بھی شہادت نصیب ہوئی۔"

جولین زمین پہ بیٹھ گیا۔ اس میں کچھ اور سُننے کی سکت نہ رہی تھی۔

"اور جان کارونس ہنیاڈی ؟ — تھیوڈورا براہِ راست قاصد سے مخاطب ہوئی۔

"بڑی مشکل سے جان بچا کر بوڈا کی طرف آ رہا ہے۔"

"ہنیاڈی — ! ہنیاڈی میرے خوابوں کی تعبیر نہ بن سکا۔ وہ فرڈی نینڈ ثابت نہ ہو سکا۔ اب "ازابیلا" کا کیا ہو گا — کیا ہو گا ؟"

— جولین مجذوب کی طرح بڑبڑانے لگا۔ روم کا یہ کہن سال راہب فرطِ غم سے نڈھال ہو گیا۔ وہ ایک ہی بار بہت کچھ کہہ دینا چاہتا تھا مگر کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ تھیوڈورا اور قاصد اس کے پاس سر جھکائے کھڑے تھے، وہ اُس کی کوئی مدد نہ کر سکتے تھے۔

ولاڈی سلاس ـــ ہنگری کے جواں سال ولی عہد کی بے وقت موت سے سارے بوڈا میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ کچھ ہی عرصہ پہلے اس کا باپ سجمنڈ بھی ترکوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا ـــ اُس کی موت سے لے کر ولاڈی سلاس کی بلوغت کے زمانے تک ہنگری کے باشندے صرف اِس اُمید پر جی رہے تھے کہ جونہی ولی عہد تخت نشین ہوگا، سارے خلاء پُر ہو جائیں گے، سارے دُکھوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ گھر گھر چراغ جلیں گے اور سجمنڈ کی موت کا غم ماضی کے کسی تاریک غار میں ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا جائے گا۔ لیکن ـــ ورنا کی جنگ کا نتیجہ ـــ نہ صرف ہنگری بلکہ سارے وسطی یورپ ڈینیوب سے روم تک، ہر گھر کے لئے سوگ کا پیغام ثابت ہوا، اور اِس ساری تباہی کی ذمہ داری تنہا ترکوں پر عائد کی جاتی تھی۔ "معاہدۂ زیجیدین" کو توڑنے والوں کا اِس میں کوئی قصور دکھائی نہ دیتا تھا۔

تھیوڈورا ـــ ایک عقیدہ پرست مسیحی دوشیزہ تھی۔ وہ جب بھی مسیحیت کی تباہی کے حقیقی اسباب پر غور کرتی۔ جولین ـــ پاپائے رُوم کے خاص نمائندے کا تقدس اس کے سامنے آن موجود ہوتا۔ اور وہ فوراً ہی "معاہدۂ زیجیدین" کی خلاف ورزی اور ترکوں سے بدعہدی کی بجائے ہنیاڈی کے بارے میں سوچنے لگتی جو ایک ظالم، خود سر اور خود پسند فوجی سردار تھا، جس کی آنکھوں کے تصور ہی سے تھیوڈورا کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے، اور وہ سوچتی ـــ ورنا کی شکست محض ہنیاڈی کے اُس ظلم و بربریت کا نتیجہ ہے جو اُس نے سینٹ نکولاس کے چوک میں بدنصیب ترک جنگی قیدیوں سے روا رکھا۔

جولین نے بھی یاس و نومیدی کے اتھاہ سمندر سے پھر اُبھرنے کی کوشش کی، ایک روح فرسا احساسِ کہتری کے باوجود حقائق اُس کے سامنے تھے۔

وہ سوچ رہا تھا ـــ ورنا کے بعد شاید یورپ فوری طور پر ترکوں کے خلاف مجتمع

نہ ہو سکے ــــ اُس کے بعد قسطنطنیہ کی سنگین دیواروں کو ترکوں کی یلغار کے خلاف کوئی نہیں بچا سکے گا"!

اُس کے دل میں ہُوک سی اُٹھی : " اورنہ ــــ دُور سے دُور ہوتا چلا جائے گا، اور اب اِس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ تھیوڈورا اور ادرنہ کا درمیانی فاصلہ کسی نہ کسی طرح کم کیا جائے !!"

تھیوڈورا اب اُس ترکش کا آخری تیر تھی۔ مسیحیت اور اسلام کی جنگ میں جولین کا آخری حربہ ــــ اور وہ اسے تیر کی طرح اپنے دماغ کی کمان سے مُسلمانوں کی طرف پھینکنا چاہتا تھا، ادرنہ کے سینے میں پیوست کر دینا چاہتا تھا۔

اور جب اُس نے تھیوڈورا کو شاہی محل کے صدر دروازے کی اَن گنت سیڑھیوں کے اُوپر دیکھا تو اُس کی خواہش اُس کے دل میں خون بن کر تیزی سے گردش کرنے لگی ــــ اگر اُسے اپنا بھرم، اپنا تقدّس اور برتری کا احساس عزیز نہ ہوتا تو وہ تھیوڈورا کو اُسی وقت ادرنہ بھیج دیتا ⁂

○

تھیوڈورا ــــ جولین کو شاہی محل کے صدر دروازے میں داخل ہوتے دیکھ کر تیزی سے سیڑھیاں اُترتی ہوئی اُس کے قدموں میں آن گری، جولین نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اُسے دُعا دیتے ہوئے اُٹھنے کا اشارہ کیا۔

تھیوڈورا نے پہلی بار جولین کی بے چین آنکھوں میں جھانکا ــــ ورنا کی شکست کا غم اُس کے چہرے پر کتنا نمایاں تھا، وہ آہ بھر کے رہ گئی۔

اُس نے جولین کا ہاتھ تھام لیا اور اُسے اپنے ساتھ محل کے اُس حصّے میں لے آئی جہاں ہنگری میں مقیم قیصر قسطنطنیہ کا سفیر اُن کا انتظار کر رہا تھا۔

اُس نے ابھی تک جولین کو قسطنطنیہ کے سفیر ـــ ستیفانوس کی آمد کی اطلاع نہ دی تھی، اِس لئے کہ بوڑھا جولین تو ابھی اپنی ذہنی اُلجھنوں سے ہی عہدہ برآ نہ ہو سکا تھا۔

جولین کو اس وقت یہ اندیشہ لاحق تھا کہ ہنیاڑی واپس آ رہا ہے اور ولاڈی سلاس کے بعد اگر اب وہ ہنگری کے تخت و تاج پر بھی قبضہ کر لے تو اُسے روکنے والا کوئی نہ تھا۔ لیکن اگر وہ حکومت کے ساتھ ہی تھیوڈورا پر بھی قابض ہو جائے تو ــــ ؟

اُسے اپنی کامیابی کے لئے اب ایک ایسی صلیب پر بھروسہ تھا جسے جولین، تھیوڈورا اور قیصر مینوئیل کے مثلث نے تشکیل کیا تھا اور وہ جانتا تھا کہ تھیوڈورا اس صلیب کا وہ مرکزی ستون ہے جسے ایک بلند مقام پر گاڑ کر ہی کامرانی کی منزل کی طرف قدم بڑھایا جا سکتا ہے۔ وہ تھیوڈورا کو کسی صورت اپنے ہاتھ سے کھونا نہ چاہتا تھا۔

اس کے محل میں داخل ہوتے ہی، ستیفانوس ـــ قسطنطنیہ کا سفیر، تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا۔ یہ شخص آج سے بہت پہلے جولین کو قسطنطنیہ جانے کی دعوت دے چکا تھا۔ اور اب تو جولین خود بھی جانے کا فیصلہ کر چکا تھا ـــ اُس نے ستیفانوس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا اور پھر تھیوڈورا کی طرف دیکھا۔ لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد وہ اچانک بول اُٹھا:

"ہمیں فوراً قسطنطنیہ روانہ ہو جانا چاہیئے۔"

تھیوڈورا اور ستیفانوس نے ایک ساتھ جولین کی طرف دیکھا۔ تھیوڈورا کی نظریں جس قدر غبار آلود تھیں، ستیفانوس کی آنکھوں میں اسی قدر چمک پیدا ہو گئی تھی۔ وہ تو چاہتا ہی تھا کہ جولین ہنگری سے قسطنطنیہ چلا جائے۔ کیونکہ بلقان میں ترکوں کو جس علاقے کی ضرورت تھی، وہ ایک بار پھر مراد کے ہاتھوں میں چلا گیا تھا اور اب ـــ لازمی طور پر قسطنطنیہ کی باری تھی۔ اگر ایسے نازک موقعے پر جولین کے ساتھ تھیوڈورا بھی قسطنطنیہ چلی جائے تو بڑی آسانی کے ساتھ قیصر کو نہ صرف بلقان بلکہ سارے وسطی یورپ کی اخلاقی امداد حاصل ہو

جائے گی۔ جولین بہرحال پاپائے روم کی رُوحانیت اور اُس کے تقدس کا ایک جیتا جاگتا مظہر تھا، اور تھیوڈورا ـــ! وہ ایک ایسی شمع تھی جس پر جل مرنے کے لئے بلقان کا ہر نوجوان پروانہ وار قیصر کے جھنڈے تلے جمع ہو سکتا تھا۔

ستیفانوس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:

"قسطنطنیہ میں آپ کا قیام ہمارے لئے فخر و غرور کا موجب ہوگا۔ یقین کیجئے! قیصرِ روم کو اس سے بہت خوشی ہوگی۔ اگر آپ کا ارادہ ہو تو مَیں اسی وقت سفر کی تیاری شروع کردُوں؟"

"اب تیاریاں شروع کرنے کا وقت نہیں عزیزہ!" ـــ جولین نے تھیوڈورا کے چہرے پر عاجزانہ نگاہ ڈالتے ہوئے کہا ـــ "بلکہ ہمیں فوری طور پر روانہ ہو جانا چاہیئے ـــ!"

"مقدس باپ!" تھیوڈورا التجا بھرے انداز میں بولی: "آپ کسی طرح قسطنطنیہ کے طویل سفر کے قابل نہیں ہیں، آپ بہت کمزور ہیں۔"

ستیفانوس کو تھیوڈورا کی جولین سے یہ ہمدردی مُطلق نہ بھائی۔ اُس نے ایک حقارت بھری نظر اس پر ڈالی۔ وہ اُسے جواب دینا چاہتا تھا، مگر دفعتہً جولین کے ہونٹ ہلے۔ اُس نے کہا:

"جو شخص اپنی زندگی مسیحؑ کے نام کی عظمت و بقا کے لئے وقف کر چکا ہو، اُسے اپنی جان کے اندیشوں سے کوئی تعلق نہیں رہتا بیٹی! اگر میں قسطنطنیہ جاتے ہوئے راستے ہی میں ختم ہو گیا، تو سمجھو، مَیں نے فتح پالی، مجھے شہادت نصیب ہو گئی!"

ستیفانوس جولین کا فیصلہ سُن کر تیزی سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا، اور جولین کے سامنے جُھک کر بولا:

"مَیں اِسی وقت کُوچ کا انتظام کرتا ہوں۔"

ہاں ــ! مگر ٹھیرو ــ!" جولین نے اُسے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے کہا۔" اسی وقت نہیں بلکہ جب رات دوسرے پہر میں داخل ہو گی تو ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"

" بہت بہتر۔"

O

شاہی محل میں کھانے کی پُر بہار میز کے ارد گرد آج کی شام نے کتنی اُداسیاں بکھیر دی تھیں ــ جہاں ہمیشہ بیسیوں مہمانوں، اُمراء، سپہ سالاروں، سفیروں اور بلقان کے بادشاہوں کے قہقہے گونجتے تھے، جہاں ایسی شامیں شباب و شراب کی رنگینیوں میں ڈوبی ہوئی آتی تھیں۔ آج وہاں کھانے کی اس وسیع میز پر صرف جولین اور تھیوڈورا بیٹھے تھے۔

کھانے کے میز پر قطار اندر قطار مومی شمع دانوں کی اُمنڈتی ہوئی روشنی پر ایک نظر ڈالتے ہوئے جولین نے تھیوڈورا کی طرف دیکھا۔ اُس کے چہرے پر فکر و اندوہ کے آثار بہت تلخ اور نمایاں تھے۔ جولین اب زیادہ دیر تک خاموشی کے اس عذاب کو برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اُس نے نہایت ملائم لہجہ میں کہا:

" تھیوڈورا ــ! بیٹی تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟"

" میں ــ؟" تھیوڈورا نے حیرانگی کے عالم میں جولین کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔" نہیں تو، مگر میں کس لئے تیار ہوتی؟"

" ہمارے ساتھ نہیں جاؤ گی کیا؟"

" میں روم جانے کی اجازت چاہتی ہوں مقدس باپ!"

تھیوڈورا ابھی تک وہیں کھڑی تھی جہاں سے جولین اُسے اپنے ساتھ لے کر نکل

آنے کا یقین کر چکا تھا۔ اُس نے دیوانگی کے سے عالم میں کرسی پر اپنی گرفت مضبوط کی اور کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا :-

" تھیوڈورا ---! میری بچی!! میں تم سے بار بار پوچھ چکا ہوں کہ آخر تم روم کیوں جانا چاہتی ہو؟"

" سینٹ پیٹر کے کلیسا میں محترم باپ!" تھیوڈورا کا سر اس نام سے عقیدت کے باعث جھک گیا۔

" میں یہ لفظ بھی تمہارے منہ سے کئی بار سُن چکا ہوں، کیوں ؟"

" غالباً مَیں بھی اس کیوں کا جواب کئی بار دے چکی ہوں "

" ہاں! یہ درست ہے " اب جولین کافی سنبھل چکا تھا۔ اُس نے کہا --- " مگر تمہارے اِس جواب کی مذہبی اور اخلاقی اور منطقی حیثیت کے بارے میں جو کچھ میں کہہ چکا ہوں تمہیں وہ بھی تو یاد ہوگا؟"

تھیوڈورا نے جولین کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھا اور خاموشی سے پھر سر جھکا لیا۔ جولین کی آواز میں اعتماد اُبھر آیا :-

" تھیوڈورا ---! اس وقت سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ کیا ہم سینٹ پیٹر کے کلیسا کو ترکوں کے گھوڑوں کا اصطبل بننے سے بچا سکتے ہیں؟ اگر ہم ایسا نہ کر سکے تو بتاؤ کیا اِس کلیسا کے ساتھ ہی ہزاروں ننیں بھی ترکوں کی لونڈیاں نہ بن جائیں گی؟ جب سینٹ پیٹر کا کلیسا، پاپائے روم اور خود روم کی عظمت و تقدیس خطرے میں ہو، اور جب مسلمان دُنیا سے صلیب اور مصلوب پیغمبر کے نام و نشان تک مٹانے پر تُل گئے ہوں، کیا یہ مناسب ہے کہ یورپ کی ساری مسیحی آبادی سینٹ پیٹر کے عظیم و مقدس کلیسا کے وسیع صحن میں جا کر خودکشی کر لے --- بیٹی تھیوڈورا ---! میں تمہیں یقین دلاتا ہوں، اورنہ کی تسخیر کلیسا اور مسیحیت کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ ہم نے اورنہ

فتح کر لیا تو پھر فلسطین تک کوئی بھی ہمارا راستہ نہ روک سکے گا۔"

فلسطین کا نام سنتے ہی تھیوڈورا کی پلکیں بھیگ گئیں۔ اُس نے فریاد کے لہجے میں کہا:

"مگر ایک زبردست لشکر کے بغیر آپ ادرنہ تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟"

جولین کے چہرے پر تجربہ مسکرا اُٹھا۔ اُس نے بڑے پیار بھرے لہجہ میں کہا:

"بیٹی! دُنیا کی ہر جنگ لشکر اور اسلحہ سے نہیں لڑی جاتی، بعض لڑائیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جنہیں تنہا کوئی بوڑھا مرد یا ایک بے یار و مددگار لڑکی بھی بے خوفی کے ساتھ جیت سکتی ہے اور میں تو یہ یقین رکھتا ہوں کہ اس جنگ کو جیتنے کے لئے تنہا تھیوڈورا ــــ میری بچی بھی کافی ہے۔"

"میں ــــ ؟" تھیوڈورا جیسے نیند سے چونک اُٹھی۔

"ہاں تم ــــ ادرنہ پر تم اکیلی یلغار کر سکتی ہو" ــــ جولین بدستور مسکرا رہا تھا ــــ "مگر شرط یہ ہے کہ تم راہبانہ زندگی کی بجائے ایسی زندگی کو اپنا لو جو مسیحؑ کے نام اور سینٹ پیٹر کی عظمت پر قربان ہو سکے۔"

"میں اِس مقصد کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے پر تیار ہوں مگر ــــ میں اکیلی ــــ کیا کر سکتی ہوں؟"

جولین کی آنکھوں میں گویا روشنی لوٹ کر آ گئی۔ اُس نے بڑے وثوق کے ساتھ کہا ــــ

"تم اِس دورِ ابتلا کا خاتمہ کر سکتی ہو تھیوڈورا! تم اس سیلاب کا رُخ بدل سکتی ہو جو چنگھاڑتا ہوا سینٹ پیٹر کے کلیسا کی طرف بڑھ رہا ہے۔ میری بچی! اگر تم ادرنہ پہنچ کر وہ چھوٹا سا کام انجام دے سکو، جس کے لئے تم پیدا کی گئی ہو تو مسیحیت تم پر فخر کرے گی، آنے والی نسلیں تمہارا نام لیتے وقت عقیدت و احترام کے ساتھ جھک جایا کریں گی۔"

"میں پوچھ سکتی ہوں کہ ۔ ۔ ۔ ۔ !"

"ہاں، میں خود تمہیں بتانے والا تھا کہ تمہیں ایک بہت اہم کام کے لئے منتخب کیا گیا ہے لیکن اس میں کامیابی کا نتیجہ ایک ایسی عظیم الشان فتح ہوگا جسے یورپ کی متحدہ صلیبی فوجیں بھی حاصل نہ کر سکیں گی۔"

"آخر وہ کیا کام ہو سکتا ہے؟" اب تھیوڈ ورا دلچسپی لے رہی تھی۔

"صرف اتنا کہ تم ادرنہ پہنچ کر سلطان مُراد کی مسیحی بیوی ——— مریامہ کا سُراغ لگاؤ۔ اس کا ایک بچہ بھی ہے۔ اوّل تو ماں بیٹے دونوں کو، ورنہ تنہا بیٹے کو وہاں سے نکال لاؤ۔ مریامہ کا یہ بیٹا سلطان مُراد کی اولاد اور سلطنتِ عثمانیہ کا جائز حقدار ہے۔ اگر تم اُسے قسطنطنیہ تک لے آؤ تو سمجھو عثمانیوں کے اقتدار کا آفتاب ہمیشہ کے لئے ڈوب گیا، اور سینٹ پیٹر کی عظمت تا ابد بحال ہو گئی۔"

تھیوڈورا خاموشی کے ساتھ سوچنے لگی۔ جولین نے اُس کے سامنے ہر بات کھول کر بیان کر دی تھی اور اب صرف اُسے ہی کسی فیصلے پر پہنچنا ہے۔ جولین تھیوڈورا کی خاموشی میں اپنے اور اُس کے دل کی دھڑکنوں کو ایک ساتھ سُن رہا تھا۔ آخر تھیوڈورا نے سر اُٹھایا۔ اس کی پیشانی پر ایک بل بھی نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں کا غبار چھٹ چکا تھا۔ وہ بڑی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی:

"میں ادرنہ جانے کے لئے تیار ہوں۔"

جولین خوشی سے بے قابو ہو کر اُٹھا، اُس نے اپنے دونوں ہاتھ بڑھا کر تھیوڈورا کا سر تھام لیا اور اُس کی پیشانی چومتے ہوئے بولا:

"خدا تمہیں برکت دے میری بچّی! میں چاہتا ہوں کہ ——!"

پردہ ہلا ——— آہٹ ہوئی، جولین کی نظریں دروازے کی طرف اُٹھ گئیں۔ سٹیفانوس جھکتا ہوا اندر آ رہا تھا۔ جولین کے قریب آکر وہ زمین تک اور جُھک گیا:

" آپ کے سفر کا انتظام ہو گیا۔ شہر میں یہ افواہ گشت کر رہی ہے کہ جان کاروس ہنیاڑی چند بچے کھچے جانبازوں کے ساتھ بوڈا کی فصیل کے نیچے پہنچ چکا ہے۔"

" کوئی بات نہیں "۔۔۔ جولین نے ہنیاڑی کے ذکر کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا:
" کوئی محافظ دستہ بھی ہمارے ساتھ جا رہا ہے ؟"

" ضرور جا رہا ہے "۔۔۔ ستیفانوس، تھیوڈورا کے سامنے جھکتے ہوئے بولا۔۔۔
" خصوصیت کے ساتھ نوابزادی تھیوڈورا کی حفاظت کے لئے۔"

" اور اس کے علاوہ ؟" تھیوڈورا جولین کی طرف دیکھنے لگی۔

" ادرنہ تک پہنچنے میں تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی ۔۔۔ یونانی اور لاطینی کلیسا ہماری حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں !"

○

بلگریڈ اور ہرمانسٹڈٹ کا محافظ ۔۔۔ ہنیاڑی، ورنا کے میدان میں شکستِ فاش کھانے کے بعد بوڈا میں اس طرح داخل ہوا جیسے کوئی عام قاصد ۔۔۔ اب نہ تو شہر سجایا گیا نہ پھول برسائے گئے، نہ استقبال کیا گیا ۔۔۔ ہنگری نوجوان بادشاہ کا سوگ منا رہا تھا اور سینٹ نکولاس چوک پر موت کا سا سناٹا چھایا ہوا تھا۔

آج یہ وہی بوڈا تھا جہاں کچھ ہی عرصہ پہلے مجید اور ہزاروں ترک قیدیوں کے ساتھ یورپ کے ایسے فتح مند سالار کی حیثیت سے آیا تھا جس کے خیر مقدم کو سارے بلقان کی آبادی بوڈا میں سمٹ آئی تھی۔ لیکن آہ ! اُس کا فخر و غرور ماضی کے سپنوں میں گم تھا۔

جب وہ محل میں داخل ہوا تو کئی دنوں سے بھوکا اور پیاسا تھا اس لئے وہ سب سے پہلے وہ کھانے کی اس میز کی طرف متوجہ ہوا جس پر جولین اور تھیوڈورا کے خالی کئے ہوئے برتن ابھی تک پڑے ہوئے تھے۔ کھانے سے فارغ ہو کر اس نے شراب کی صراحیوں کو

ٹٹولا، اور جب اُس کے پیٹ کی آگ بُجھ گئی تو اُسے محل میں چاروں طرف ذلت، شکست اور ناکامی کی آگ کے شعلے رقص کرتے نظر آنے لگے ـــــ اور ان رقص کرتے ہوئے شعلوں کے درمیان اُسے تھیوڈورا کا خیال آیا۔

اور جب اُسے پتہ چلا کہ وہ جولین کے ساتھ قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہو چکی تھی تو اس کا غم اور غصّہ عروج پر پہنچ گیا۔ اُس نے اپنے جانبازوں میں سے ایک مختصر سا دستہ تیار کیا اور اُسے حکم دیا کہ ـــــ " اسی وقت قسطنطنیہ روانہ ہو جاؤ اور تھیوڈورا کا سراغ لگاؤ۔ وہ سینٹ صوفیہ میں نن بن چکی ہو یا قیصر کے حرم کی زینت فوراً اسے بوڈا واپس لاؤ "

ـــــ دستہ روانہ ہو گیا۔

ہنیاڈی پورے چاند کی چاندنی میں کھڑکی سے باہر اُسے جاتا دیکھ رہا تھا، شراب کا جام اُس کے ہاتھ میں تھا، تھیوڈورا ـــــ اور مینوئل کا نام زبان پر اور دل میں رشک کی آگ کا دُھواں اُٹھ رہا تھا ـــــ

پانچواں باب

قسطنطنیہ

ہنگری سے چلا ہوا ایک قافلہ ـــــ منزل بہ منزل، پُرہول تاریک راتوں اور کٹھن مسافت سے اَٹے ہوئے دنوں کی حدیں پھلانگتا، قسطنطنیہ کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

اِس قافلے کا سالار ـــــ پاپائے روم کا خاص نمائندہ، کارڈینل جولین تھا ـــــ وہ جولین، جس کے ادنیٰ اشاروں پہ آج سے کچھ ہی عرصہ پہلے اِنہی راستوں پر سے ہزاروں جانباز مجاہدوں کا ایک عظیم لشکر پورے طمطراق سے گزرا تھا، مگر آج ـــــ آج وہ خود محافظ دستہ کے چند یونانی سپاہیوں، تھیوڈورا اور قیصر مینوئیل کے سفیر ستیفانوس کی رفاقت ہی حاصل کر سکا تھا۔

بوڈا سے بلگریڈ تک کا سفر ـــــ جولین نے اپنے خیالوں کو سجانے میں طے کیا۔ وہ حسین سپنوں میں کھویا کھویا رہا۔ اور جب یہ بے سروسامان کارواں بلگریڈ کی حدود میں داخل ہوا تو وہ شہر کی فصیل کے قریب آکر اچانک رُک گیا۔

"مقدس باپ! آپ کچھ سوچ رہے ہیں ؟" ـــــ تھیوڈورا نے جولین کے چہرے

کو گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں تھیوڈورا ۔۔۔! میری بچی میں سوچ رہا ہوں، کہ یہ وہی دیوار ہے جس کے نیچے عثمانیوں کی فوجیں آ کر اُتری تھیں۔ بلگریڈ ترکوں کے نرغے میں آگیا تھا۔ مجھے یاد آرہا ہے اسی محاصرے کے خلاف سارے یورپ میں نفرت و حقارت کی آگ بھڑکی تھی۔ اور یہ وہی آگ تھی جس کی تپش محسوس کر کے ساری مسیحی دُنیا ایک تند و تیز طوفان کی صورت بلگریڈ کی طرف حرکت میں آگئی تھی ۔۔۔ محاصرہ بہت سخت تھا۔ ترک چٹانوں کی طرح گڑ گئے تھے۔ مگر مسیحی طوفان بہرحال ایک خونین طوفان تھا۔ میدان دُور دُور تک لاشوں سے پٹ گیا تھا اور ۔۔۔!"

جولین نے فصیل کے مقابل ایک کھُلی جگہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"اور تم ان ترکوں کی قبروں کے نشان آج بھی دیکھ سکتی ہو جنہیں اپنے وطن کی سرزمین میں دفن ہونا بھی نصیب نہ ہو سکا۔"

"ہاں ۔۔۔! یہ سب قبریں ترکوں کی ہیں؟" ۔۔۔ تھیوڈورا کے لہجے میں رنج اور حیرت کا عنصر غالب تھا۔ جولین نے اُس کی بات سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے اپنی تقریر جاری رکھی:

"یہ وہ لوگ تھے، تھیوڈورا ۔۔۔! جو بلغاریہ کے انتہائی جنوبی کونے ۔۔۔ ادرنہ سے سارے یورپ کی تسخیر کا عزم لے کر اُٹھے تھے۔ بلغاریہ، یوگوسلاویہ، رومانیہ، ہنگری، آسٹریا، اٹلی اور فرانس ہی اُن کی منزل نہ تھے۔ دراصل وہ تو ایک بار پھر ہسپانیہ پر قبضہ کر لینا چاہتے تھے۔"

"تو پھر ۔۔۔؟" تھیوڈورا کچھ اس انداز سے چونکی جیسے وہ پُوچھنا چاہتی ہو" کیا ترکوں نے کامیابی کا مُنہ دیکھا؟" مگر جولین نے اُسے کچھ کہنے کی مُہلت نہ دی۔ وہ کہہ رہا تھا:

"اُن کا منصوبہ کامیاب نہ ہو سکا۔ لیکن ــــ!" اُس نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا:

"جب تک ادرنہ عثمانی ترکوں کے قبضے میں ہے، سارا یورپ اُن کی زد میں رہے گا اور وہ کسی بھی وقت مسیحؑ کی عظمت کے لئے خطرہ ثابت ہو سکتے ہیں"۔

○

قافلہ شہر میں داخل ہو چکا تھا۔ آج کی رات اِن مسافروں کو یہیں بسر کرنا تھی یقیوڈورا تمام رات "مسیحؑ کی عظمت کے لئے" کے الفاظ پر غور کرتی رہی۔

اے کاش! وہ اس خطرے کو ہمیشہ کے لئے ختم کر سکتی ــــ!" اس کے دل کی گہرائیوں سے یہ آواز آ رہی تھی، اور جیسے ــــ جولین اس آواز کو سُن رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں سے نیند بھی اُڑ چکی تھی۔ وہ بے قراری کے ساتھ کروٹیں لے رہا تھا ــــ ڈینیوب کے کنارے کتنا طویل سفر اُس کے سامنے باقی تھا اور اگر اس کے ساتھی تھک نہ گئے ہوتے تو وہ یہاں ہرگز نہ رُکتا ــــ وہ تو اپنی منزل ــــ قسطنطنیہ سے پہلے کہیں بھی رُکنا نہ چاہتا تھا۔

اسی کشمکش میں رات ختم ہو گئی ــــ عظمتِ مسیحؑ اور ناموسِ کلیسا کے نگہبانوں کا یہ گروہ پَو پھٹتے ہی بلگریڈ سے چل کھڑا ہوا۔ فلسطین کی تسخیر ادرنہ کی فتح اور ترکوں کا خاتمہ ــــ کچھ ایسے خواب تھے، جنہیں جولین دن کے اُجالے میں چلتے پھرتے دیکھتا رہتا تھا ــــ اور اب، جب وہ یہاں سے چلا تو یہ خواب اُس کے دل و دماغ میں پیوست ہو چکے تھے ــــ

کبھی کبھی جولین کے یہ حسین خواب بہت بھیانک ہو جاتے ــــ اُس وقت جب وہ اپنے راستے میں دُور دُور تک بکھرے ہوئے خونین حادثات کے نقوش دیکھتا ــــ

اُسے مقدس صلیب کی خاطر جان دینے والوں کی قبریں دکھائی دیتیں، تو اُس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ___

یوگوسلاویہ میں ایک دن گزارنے کے بعد جب یہ قافلہ ڈینیوب کے پار رومانیہ کی حدود میں داخل ہُوا تو اُسے ورنا کا خیال آیا ___ بحیرۂ اسود کا وہ ساحلی شہر جہاں چار ہی دن پہلے ترکوں نے یورپ کی متحدہ صلیبی قوّت کو پاش پاش کر کے رکھ دیا تھا۔

کارڈینل جولین کے پاؤں بوجھل ہو گئے۔ ایک ایک قدم، ایک ایک منزل ثابت ہو رہا تھا۔ آپ ہی آپ اس کا دل اندر ہی اندر ڈوبتا چلا جا رہا تھا، وہ اِس پُرہَول راستے پر چلتے ہوتے جدھر بھی نگاہ ڈالتا، گھوڑوں کے پنجر گلی سڑی لاشیں، ٹوٹے پھُوٹے ہتھیار اور جلے بجھے فوجی سامان کے سوا اُسے کچھ نظر نہ آتا ___ ورنا کا میدان اگرچہ اس وقت سُنسان اور ویران پڑا تھا۔ مگر اس کے باوجود اُس کے اُوپر گدھ اور چیلیں منڈلا رہی تھیں۔ یہ منظر جولین کے لئے بہت رُوح فرسا تھا۔ اس کے جسم کا رُوآں رُوآں کانپ گیا۔ اُس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں تھیوڈورا سے ہمکلام ہونے کی کوشش کی :

"آہ! تھیوڈورا! اگر ہنیاڈی صرف چند لمحے اور میدان میں جما رہتا تو آج ہم یہاں سے اِس خوف و ہراس کے ساتھ نہ گزرتے ___ !"

"کیا ہم ورنا پہنچ گئے ؟" ___ تھیوڈورا نے خوف اور اشتیاق سے ملے جُلے تأثر کا اظہار کیا اور اس کے جواب میں جولین تو کچھ نہ کہہ سکا۔ البتہ ستیفانوس ___ قیصر کے سفیر نے اُسے بتایا : " ہاں نواب زادی! ہم ورنا کے قریب پہنچ گئے ہیں"۔

" لیکن ورنا پر تو ترکوں کا قبضہ ہے ! "

ترکوں کا نام سُن کر جولین چونکا۔ اُس نے تھیوڈورا کی طرف رحم بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

" ہم ورنا میں نہیں رُکیں گے ! "

"نہیں رُکیں گے ۔۔۔ ؟" ۔۔۔ تھیوڈورا نے یوں دُہرایا جیسے تھکاوٹ کے باعث اس کا تمام وجُود، مجسّم فریاد بن گیا ہو۔

"نواب زادی! اگر ہمارے ساتھ محافظ دستے کے سپاہی نہ ہوتے تو پھر ممکن تھا کہ ہم کسی حیلے سے یہاں رات بسر کر لیتے مگر اب ۔۔۔۔۔!"

ستیفانوس کچھ اور نہ کہہ سکا۔ وہ جانتا تھا کہ ورنا کی حدُود سے گزرنا بھی ایک غیر معمولی کارنامہ ہوگا۔ لیکن تھیوڈورا ۔۔۔ اس سادہ لوح عقیدہ پرست لڑکی کو یہ جواب کافی معلوم نہ ہُوا ۔۔۔ اُس نے پھر کہا:

"محافظ دستے کے ہمراہ ہم اس راستے سے گزر بھی تو نہیں سکتے تھے"۔

"ہاں! یہ تو درست ہے، لیکن ہم اپنا راستہ بدل بھی سکتے ہیں"۔

جولین کو سہارا مِلا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ اِس جواب سے اس کا اپنا ضمیر بھی مطمئن نہ ہو سکا تھا ۔۔۔ جب سے گیلی پولی، ترکوں کے قبضے میں گیا تھا۔ بحیرۂ اسود تمام دوسرے سمندروں سے کٹ گیا تھا۔ اطلانطک سے آزوف تک دندناتے ہوئے جنگی بیڑے، وروینیس و جینیوا کے تجارتی جہاز اب ان پانیوں میں دکھائی دیتے تھے ۔۔۔ اب درۂ دانیال پر عثمانیوں کا پرچم لہرا رہا تھا۔ اور اُن کی مرضی کے خلاف کسی سمندر کی ایک بھی لہر دوسرے سمندر میں داخل نہ ہو سکتی تھی۔

جولین نے جب راستہ بدلنے کا خیال ظاہر کیا تو ستیفانوس نے اُسے معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔ اِس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ اگر یہاں سے راستہ بدلا گیا تو اس تھکے ہارے اور بے سروسامان قافلے کو کم از کم ایک ہفتہ اور دُشوار گزار دروں اور بھیانک چٹانوں کو عبُور کرنے میں لگ جائے گا۔ اُسے اُس وقت سب سے زیادہ نواب زادی تھیوڈورا پر رحم آ رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ قسطنطنیہ پہنچنے سے پہلے پہلے یہ کومل کلی سفر کی صعُوبتوں کے باعث کملا کر رہ جائے۔

"بیشک آنے والی رات بہت تلخ اور صبر آزما ہوگی!" جولین نے خلا میں گھورتے ہوئے خالص روحانی انداز میں کہا۔ اور اپنے گھوڑے کی لگام بائیں ہاتھ ایک پگ ڈنڈی کی طرف موڑ دی جو تھوڑی دُور تک بَل کھاتی ہوئی سیاہ پوش پہاڑوں کے اندر کہیں رُوپوش ہو گئی تھی۔

O

قیصر مینوئل ــــ روم کے پادری سے پُوری طرح واقف تھا۔ اُسے علم تھا کہ یورپ کے محاذوں پر ہنیاڑی کو لانے والا یہ بوڑھا راہب، بڑے عزائم کا مالک ہے اور اگر اسے جولین کی بوڑا اسے روانگی کا بروقت علم ہو جاتا تو نہ جانے قسطنطینِ اعظم کا یہ آخری جانشین کارڈینل کے لئے قسطنطنیہ کو کیسے سجاتا ــــ یہ وہی شہر تھا، وہی قسطنطنیہ ــــ جس کے دربار میں صقلیہ، کاریچ، مصر، شام، جارجیا اور آرمینیا تک کے مسائل حل ہُوا کرتے تھے۔ ایا صوفیہ کی تعمیر نے اس شہر کو مشرقی کلیسا کا درجہ دے دیا تھا۔

اور جب جولین حدودِ شہر میں داخل ہو گیا تو قیصر اُس کے خیر مقدم کو قصرِ شاہی سے باہر نکل آیا ــــ اُس کا خیال تھا کہ ورنا میں شکست کے بعد مسیحی یورپ کی ساری فوجی قوت جولین کے ہمراہ قسطنطنیہ آرہی ہوگی اور پھر کارڈینل جولین کی قیادت میں ترکوں پر ایک ایسی یلغار کی جائے گی جو ورنا کی تباہی کا پورا پورا جواب ہوگا۔

لیکن جب قیصر نے جولین کے ہمراہ فوجی سرداروں کی بجائے ایک جواں سال اور حسین ترین دوشیزہ کے سوا کسی کو نہ دیکھا تو اُسے یوں محسوس ہُوا جیسے ورنا سے کوئی راہب اُس کے ہاں پناہ لینے آیا ہے! اُسے سخت مایوسی ہوئی اور اب وہ صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ آخر جولین قسطنطنیہ کیا لینے آیا ہے؟

—— کھانے کی میز پر بھی قیصر کی نگاہیں بدستور اپنے خواب کی تعبیر تلاش کرتی رہیں، اور بوڑھا راہب قیصر کے اس اضطراب سے پوری طرح آشنا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ جب تک قیصر کو مطمئن نہیں کیا جاتا، اس ماحول کو سازگار بنانا مشکل ہے۔ اُس نے پُروقار لہجے میں کہا:

"میں چاہتا ہوں کہ ترکوں پر تلوار کی بجائے ایک حملہ محض تدبیر سے کیا جائے"!

قیصر خود تلوار کی ناکامی سے دل برداشتہ ہو چکا تھا۔ اب اس کی حالت ایک ایسے دیہاتی بیمار کی سی تھی جو دوا سے مایوس ہو کر ٹونے ٹوٹکوں پر بھروسہ کرنے لگا ہو۔ اُس نے کہا:

"کچھ بھی ہو، مگر کوئی ایسا وار ضرور ہو، جو فوری طور پر بھی کیا جا سکے اور کارگر بھی ہو"!

"میرے پاس ایک ایسا ہی تیر بہدف نسخہ ہے جو زود اثر بھی ہوگا اور آسان بھی۔"!

قیصر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اُس کے درباریوں نے اپنے سر اُوپر اُٹھائے۔ قیصر ایک عجیب رازدارانہ انداز میں جولین کی طرف جھکا اور بولا:

"تو پھر زیادہ انتظار میں نہ رکھئے"!

"مجھے معلوم ہوا ہے" —— جولین نے اُس کی بات کا جواب دیئے بغیر کہنا شروع کیا —— "آپ نے قسطنطنیہ سے ادرنہ تک تمام خانقاہوں میں جاسوسوں کا جال بچھا رکھا ہے؟"

"آپ کی معلومات قابلِ رشک ہیں مگر ——" قیصر نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔ "اس وقت تک ان سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو سکا۔ ہاں اتنا ضرور ہوا ہے کہ عثمانی دارالخلافے کے ہر واقعے کی اطلاع یہاں بیٹھے بٹھائے مل جاتی ہے۔"

"یہ تو بہت بڑی بات ہے —— کیا آپ بتا سکتے ہیں، اس وقت مرآیہ کہاں ہے ——؟"

مریامہ کا نام سن کر قیصر کے کان کھڑے ہو گئے اور اُس نے تیزی سے کہا: "میں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی مگر مریامہ کے متعلق سب کچھ معلوم کیا جا سکتا ہے۔"

"خیر! آپ کو اتنا تو ضرور معلوم ہو گا کہ اُس کا بچہ کیسا ہے۔"

"اِس وقت تک زندہ ہے" ــــ قیصر نے جولین کی باتوں میں قدرے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔ "آپ اس بچے سے کیا کام لینا چاہتے ہیں؟"

"میں سب سے پہلے اُسے یہاں ــــ قسطنطنیہ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں؟"

"اگر عثمانی تخت کا دعوے دار یورپ میں آ گیا تو ہمارے مقصد کو بڑی تقویت پہنچے گی۔"

قیصر اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا۔ بے اختیار اُس کا قہقہہ گونج گیا ــــ جولین کے وقار کو سخت دھچکا لگا: "کہیں قیصر اس کے منصوبے کا مذاق تو نہیں اُڑا رہا"۔ وہ مسکراتے مسکراتے اچانک سنجیدہ ہو گیا۔

قیصر اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے بولا:

"معاف کیجئے! مجھے اپنی ندامت چھپانے کے لئے قہقہے کا سہارا لینا پڑا۔ کیا واقعی مسیحی دنیا اب ترکوں کی زبردست فوج کے سامنے مریامہ کے معصوم بچے کو میدان میں لانا چاہتی ہے؟ اور کیا اس منصوبے کی ناکامی پر آپ یورپ کی حسین عورتوں کے ساتھ اندر نہ پر حملہ آور ہوں گے ــــ؟"

قیصر نے ایک بہت بڑی بات کہہ دی۔ وہ قیصر تھا، قسطنطینِ اعظم کا نوجوان جانشین! ــــ جولین پر وہ فخر کر سکتا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ کوئی حملہ آور قسطنطنیہ کی دیواروں کے اندر قدم بھی نہیں رکھ سکتا ــــ لیکن جولین بھی کوئی ایسی معمولی شخصیت کا مالک نہ تھا کہ وہ قیصر کے سامنے بات نہ کر سکتا۔ اُس نے کسی قدر تلخ لہجے میں کہا:

"قیصر! تمہیں یورپی فوجی قوت پر — جس کا زور ورنا میں ٹوٹ چکا ہے طنز کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ لیکن جو کچھ میں کہتا ہوں اس میں تمہاری بھلائی ہے، میری بات غور سے سنو: جب تک ہم ادرنہ پر حملہ کرنے کے لئے بے شمار فوجیں اور سامانِ جنگ جمع نہیں کر لیتے، ہمیں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنا زیب نہیں دیتا۔ ہمیں عثمانی تخت و تاج کی وراثت کا جھگڑا اکھڑا کر کے اِس اِتحاد کو پارا پارا کرنا ہے جس کی موجودگی نے ترکوں کو یہ عروج بخشا ہے۔"

قیصر، جولین کی گفتگو کو اب واقعی توجہ سے سُن رہا تھا — جولین کے لب و لہجے میں بھی اس کا مذہبی تقدس بدرجۂ اتم اُبھر آیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا:

"مریامہ کا بیٹا — سلطان محمد کا بھائی اپنے باپ کی اتنی وسیع سلطنت میں سے اپنے جائز حق کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ معصوم شہزادے کے اس مطالبے کو پروپیگنڈے کی قوت سے سارے مسیحی یورپ اور یورپ کے اِس حصے میں خاص طور پر نشر کیا جائے گا، جس پر ترک قابض ہیں اور جہاں کی آبادی خالص یونانی مسیحیوں پر مشتمل ہے — یہ آواز بالآخر ہمیں ایک ایسی قوت مہیا کرے گی جسے قسطنطنیہ کی جنگی قوت کے ساتھ ملا کر ہم ادرنہ کی تسخیر کا مقصد حاصل کر سکیں گے۔"

قیصر اب کافی سنجیدہ ہو چکا تھا — بوڑھے جولین کی باتوں میں اُسے ٹھوس حقائق نظر آنے لگے تھے۔ اُس نے جولین کے خاموش ہوتے ہی کہا:

"مجھے آپ کی تجویز سے اتفاق ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ ایسا نازک اور خطرناک معرکہ سر کیونکر ہو گا؟ کون ہے جو اپنی جان پر کھیل ادرنہ جانے کے لئے تیار ہو گا —؟"

"جولین نے کنکھیوں سے تھیوڈورا کی طرف دیکھا اور پھر اطمینان بھرے لہجے میں بولا:

"اس کا غم نہ کرو قیصر! تم صرف یہ بتاؤ کہ اگر کوئی ایسا جانباز تیار ہو جائے تو کیا تم ادرنہ تک اس کی حفاظت کی ذمہ داری لیتے ہو؟"

"صرف ادرنہ تک ــــ ؟" قیصر مسکرایا ــــ "میں ادرنہ کے اندر بھی اُس کی حفاظت کی حامی بھر سکتا ہوں، مگر ــــ ؟"

قیصر اچانک خاموش ہو گیا۔ اس کی نظریں دفعتہً تھیوڈورا کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ وہ سوچنے لگا ــــ "کہیں روم کا یہ مکار راہب اس بھولی بھالی دوشیزہ کو تو ادرنہ بھیجنے کا ارادہ نہیں رکھتا!" ــــ اب تک وہ تھیوڈورا کو کسی اور رنگ میں دیکھ رہا تھا، مگر اب اس کی نظریں پوری آزادی کے ساتھ تھیوڈورا کے سیمیں پیکر کو ٹٹول رہی تھیں۔ اُس کا حُسن اب لحظہ بہ لحظہ قیصر کے دل و دماغ پر مسلط ہوتا چلا جا رہا تھا۔

جولین کو قیصر کا یہ انداز ــــ اس کی یہ خاموشی بُری طرح کھٹک رہی تھی۔ اُس نے قیصر کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا:

"ہاں! میں تھیوڈورا ہی کو ادرنہ بھیجنا چاہتا ہوں۔"

تھیوڈورا کو یوں محسوس ہوا جیسے قیصر کے منہ سے ایک خفیف سی آہ نکل گئی ــــ اُس نے جولین کی طرف مشکوک نظروں سے دیکھا اور پھر تھیوڈورا کی طرف گھورنے لگا۔

وہ اِس سیاہ پوش بلغانی لڑکی کے حُسن و جمال کا گرویدہ ہو گیا تھا جسے جولین، یوڈا اسے اپنے ساتھ یہاں لایا تھا اور جو کارڈینل جولین کے ترکش میں ترکوں کے خلاف استعمال کرنے کے لئے آخری تیر کی حیثیت رکھتی تھی ــــ قیصر کو اس نورانی پیکر سے ایک عجیب ہمدردی پیدا ہو گئی، اس نے شکایت کے سے انداز میں جولین سے کہا:

"آپ ایسی اَلّھڑ دوشیزہ کو شیر کی کچھار میں بھیجنا چاہتے ہیں؟"

جولین نے قیصر کی آواز میں کپکپاہٹ محسوس کرتے ہوئے کہا:

"ہاں! میں تھیوڈورا کو ادرنہ بھیج کر یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ جس قوم کی گود میں

ایسی لڑکیاں جنم لے رہی ہیں، اُسے ترک بھی ختم نہیں کر سکتے! میں یورپ کے سپہ سالاروں پر یہ بات بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ جس کام کو وہ ناممکن سمجھ رہے ہیں، اُسے ایک نرم و نازک لڑکی پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتی ہے۔"

"نہیں ——!" قیصر نے جرأت مندی کے ساتھ کہا۔ "میرے ہوتے ایسا نہیں ہو سکتا —— اپنی قوم کی بیٹی سے اتنی بڑی فوجی خدمت میرے ہوتے نہیں لی جا سکتی!"

"قیصر! یقین کرو کہ اس کام کے لئے سارے یورپ میں تھیوڈورا سے بہتر اور موزوں کوئی نہیں ——" جولین نے فیصلہ کُن انداز میں کہا۔ "تم مجھے یہ بتاؤ کیا ادرنہ تک اس کی حفاظت کا بندوبست ہو سکتا ہے ——؟"

قیصر نے بوڑھے کارڈینل کی چمکتی ہوئی آنکھوں کی تاب نہ لا کر سر جھکا لیا — وہ سوچنے لگا کتنی احمق ہوتی ہیں یہ لڑکیاں جو محض اپنے عقیدے کی تسکین کی خاطر اپنی ہر آرزو مذہب کے نام پر قربان کر دیتی ہیں —— کیا تھیوڈورا بھی صلیب کے ناموس پر قربان ہو جائے گی ——؟

اُس نے ایک اُچٹتی سی نظر تھیوڈورا کے چہرے پر ڈالی اور پھر خیالات میں اُلجھ گیا۔ اُس کا خیال تھا اگر اس بھولی بھالی لڑکی کو زندگی کا دوسرا رُخ دکھا دیا جائے تو شاید وہ اپنے آپ ہی اس خطرناک مہم پر جانے کا ارادہ ترک کر دے۔

وہ ابھی تک اپنے آپ کو جولین کے حکم کی تعمیل پر آمادہ نہ کر سکا۔ مگر بوڑھے راہب کے خلاف قیصر کے دل میں خاموش احتجاج کا جو سمندر موجزن ہو گیا تھا —— تھیوڈورا کے صبیح چہرے پر اس کی ایک ہلکی سی شکن بھی موجود نہ تھی — کیا تھیوڈورا اس کام پر پہلے ہی سے آمادہ کی جا چکی ہے؟ کیا اس حسین لڑکی کو انجام کی خبر ہے؟

ادرنہ فتح ہو یا نہ ہو، مسیحؑ کی عظمت بحال ہو یا نہ ہو، قیصر بہر حال تھیوڈورا کو

شریکِ زندگی بنانا چاہتا تھا اور اُسے اپنے محل میں لانے کی خواہش کرتا تھا ـــــ وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

" ہاں! کیا یہ ممکن نہیں کہ ادرنہ تک تھیوڈورا کی حفاظت کی جا سکے؟" جولین، قیصر کو جھنجھوڑنے لگا: میں اس خاموشی کا کیا مطلب سمجھوں؟

قیصر چونکا ـــ اس نے تیزی سے جواب دیا۔

" بالکل ممکن ہے، اس کا معقول انتظام بھی ہو سکتا ہے لیکن ـــ!"

" بہت خوب!" جولین مسکرایا ـــ " بہت خوب!! تو پھر میں چاہتا ہوں ـــ کہ تھیوڈورا کو اپنے مشن پر راتوں رات پوری رازداری کے ساتھ روانہ کر دیا جائے ـــ تھیوڈورا ایک ایسا راز ہے جس کا فاش ہو جانا نہ صرف تھیوڈورا، بلکہ خود ہمارے لئے بھی تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے ـــ!"

" لیکن ـــ میری بات تو سُنئے!" قیصر نے کچھ اس طرح کہا جیسے وہ اپنی بات پوری کرنے کی غرض سے جولین کی بات نہ سُن سکا تھا۔ اُس نے کہا ـــ

" میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ آخر ایسی بھی کیا جلدی ہے، اگر آپ ایک فیصلہ کر ہی چکے ہیں اور نواب زادی تھیوڈورا کو آپ کا یہ خطرناک فیصلہ قبول بھی ہے تو پھر مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے، لیکن اتنے لمبے سفر کے بعد کم از کم دو ایک روز تو اسے آرام ملنا چاہیئے ـــ آخر ہمیں ایسی مجاہدہ کی خدمت سے کیوں محروم رکھتے ہیں آپ؟"

تھیوڈورا نے شکر گزار نگاہوں سے قیصر کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا اور جولین صرف اتنا کہہ سکا:

" خیر ـــ! جو قیصر کا حکم"۔

O

ایک عرصے کے بعد قیصر کے محل میں زندگی کروٹیں لینے لگی تھی۔ ایک کونے سے دوسرے کونے تک، کنیزوں، خدمتگاروں اور شہزادیوں کے جھرمٹ میں چہ میگوئیاں ہونے لگی تھیں —— قیصر کس خوش نصیب مہمان کے اعزاز میں یہ جشن منا رہا ہے —— ؟

تھیوڈورا کو محل کے مخصوص کمروں میں ایسی کنیزوں اور خدمتگاروں کے سپرد کیا گیا جن کے سینوں میں قیصر کی سرکش نوجوانی کے کئی راز دفن تھے۔ قیصر اُنہیں جانتا تھا اور وہ قیصر کو —— محل کی خاص مشاطائیں اور ماہر کنیزیں کچھ اس بے تکلفی سے تھیوڈورا کے ساتھ وابستہ ہو گئی تھیں کہ وہ یہ بھی معلوم نہ کر سکی کہ آخر اس ہماہمی کا مقصد کیا ہے۔ یہ سارے محل میں پُراسرار سی سرسراہٹ کیوں ہے ؟ سرگوشیوں اور دبے دبے قہقہوں کا مدّعا کیا ہے —— ؟

وہ حیران تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے —— وہ جس ماحول کو قطعی طور پر بھلا چکی تھی۔ جن کنیزوں سے جُدا ہوئے اُسے ایک عرصہ گزر چکا تھا، آج وہی اُس کے گرد و پیش مکڑی کی طرح حسین اور نظر فریب جالے تن رہی تھیں۔ تھیوڈورا کو بار بار گمان ہوتا کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہی —— !

ایک نوجوان کنیز پُراسرار مُسکراہٹ کے ساتھ تھیوڈورا کی طرف بڑھی، اور آہستہ سے بولی :

"محترم نواب زادی ! اس جشن کے لئے آپ کا یہ سیاہ لباس کسی طرح بھی موزوں نہیں ہے !"

"یہ قسطنطنیہ کی بہار کا جشن ہے" —— ایک بوڑھی مشّاطہ نے صندوق کھول کر اطلس و کمخواب کے نادر ترین لباس تھیوڈورا کی طرف اُچھالتے ہوئے کہا —— "آپ کونسا رنگ پسند کریں گی —— ؟"

موتیوں، جواہرات اور مرصّع زیورات کی آبنوسی صندوقچیاں کھُل گئیں اور کئی آوازیں

آپس میں گتھم گتھا ہونے لگیں:

"آپ کو کون سے موتی پسند ہیں؟"

"آپ کیسا زیور پسند کریں گی۔"

"اِن جواہرات کی طرف دیکھئے!"

"اور اب ــــ آئینے میں بھی اپنے آپ کو پرکھئے!"

آخر ایک بیش قیمت آئینہ آپ ہی آپ تھیوڈورا کے سامنے آگیا ــــ

"نواب زادی! اپنے آپ کو پہچان سکتی ہیں؟ ــــ کم از کم قیصر اور کارڈینل تو نہ جان سکیں گے۔"

"تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں!" ایک نوجوان کنیز نے مسکراتے ہوئے کہا ــــ

تھیوڈورا کی نگاہیں جب آئینے کی طرف اُٹھیں تو سب سے پہلے اُس نے اپنے آپ سے یہ سوال کیا ــــ "تھیوڈورا کہاں ہے؟"

وہ خود بھی آج اپنے آپ کو پہچان نہ سکی۔ اس کے دل نے کہا۔ اگر یہ تھیوڈورا ہے تو واقعی محبت کے قابل ہے ــــ اُس کے کانوں میں مختلف آوازیں گونج رہی تھیں:

"اگر ہنیاڑی نے معاہدۂ زیجبدین توڑ دیا تو اُس کا کیا قصور؟"

"اگر جولین ورنا کی تباہی کے بعد ابھی تک ادرنہ کی تسخیر کے خواب دیکھ رہا ہے تو سچا ہے۔" ــــ

"اگر قیصر، تھیوڈورا کو ادرنہ جانے سے روک رہا ہے تو یہ اُس کی مجبوری ہے ــــ اس کے دل کی مجبوری ــــ!"

جشن میں شریک ہونے تک جانے کتنی ہی ایسی اور آوازیں اُن آوازوں سے ہم آہنگ ہوتی گئیں۔

O

تھیوڈورا، جب اُس بڑے ہال میں داخل ہوئی، جہاں یونان کی عظمت ایتھنز ہیں مسیح کے عکس کو شراب کے چھلکتے ہوئے ساغروں میں دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے تو ہال میں ایک طوفان سا جاگ گیا ـــ ہر شخص کی نظر تھیوڈورا کی طرف اُٹھی، اور جم کر رہ گئی۔ ایک عجیب سناٹا سا لہرا گیا۔ شراب ساغروں میں منجمد ہو گئی اور جو ہاتھ جہاں تھا وہیں تھم گیا ـــ سارے ہال پر ایتھنز کے کسی ایسے عجائب گھر کا گمان ہونے لگا جس میں ہر شے پتھر کی تھی ـــ ہر شخص ایک مجسّمہ تھا۔

تھیوڈورا کے وجود کی حرکت نے اچانک اس طلسم کو توڑا ـــ وہ دہلیز سے آگے بڑھی تو لوگوں میں زندگی کے آثار اُبھر آئے، مجسّموں میں جان پڑ گئی۔ پتھر حرکت میں آ گئے۔ لوگ اُٹھے ـــ جولین اُٹھا ـــ قیصر اُٹھا، اور پھر جیسے اس عظیم الشان ہال کے اندر موجود ہر چیز اس حُسنِ مجسّم، اُس شعلۂ جوّالہ کے حضور، زمین تک جھک گئی۔

تھیوڈورا کو جولین اور قیصر کے درمیان جگہ ملی۔ جونہی وہ اپنی نشست پر بیٹھی، جشن کے ہنگامے اپنے شباب کو پہنچ گئے، ٹرائے، سپارٹا، کارتھیج، سسلی، قبرص اور کریٹ کی حسین ترین عورتیں نیم عریاں لباس میں اچانک اس طرح ہال میں نمودار ہوئیں جیسے آسمانی حوروں کا کوئی غول راستہ بھُول کر جھم سے یہاں آ پہنچا ہو۔ رقص کا جادُو جاگنے لگا۔ پائل کی جھنکار گونجنے لگی۔ ڈھیلے ڈھالے ریشمیں لباس لہرانے لگے ـــ عورتیں تتلیوں کی طرح ناچ رہی تھیں۔ ہاتھ ساغر و مینا سے ہونٹوں کی طرف اُٹھ رہے تھے۔ اور آنکھیں ـــ اپنی تمام تر بصری قوّت کے ساتھ تھیوڈورا کے پیکر میں جذب ہو رہی تھیں۔

رات ڈھلتی رہی، رقص جاری رہا، دَور چلتے رہے، زندگی مسکراتی رہی، خواب

چلتے رہے، اور پھر آہستہ آہستہ جشن کا ہر ہنگامہ — نیند کے پھیلے ہوئے آغوش کی طرف خمار آفریں رفتار سے رینگنے لگا۔

رقص کرتی ہوئی تتلیاں ایک ایک کر کے فرش پر یوں بیٹھتی چلی جا رہی تھیں جیسے اُن کے پَر ٹوٹ گئے ہوں۔ ہاتھوں کی حرکتیں بے اختیار ہونے لگیں۔ جام و مینا چھوٹ چھوٹ کر گرنے لگے۔ شیشے ٹوٹنے لگے اور آنکھیں بتدریج بند ہوتی گئیں *

O

اگلی صبح جب تھیوڈورا نے اپنے بستر پر آخری کروٹ لی، تو اُس کا ذہن ابھی تک رات کے ہنگاموں کے خواب گوں نقوش سے اٹا پڑا تھا۔ اس نے آنکھیں ملیں اور اپنے گرد و پیش کو غور سے دیکھتی ہوئی اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ سوچنے لگی، آخر اس جشن کا مقصد کیا تھا!

جولین جب بیدار ہوا — تو اُس کے چہرے پر ایک عجیب مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ اس نے رات تھیوڈورا کا امتحان لے لیا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ قیصر نے اس بے کس اور بے سہارا لڑکی کو پھانسنے کے لئے کتنا بڑا اور کس قدر رنگین جال بچھایا تھا۔ مگر وہ اس جال کے ہر حلقے سے صاف بچ نکلی۔ جب شراب کی صراحیوں کی طرح جشن میں شریک ہر شخص، بلکہ خود قیصر بھی اوندھے مُنہ گرا پڑا تھا، تھیوڈورا جولین کے ساتھ اس طرح کھسک آئی تھی جیسے اس نے اس جشن کی کسی بھی بات میں دلچسپی نہیں لی تھی — وہ دونوں اس ہال سے اس طرح نکلے جیسے زندوں کے اس قبرستان سے اُن کا کوئی تعلق نہ تھا۔

تھیوڈورا — جولین کا بہترین انتخاب ثابت ہوئی، اُس کی ذات پر اُس کا اعتماد اور بڑھ گیا — اسی لئے جب صبح ہی صبح قیصر کا خاص خدمتگار جولین اور تھیوڈورا

کی باریابی کا پیغام لایا تو کارڈینل پیام بر پر ذرا بھی نہ برسا۔

قیصر کو یقین تھا کہ ایک ناتجربہ کار بلقانی دوشیزہ رنگ و سُرور کے اس سیلاب سے ضرور متاثر ہوئی ہو گی۔ اُس نے یہ سارا اہتمام محض اُسی کے لئے کیا تھا کہ اُسے خیال تھا کہ وہ اس بوڑھے راہب کے پامال ہوتے ہوئے تقدس کو ٹھکرا کر قسطنطنیہ کے دربار کی رنگین اور مترنم زندگی کا سہارا لینا پسند کرے گی۔ چنانچہ جب اُس نے جولین اور تھیوڈورا کو اپنی طرف آتے دیکھا تو ایک عجیب فخر و غرور کے ساتھ اپنی گردن بلند کی جیسے وہ ان سے اپنی برتری کی داد طلب کر رہا ہو۔ اُس نے ان دونوں کو سوالیہ نظروں سے دیکھا، اُس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

تھیوڈورا جھکی ہوئی نظروں کے ساتھ کارڈینل جولین کے پیچھے پیچھے چلی آ رہی تھی۔ جب یہ دونوں قیصر کے قریب پہنچے تو جولین نے بڑے پُروقار انداز میں قیصر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"ہمیں قیصرِ عزیز نے یاد کیا ہے؟"

"ہاں! میں نے آپ کو تکلیف دی تھی۔ میں چاہتا تھا آپ سے چند باتوں کی وضاحت کرالوں۔"

جولین نے قیصر کی طرف معنی طلب نگاہوں سے دیکھا اور کہا "مثلاً ــــــ؟"

"مثلاً ــــ یہ کہ ہمیں نواب زادی تھیوڈورا کو اس عظیم اور پُرخطر مہم پر بھیجنے سے پہلے یہ جان لینا چاہیئے کہ ناز و نعم میں پلی ہوئی ایک دوشیزہ، کیا اتنا بڑا کارنامہ انجام دے سکے گی؟"

"قیصر! تم یہ سوال کسی نہ کسی طرح پہلے بھی کر چکے ہو، اور میں تمہیں یقین دلا چکا ہوں کہ اس مقصد کے لئے تھیوڈورا سے زیادہ مناسب اور موزوں دوسرا اور کوئی نہیں۔"

"پھر بھی" ــــ قیصر نے تھیوڈورا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ــــ "ہمیں نواب زادی

کے خیالات معلوم کر لینے چاہئیں"

دربار میں اس وقت عجیب سناٹا چھا گیا۔ ہر نگاہ تھیوڈورا پر مرکوز تھی۔

تھیوڈورا نے پہلے جولین، پھر اہلِ دربار اور اس کے بعد قیصر کی طرف دیکھا۔ اُس کی نگاہوں میں متانت اور سنجیدگی کا نور جھلک رہا تھا۔ اُس نے دھیمے سے لہجے میں کہا ——

"محترم قیصر کی ہمدردی اور عزّت افزائی کا شکریہ ادا کرنا محال ہے۔ لیکن میں اپنی زندگی کو پوری طرح مسیح کی عظمت کے لئے وقف کر چکی ہوں"

قیصر کو یوں معلوم ہُوا جیسے کوئی اچھوتا سا نغمہ اس کے پردۂ سماعت سے ٹکرا گیا ہو۔ اس نے اپنے لہجے میں کسی قدر اپنائیت کا رنگ بھرتے ہوئے کہا۔

"شاید نواب زادی تھیوڈورا کو معلوم نہیں کہ اس کام میں خطرات کے سوا کچھ بھی نہیں"

"کوئی خطرہ —— جان کے خطرہ سے بڑا نہیں ہوتا اور میں اپنی پوری زندگی تمام تر اُمنگوں سمیت کلیسا کی خدمت کے لئے وقف کر چکی ہوں ——"

تھیوڈورا کے لہجے میں وقار —— اور اعتماد شامل تھا۔

قیصر نے اپنے مشیروں اور مصاحبوں کی طرف ایک اُچٹتی سی نظر ڈالی، اور پھر بولا:

"لیکن مَیں سمجھتا ہوں آپ اس کام کے لئے پیدا نہیں ہوئیں"

"کوئی بھی رُوح —— انسانی پیکر میں کسی خاص کام کے لئے حلول نہیں کرتی۔ انسان اپنے لئے آپ راستہ تلاش کرتا ہے۔ اپنی منزل کا تعیّن آپ کرتا ہے —— اور میں اپنی منزل متعین کر چکی ہوں ——"

"مادر زندہ ——؟"

"ہاں مادر زندہ!" —— تھیوڈورا کی آواز کافی اُونچی تھی۔

جولین نے مسکراتے ہوئے قیصر کی طرف دیکھا۔ قیصر اس وقت ایک عجیب ذہنی

کشمکش میں مبتلا تھا۔ وہ اگر چاہتا تو تھیوڈورا کو زبردستی اپنے محل میں داخل کر سکتا تھا۔ لیکن اُسے قیصر کی حیثیت سے کلیسا کی نگاہوں میں جو مقام حاصل تھا وہ اس سے نیچے نہیں آنا چاہتا تھا۔

"پھر ـــ اب ؟" جولین کے لہجے میں ایک خاص تمکنت تھی۔

"ہاں آپ ـــ!" قیصر نے جولین کی طرف دیکھا، اُس کے چہرے پر ایک عجیب دُھندلاہٹ سی طاری تھی، وہ اپنی شکست کا اعتراف کر چکا تھا ـــ اُس نے دربار میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے آواز دی :۔

"زرزیوئر ـــ!"

وہ شخص اپنا نام سُن کر اپنی جگہ سرو قد کھڑا ہو گیا۔

"یہاں آؤ ـــ!" قیصر بول رہا تھا۔

"ارشاد ـــ!" زرزیوئر قیصر کے قریب آ کر جھک گیا۔

"دیکھو ـــ! نواب زادی تھیوڈورا کو تمہارے سپرد کیا جاتا ہے۔ جہاں وہ جانا چاہتی ہے، اُنہیں وہاں پہنچا دیا جائے۔"

"بہت بہتر ـــ!"

"اور دیکھو ـــ! ان کی حفاظت تمہارا فرض ہے۔"

"سپاہی اپنے فرض کو پہچانتا ہے حضور!"

جولین کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور ـــ قیصر تیزی کے ساتھ اپنے محل کی طرف مڑ گیا۔

چھٹا باب

آغازِ سفر

دسمبر کے سُورج نے غروب ہونے کے بعد مغربی اُفق کے جس حصّے میں آگ لگادی تھی، وہ پہاڑوں کی سیاہ ہونے والی چوٹیوں کے اُوپر سے آسانی کے ساتھ دیکھی جا سکتی تھی ــــ پہاڑی ڈھلوانوں کے جس رقبے میں خُودرَو گھنی جھاڑیاں تھیں، اُن میں تاریکی رینگنے لگی تھی۔

دائیں ہاتھ ندی کے اُس پار سان کرسٹینا کے کلیسا سے گھنٹے کی آواز شام کے جھٹپٹے میں خلط ملط ہوکر اس مختصر سے قافلے کو بڑی پیاری معلوم ہونے لگی تھی، جو تیزی سے ندی کے کنارے ایک ایسے مقام کی تلاش میں جا رہا تھا، جہاں سے ندی پار کرکے وہ سان کرسٹینا کی خانقاہ میں پہنچ سکے۔

خانقاہ کے قریب آباد بستی کے باشندے پہاڑیوں کے دامن میں اپنے گلّے چرانے کے بعد تیزی سے گاؤں کی طرف جا رہے تھے اور جن پگ ڈنڈیوں پر یہ گلّے جا رہے تھے وہاں سے گرد و غبار دھوئیں کی مدھم لکیر کی طرح اُوپر اُٹھ رہا تھا ـ گلّوں،

گلہ بانوں، گھنٹے کی آواز، کلیسا کے میناروں اور گاؤں کے چند مکانوں کو دیکھ کر اس چھوٹے سے قافلے کے مسافروں کی تھکاوٹ دُور ہو گئی تھی۔ اُن کے چہروں پر اُداسی کی بجائے اب خوشی لہرانے لگی تھی۔

خانقاہ کے صدر دروازے پر پہنچ کر قافلہ رُک گیا۔ سب سے پہلے ایک یونانی نوجوان اپنے گھوڑے سے اُترا اور تیزی سے اُس گھوڑے کی لگام تھام لی جس پر تھیوڈورا سوار تھی۔ تھیوڈورا کو خاموشی سے اُترنے کا اشارہ کیا۔ اور جب تھیوڈورا نیچے اُتر چکی تو وہ خود بھی گھوڑے سے اُترا۔ اُس نے اپنے گھوڑے کی لگام اپنے خدمت گار کی طرف پھینکتے ہوئے ایک طویل سانس لی، جس میں اطمینان اور مسرت کی جھلک بخوبی نظر آتی تھی۔

اپنا بدن سیدھا کرنے کے بعد اُس نے تھیوڈورا کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا:

"میں آپ کی جفاکشی کا قائل ہو گیا ہوں خاتون! معلوم ہوتا ہے آپ کو سواری کا طویل تجربہ ہے۔"

تھیوڈورا نے ایک خاموش مسکراہٹ کے ساتھ اُس کا شکریہ ادا کیا۔

خدمت گار صدر دروازے کے قریب ایک مضبوط درخت کے تنے سے گھوڑے باندھنے لگا۔ قافلہ سالار نے آگے بڑھ کر تھیوڈورا کے کندھے پر شال ڈال دی، اور کہا:—

"چلئے — دروازے پر دستک دیجئے! اُمید ہے آپ کو دیکھ کر دروازہ فوراً ہی کھول دیا جائے گا۔ ورنہ ہماری گردوغبار سے اَٹی ہوئی شکلیں دیکھ کر شاید وہ ہمارے قریب بھی آنا پسند نہ کریں۔"

تھیوڈورا اپنے کندھے پر پڑی ہوئی شال سنبھال کر آگے بڑھی اور دروازے پر دستک دی اور جب کافی دیر تک اندر سے کوئی جواب نہ آیا تو قافلہ سالار صبر نہ کر سکا، آگے بڑھا اور تلوار کے قبضے سے دروازے کو زور سے کھٹکھٹایا۔

پُرانا دروازہ اپنی مخصوص چرچراہٹ کے ساتھ کھُلا۔ لمحہ بھر کے لئے خاموشی چھا گئی اور پھر صحن میں کسی کے چلنے کی آواز سنائی دی —— صدر دروازے کے قریب پہنچ کر وہ شخص رُک گیا۔ اُس نے بوسیدہ دروازے کی درزوں میں سے باہر دیکھنے کی کوشش کی۔ مگر درختوں کے سائے میں کھڑے مُسافر اُسے نظر نہ آسکے اور اُس نے بوڑھی لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں پُوچھا۔

"کون ہے؟"

قافلہ سالار نے جلدی سے تھیوڈورا کو بولنے کا اشارہ کیا، اُس نے حافظہ پر زور دیا اور بولی:

"مُسافر۔"

"کہاں سے آئے ہو؟"

تھیوڈورا پھر سوچنے لگی —— جولین اور مینوئل نے اُسے روانہ کرنے سے پہلے بعض خاص باتیں بتائی تھیں۔ خصوصیت کے ساتھ "کہاں سے آئے ہو؟" اور "کہاں جاؤ گے؟" کا جواب بڑا رازدارانہ تھا۔ جو تھیوڈورا کے ذہن سے اُتر چکا تھا۔ تھیوڈورا کو پریشان دیکھ کر قافلہ سالار نے اپنے ہاتھ کی اُنگلیاں اُٹھائیں۔ جنہیں دیکھ کر تھیوڈورا نے تیزی سے جواب دیا ——

"ساتویں آسمان سے۔"

"اور کہاں جاؤ گے؟"

اب تھیوڈورا کو ایک ایک بات یاد آگئی تھی۔ اُس نے قافلہ سالار کو مسکرا کر دیکھا، اور جواب دیا:——

"جہنّم میں!"

"تمہارے ساتھ اور کون ہے؟"

"دو فرشتے!"

اِس کے ساتھ ہی دروازہ کُھل گیا ــــــ تھیوڈورا، قافلہ سالار اور خدمت گار یکے بعد دیگرے اندر داخل ہوئے۔ صحن کے بالکل سامنے کشادہ برآمدے میں شمعیں روشن تھیں، اور یہ تینوں خانقاہ کے بوڑھے راہب کے پیچھے پیچھے برآمدے میں آئے۔

پھر برآمدے کے مغرب میں سب سے آخری دروازہ کُھلا اور سان کرسٹینا کے کلیسا کا پادری اپنے ہاتھ میں ایک شمع لئے مسکراتا ہُوا آگے بڑھا ــــــ وہ تھیوڈورا سے کچھ دُور ہی آکر رُک گیا۔ اور آہستہ آہستہ کہا:

"نوابزادی تھیوڈورا؟"

"جی ہاں!" تھیوڈورا نے پادری کا وقار ملحوظ رکھتے ہوئے کسی قدر جھک کر جواب دیا۔ تھیوڈورا کو یوں جھکتا ہُوا دیکھ کر پادری تیزی سے آگے بڑھا۔ اُس نے شمع سامنے پتھّر کی سِل پر رکھ دی۔ اور تھیوڈورا کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

"آپ میرے سامنے جھک کر مجھے شرمندہ نہ کریں، حقیقت میں آپ ایک ایسے جہاد کی علمبردار ہیں، جس میں عملی حصّہ لینا ہم ایسے تارک الدّنیا لوگوں کی قسمت میں نہیں۔"

تھیوڈورا نے مسکرا کر قافلہ سالار کو دیکھا۔ پادری نے پتّھر کی سِل پر رکھی ہوئی شمع اُٹھائی۔ اور ہاتھ کے اشارے سے تھیوڈورا کو مغربی کمرے کی طرف بڑھنے کو کہا۔ تھیوڈورا اور پادری ایک ساتھ آگے بڑھے۔ اور ان کے پیچھے قافلہ سالار اپنے خدمت گار کے ساتھ خانقاہ کا جائزہ لیتا ہُوا مغربی کمرے میں داخل ہُوا۔

کمرے میں کئی مومی شمعیں سونے اور چاندی کے شمعدانوں میں جل رہی تھیں۔ کمرہ اِس طرح سجا ہُوا تھا جیسے کسی نفاست پسند شہزادے کی خواب گاہ ہو ــــــ عین وسط میں پڑی ہوئی کشادہ آبنوسی میز کے کونوں پر تازہ اور مہکتے ہوئے پھولوں کے گلدستے بڑے قرینے سے رکھے تھے۔ جن سے منتشر ہونے والی بھینی بھینی خوشبو سے کمرہ

مہک رہا تھا۔

پادری نے شمع، شمعدان میں رکھ دی اور تھیوڈورا سے مخاطب ہو کر کہا:

"آپ منہ ہاتھ دھولیں! اس دوران میں مَیں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس وقت آپ کے کھانے کے لئے کیا بندوبست ہو سکتا ہے؟"

○

تھوڑی دیر بعد جب پادری مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تو سب سے پہلے اُس کی نظریں تھیوڈورا پر مرکوز ہو گئیں، اور پھر ایک حقارت آمیز تیزی کے ساتھ قافلہ سالار سے ہوتی ہوئی اُس کے خدمت گار پر آکر رُک گئیں۔ لمحہ بھر تک اس کھُردرے یونانی سپاہی کے حُلیئے کا جائزہ لینے کے بعد پادری نے آہستہ آہستہ اپنی نظریں دوبارہ قافلہ سالار کی طرف پھیریں۔ اس کے انداز سے یوں معلوم ہوتا تھا گویا وہ تھیوڈورا کے ساتھ قافلہ سالار کی موجودگی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ مگر قافلہ سالار کے تیور یہ بتا رہے تھے کہ وہ قیصر کی باقاعدہ فوج کا عہدیدار ہے۔ اور پھر اُس نے خدمت گار کی طرف رُخ پھیر کر کہا:

"تم ــــ یہاں سے تیسرے کمرے میں آرام کرو! تمہارا کھانا وُہیں پہنچ جائے گا۔"

تھیوڈورا اور قافلہ سالار نے تیزی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پادری سامنے دروازے کا اشارہ کرتے ہی تھیوڈورا اور قافلہ سالار کے آگے آگے بڑھا۔ یہ کمرہ نہ صرف پہلے سے کشادہ تھا بلکہ اُس سے کہیں زیادہ نفاست اور سلیقے سے سجا ہوا تھا۔ کئی شمعیں جھلملا رہی تھیں اور منقش چھت سے ایسا فانوس لٹک رہا تھا، جس کی چمکیلی نازک زنجیر سے شمعوں کی روشنی کوئی طلسمی کھیل کھیل رہی تھی۔ چمکدار ظروف کے علاوہ صراحیوں میں شراب بھی چمک رہی تھی۔ اس میز پر بھی کثرت سے گلدستے رکھے تھے اور سامنے

آتش دان میں دھڑ دھڑ آگ جل رہی تھی۔

اِس میز پر تین شخص پہلے ہی سے بیٹھے ہوئے تھے، جو پادری کے ساتھ مہمانوں کو دیکھ کر تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ پادری مہمانوں اور میز بانوں کے درمیان آ گیا۔ اور انہیں ایک دوسرے سے متعارف کرواتے ہوتے کہنے لگا:۔

"سان کرسٹینا کی قریبی بستی کے رئیس بدوگلس، سان کرسٹینا کے مبلغ اُستالیس اور ـــ اور ـــ" اُس نے تیسرے شخص کو بڑی خوب صُورتی سے نظر انداز کرتے ہوتے تھیوڈورا اور قافلہ سالار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا" نواب زادی تھیوڈورا اور ـــ اور ـــ!"

" زرزیویئر ـــ" قافلہ سالار نے پادری کی خاموشی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کہا۔ قیصرِ روم کے شاہی محافظ دستے کا اعزازی سردار اور اب نواب زادی تھیوڈورا کا محافظِ خاص!"

دوسرے اشخاص کے ساتھ ساتھ پادری بھی جھک گیا۔ مگر تھوڑی دیر پہلے اُس کے چہرے پر جو بے تکلف مسکراہٹ اور چھوٹی گول آنکھوں میں جس شرارت کی چمک نظر آتی تھی، یک دم معدُوم ہو گئی۔ اُس کی نظریں بڑی بے چینی کے ساتھ تھیوڈورا سے زرزیویئر اور زرزیویئر سے تھیوڈورا کے اِرد گرد گھوم رہی تھیں۔ ان آنکھوں نے تھیوڈورا کی ساری توجہ اپنی طرف ـــ اپنی پُر اسرار بے چینی کی طرف مبذول کر لی تھی۔

" بیٹھیئے ـــ!"

" بیٹھیئے!"

اور تھیوڈورا بیٹھ گئی۔

" کھائیئے!"

سب لوگ ایک دوسرے کا مُنہ تکنے لگے۔ اور سب سے پہلے زرزیویئر نے کھانے

میں ہاتھ ڈالا۔ وہ تھیوڈورا کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اور تھیوڈورا کے ساتھ پادری' جو شاید زرزیوئیر کی بے تکلفی پر دانت پیس رہا تھا۔ زرزیوئیر نے ایک پلیٹ تھیوڈورا کی طرف بھی بڑھائی اور کھانا کھاتے ہوئے کہا :

"کھائیے اور خوب کھائیے ! آپ تو جانتی ہی ہیں مجھے ایسا عمدہ کھانا کئی دنوں کے بعد نصیب ہوا ہے۔"

کھانا خاموشی کے ساتھ ختم ہوا۔ البتہ میزبانوں کی نگاہیں بڑی مصروف رہیں۔ اور ان نگاہوں کی یہ مصروفیت تھیوڈورا کو بڑی پُراسرار معلوم ہوئی مگر اُسے اپنے پہلو میں زرزیوئیر کے مانوس چہرے کی موجودگی سے کسی قدر اطمینان تھا ـــــ زرزیوئیر نے جس طرح کھانے میں سبقت کی تھی، بالکل اُسی طرح سب سے پہلے فارغ ہو گیا۔ کھانے سے ہاتھ اُٹھانے سے کچھ لمحے پیشتر اُس کی نگاہیں صراحی کے ارد گرد طواف کرنے لگی تھیں اور کھانے کے بعد صرف لمحہ بھر کے لئے خاموش ہو کر ادھر اُدھر دیکھا اور پھر صُراحی کی طرف جھکتے ہوئے معذرت کے انداز میں مُسکرا کر بولا :

گو ہمارے ہاں خانقاہ میں شراب پینے کا رواج نہیں ہے، مگر میں اب اِس بد تہذیبی کو گوارا کرتا ہوں۔ قسطنطنیہ واپس پہنچ کر میرا سب سے پہلا کام یہ ہوگا کہ اپنے اِس فرسُودہ رواج میں ترمیم کرنے کے لئے آواز اُٹھاؤں۔ مجھے یقین ہے کہ خانقاہ میں پینے سے شراب کا نشہ کچھ اَور ہی رنگ لاتا ہوگا۔"

زرزیوئیر کو شراب پر یوں بے صبری سے جھپٹتا دیکھ کر سان کرسٹینا کی بستی کا رئیس مسکرایا جس کی تائید میں پادری کو بھی میزبان کی حیثیت سے مُسکرانا پڑا۔ مگر اس مسکراہٹ میں رنج اور نفرت دیوانگی کے عالم میں ناچتی نظر آ رہی تھی۔ یہ نوجوان رئیس بھی تیزی سے زرزیوئیر کا ہم پیالہ بن گیا۔ نظر یہ آتا تھا گویا یہ شخص خانقاہ میں آیا ہی شراب پینے کے لئے تھا۔ آہستہ آہستہ پادری اور اُس کے ساتھ دوسرا شخص بھی شراب نوشی میں شریک

ہو گئے، اور تھیوڈورا اس میز سے اُٹھ کر آتشدان کے قریب آکر کھڑی ہو گئی۔ آتشدان کے بائیں ہاتھ تھیوڈورا کے بالکل سامنے ایک چھوٹا سا جھروکہ تھا جس میں سان کرسٹینا کی خانقاہ کا صلیب نما مینار نظر آ رہا تھا، جسے سرما کی چاندنی نے بالکل نکھار دیا تھا۔ مینار اور صلیب کے درمیانی کونے کے اُوپر چاند چمک رہا تھا۔ تھیوڈورا ایک بالکل نئی اور غیر مانوس دنیا میں کھو چکی تھی۔ اجنبی —— اَن دیکھے خیالات کی دُنیا میں۔

ستارہ کی بیس سالہ نواب زادی جس نے آج تک اپنے محل سے باہر قدم نہ نکالا تھا، اس وقت قسطنطنیہ اور آدرنہ سے دُور ایک بالکل گمنام خانقاہ میں —— اجنبیوں میں رات بسر کرنے آئی تھی، اور اُس نے یہ سفر —— خاص مقصد کے لئے شروع کیا تھا —— مسیحؑ کے نام کی عظمت کے لئے، صلیب کی سربلندی کے لئے —— !

اور سامنے مینار کی چوٹی پر بنی ہوئی صلیب جسے چاند چُومنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ تھیوڈورا کے حوصلوں کو بلندی کا رستہ دکھا رہی تھی —— اس کے عقب میں صراحی سے جام ٹکرانے، شرابیوں کی لاف زنی اور بے وجہ قہقہے اُسے بہکانے لگے تھے۔

○

اچانک تھیوڈورا کو ایسا محسوس ہونے لگا، گویا لڑکیوں کے گستاخ —— ہوس آمیز قہقہے اس کے آسودہ ذہن پر ہتھوڑوں کی طرح اک دم برسنے لگے ہوں۔ اُس نے مُڑ کر دیکھا۔ قریبی بستی کی آٹھ نوجوان لڑکیاں میز کے گرد گھوم کر تتلیوں کی طرح ہر شخص کے سامنے اُڑنے لگیں۔ نرونرپویٹر کے علاوہ نوجوان نوئیس خصوصیت کے ساتھ ان تتلیوں کی توجہ کا مرکز بنے ہوتے تھے۔ اور اگرچہ پادری کی پیاسی نظریں بھی چیکنے اور ان عورتوں کا طواف کرنے لگی تھیں۔ مگر پادری اُنہیں نظر نہ آتا تھا، یا پھر —— وہ جان بُوجھ

کر اُسے نظر انداز کر رہی تھیں۔

یہ لڑکیاں تھیوڈورا کو دیکھ کر کچھ جھینپ سی گئیں۔ مگر جلد ہی اُنہوں نے اُس کی مداخلت کو برداشت کر لیا ــــ وہ ایک خاص انداز کے ساتھ مردوں کے سامنے پڑے ہوئے جام اُٹھانے لگیں۔ اُنہیں بار بار اپنے ہونٹوں سے لگاتیں اور ہلکی ہلکی جرعہ نوشی کے عالم میں وہ اس طرح میز کے ارد گرد حرکتیں کرتیں جیسے مخصوص دیہاتی ناچ، ناچ رہی ہوں۔ کبھی کبھی وہ یہ جام اپنے قریبی مردوں کے ہونٹوں سے بھی لگا دیتیں اور جب خالی ہو جاتے تو اُنہیں دوبارہ بھر کر پھر سے چکّر لگانا شروع کر دیتیں۔

پادری اِن مسکراتی، ہنستی کھیلتی نوجوان لڑکیوں کے نرغے میں تھیوڈورا کو بالکل بھول چکا تھا اور وہ ان سب سے الگ ایک نورانی پیکر کی طرح، کسی سیمیں مجسّمے کی صورت، خاموش بیٹھی تھی ــــ رقص کرتی، جھومتی اور لڑکھڑاتی لڑکیوں کا یہ غول اچانک تھیوڈورا کے سامنے جا پہنچا ــــ تھیوڈورا نے اُن کی طرف حقارت سے دیکھا لیکن وہاں نظروں کی زبان سمجھنے کا ہوش ہی کِسے تھا۔ وہ سب اُسے گھورتی ہوئی کھلکھلانے لگیں۔ پھر ایک نے کسی قدر زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے کہا:

"اری! کوئی اِس بیچاری کا ہاتھ بھی کھینچ لے۔"

"شاید اُسے یہاں ایسا کوئی ہاتھ نظر نہیں آتا۔"

ایک اور قہقہہ بلند ہوا ــــ جس کی صدائے بازگشت میں تھیوڈورا اِس کمرے سے باہر نکل گئی، اور جیسے پادری کو بھی اچانک اُس کا خیال آیا۔ اُس نے اُس کے پیچھے باہر جانے کی کوشش کی۔ مگر زرینہ پوئیر نے تین لڑکیوں کے ساتھ دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر پادری کو باہر نکلنے سے روک دیا۔ اور ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ باہر جانے کے لئے کونسا راستہ اختیار کیا جا سکتا ہے کہ سان کرسٹینا کا رئیس ــــ جس

کی زبان ٹانگوں سے زیادہ لڑکھڑا رہی تھی۔ وہ لڑکیوں کے نرغے میں پادری کے پاس آیا اور بولا :

" جانِ من —— ! ایسی بھی کیا بیقراری ہے۔ جس وقت ہم آج رات کے جشن کی تفصیلات کا جائزہ لے رہے تھے۔ اُس وقت سان کرسٹینا کی دُنیا پر نواب زادی کا سایہ نہ پڑا تھا۔ اور اب بھی یہی تصور کر لیا —— گویا تھیوڈورا ابھی تک سان کرسٹینا نہیں پہنچی۔ مقدس باپ —— ! کیا آپ کے نزدیک اِن آٹھ لڑکیوں میں سے ایک بھی ایسی نہیں جو نواب زادی کی کمی پوری کر سکے ؟ "

○

تھیوڈورا کو سکون کی بے حد ضرورت تھی۔ وہ باہر نکلی۔ چاند پہاڑیوں کے پیچھے چھُپ جانے کی جدوجہد میں مصروف تھا۔ سان کرسٹینا کی خانقاہ کے باہر ساری دنیا سکوت کی گود میں آرام کر رہی تھی —— وہ اِس دُنیا سے بالکل ناآشنا تھی۔

وہ خانقاہ کے اُس مخصوص کمرے میں جانا چاہتی تھی جہاں مشرقِ یورپ کا نامور درویش کرسٹینا ابدی نیند سو رہا تھا۔ مگر وہ راستوں سے واقف نہ تھی۔ اور جب سکون کی تلاش میں بالکل مایوس ہوگئی تو تھکاوٹ نے اس پر غلبہ پا لیا۔ اُس کی آنکھیں بوجھل ہوگئیں اور وہ خانقاہ کے اُس مغربی کمرے میں آگئی، جہاں سب سے پہلے پادری اُسے لے آیا تھا۔

یہاں صرف ایک بستر بچھا ہُوا تھا۔ لازمی طور پر یہ سان کرسٹینا کے اُس پادری کا بستر تھا، جس کی گول گول آنکھیں تھیوڈورا کے تصورات کی دنیا میں چمک رہی تھیں —— اُسے ان آنکھوں سے خوف آنے لگا تھا۔

وہ مزید صبر نہ کر سکتی تھی۔ نیند نے اُس پر بھرپور حملہ کر دیا تھا۔ اُس نے اپنی طرف سے

پوری احتیاط کے ساتھ کمرے کی ہر ایک کھڑکی اور دروازے بند کئے اور بستر پر گر گئی۔

اب اُس نے سو جانے کی ہزار کوشش کی۔ مگر اُسے معلوم ہُوا کہ تھکاوٹ کے باوجود وہ سو نہیں سکتی — تھیوڈورا کی خاموشی اور ساتھ والے کمرے کے ہنگاموں کے درمیان صرف ایک دیوار حائل تھی، جو شرابیوں کے قہقہوں، بے ترتیب ناچنے والے قدموں اور صراحیوں کے ساتھ جاموں کے ٹکرانے کی آواز سے لرز سی رہی تھی۔

وہ بڑی سنجیدگی سے سوچنے لگی — جو قوم کلیساؤں میں ایسے ایسے کام کر سکتی ہے، وہ — اپنے حجروں اور خلوتوں میں کیا کچھ نہ کر گزرتی ہو گی!

اسلامی یلغار کے ختم نہ ہونے والے سلسلوں کی صُورت، جو مستقل عذاب یورپ پر نازل ہُوا تھا — آج، پہلی بار اُس کے حقیقی اسباب ایک ایک کر کے تھیوڈورا کے سامنے آ گئے۔

— اُسے بوڑھے پادری سے نوجوان عورت اور قیصر روم سے ایک عام سپاہی تک ہر ایک مسیحی اپنے اصلی خد و خال کے ساتھ نظر آنے لگا۔ ہنیاڑی، کارڈینل جولین اور قیصر روم — سبھی ہوس و اقتدار کی اسی ایک کشتی کے مسافر تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ کسی کے ہاتھ میں چپّو تھے اور کسی کے ہاتھ میں ساغر — اور اس کشتی میں تھیوڈورا کی جگہ کہاں تھی؟

نیم خوابی یا نیم بیداری کے اِس لطیف عالم میں اُسے اچانک کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اُس نے اپنی آنکھیں کھولیں — سامنے سان کرسٹینا کا پادری اپنی چھوٹی چھوٹی گول چمکتی آنکھوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ شاید وہ کسی چور دروازے سے آ گیا تھا۔ تھیوڈورا ڈر کر اُٹھ بیٹھی۔ پادری اپنے ایک ہاتھ میں شراب سے چھلکتا ہُوا جام اور دوسرے میں قریب قریب خالی صُراحی لئے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"یہ میری مہمان نوازی کی روایات کے خلاف تھا کہ تمہیں بعض دوسرے بے تکلف دوستوں کی موجودگی میں بالکل نظر انداز کر دیتا۔ میں اس وقت تمہیں یہ چند گھونٹ — جن کا ایک ایک قطرہ آبِ حیات کی حیثیت رکھتا ہے — پیش نہ کر سکا۔ اگر کرتا بھی تو وہ حریص مہمان مجھے ایسا نہ کرنے دیتے۔ بہر حال تمہارا حصّہ بڑی مشکل سے بچا لیا گیا۔ اُٹھو!
اُس نے جام تھیوڈورا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: "اِسے پی لو — مَیں دیکھ رہا ہوں کہ تم آج تک اس لذّت سے جان بُوجھ کر محرُوم رکھی گئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ تمہاری اندرونی روشنی اس شمع کی طرح مدھم ہوتی چلی جا رہی ہے جس کا تیل ختم ہو جانے کے بعد صرف فتیلہ جلتا رہتا ہے۔"

تھیوڈورا نے خوفزدہ ہو کر چیخنے کی کوشش کی۔ مگر اُس کے اعضا کی طرح اُس کی آواز بھی شل ہو گئی تھی۔ پادری نے اصرار کرتے ہوئے کہا:

"دوشیزۂ بلقان! ڈرو نہیں۔ ان چند قطروں سے اپنے شعور کو جگا لو، تاکہ میں تمہیں جو کچھ بتانے والا ہوں، اُسے سُن اور سمجھ سکو — میں تمہیں اُن خطرات سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں جو آدرنہ میں اس طرح تمہارا انتظار کر رہے ہیں، جیسے دریا کے کنارے چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں میں راستوں سے ناواقف مُسافر کی انتظار میں مگرمچھ۔ تمہارا حُسن و شباب تمہاری سادگی و ناتجربہ کاری، تمہارا خلوص و ایثار مجھے مجبُور کر رہا ہے کہ تمہیں تباہی کی دلدل سے نکال کر سلامتی کی شاہراہ پر لے آؤں۔

سلطان مُراد، پاپائے روم اور قیصر مینوئل اگرچہ ہماری طرح انسان ہیں مگر اُن کے مسائل ہم سے بہت مختلف ہیں۔ اُنہیں اپنے مسائل خود سلجھانے کا موقعہ دو! اگر وہ سلجھ گئے تو بھی، اور نہ سلجھے تو بھی — ہم بہر حال زندہ رہیں گے اور اگر تمہیں قیصرِ روم کے محافظ دستے کے سردار (جو اس وقت تمہارا نام نہاد محافظ بنا ہوا ہے) کی بذاتِ خود قیصرِ مینوئل، کارڈینل جولین یا پاپائے روم — میں سے کسی ایک کا خطرہ بھی دامنگیر

ہو، تو اپنے دل سے اِس اندیشے کو نکال دو۔ تم صرف جرأت کر کے میرا ہاتھ تھام لو!
اور پھر دیکھو! میں تمہیں کہاں سے کہاں پہنچا دیتا ہوں۔"

تھیوڈورا ایک لفظ بھی مُنہ سے نہ بول سکی۔ وہ ٹکٹکی باندھ کر پادری کو دیکھتی رہی
جو سکوت، خلوت، شراب اور تھیوڈورا کی قربت کے غیر متوقع احساس سے خوفزدہ ہو کر
ہانپ رہا تھا اور وہ محسوس کرنے لگی، جیسے پادری کے ہاتھ کانپ رہے ہیں، جام چھلک
رہا ہے اور شراب نیچے گر رہی ہے۔ یہ دیکھ کر اُسے جرأت ہوئی اور کہنے لگی:

"میں سان کرسٹینا کے مقبرے میں جانا چاہتی ہوں!"

پادری مداری کے معمول کی طرح اُس کے سامنے جھک گیا ــــ تھیوڈورا اُٹھی۔
اُس نے شال لپیٹی اور پادری کے ساتھ باہر نکل گئی۔

مقبرے میں پہنچ کر تھیوڈورا اپنے آپ کو محفوظ سمجھنے لگی۔ وہ قبر کے ساتھ ہی
لگ کر بیٹھ گئی، اور پادری اُس کے قریب کھڑا ابھی تک کانپ رہا تھا۔ اُس نے اپنی
نظریں اُٹھائیں، پادری کو دیکھا اور کہا:ــــ

"مقدس باپ! میں چاہتی ہوں کہ اب آپ اپنے وہ کلمات دُہرائیں، جن کا
ایک ایک لفظ میرے ذہن کے پردوں پر مرتسم ہو چکا ہے۔"

پادری خاموش رہا۔ شاید وہ بولنے کے لیے مناسب الفاظ ڈھونڈ رہا تھا ــــ
تھیوڈورا کی نظریں گرم نشتروں کی طرح اُس کے رگ و پے میں پیوست ہو رہی تھیں۔
آہستہ آہستہ پادری کے چہرے پر مسکراہٹ کا رنگ چمکا۔ اور اس نے
کہا:ــــ

"مرحبا! دوشیزۂ بلقانی مرحبا!! میں تمہاری جرأت، استقلال اور اولوالعزمی
کی داد دیتا ہوں۔ میں نہ صرف قیصر منوئیل اور کارڈینل جولین کو اس بے نظیر انتخاب پر
سچے دل سے ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں، بلکہ تمہاری ذات پر بھی ناز کرتا ہوں ــــ

میں اس سرزمین پر فخر کرتا ہوں جہاں تم پروان چڑھیں۔ میں اُس ماں کو عقیدت سے سلام کرتا ہوں جس نے تمہیں دُودھ پلایا ــــ آج میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ نہ صرف بلقان بلکہ سارا یورپ ترکوں کے عذاب سے محفوظ ہو گیا اور جو قوم تم ایسی بیٹیاں پیدا کر سکتی ہے اس پر کبھی تباہی نازل نہیں ہو سکتی ــــ میں تو تمہارا امتحان لے رہا تھا ــــ

تھیوڈورا ــــ! میری بچّی!! تم نے جو اہم ذمّہ داری قبول کی ہے، وہ تم سے بےمثال قربانیوں کی متقاضی ہے۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ اگر تم اسی طرح ثابت قدم رہیں تو تمہیں ابدی فتح نصیب ہو گی۔"

تھیوڈورا اپنی نفرت آمیز مسکراہٹ نہ چھپا سکی۔ اُس نے پادری کو غور سے دیکھا جس کی آنکھوں میں ابھی تک شیطانی جذبہ کروٹیں لے رہا تھا۔ وہ سوچنے لگی: ایسے مکّار اور ڈھیٹ انسان کا آخر وہ کیا بگاڑ سکتی ہے؟

○

اُس نے کلیسا میں بیٹھے بیٹھے ہی یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ ــــ سان کرسٹینا میں دوسری رات نہیں آنے دے گی بلکہ صبح ہوتے ہی یہاں سے روانہ ہو جائے گی ــــ

اور جب اُس نے ناشتے پر زرزویئر کو اپنے اِس ارادے سے آگاہ کیا، تو وہ حیران رہ گیا ــــ کئی دنوں کے مسلسل سفر کے بعد اب اُنہیں آرام کا موقعہ مِلا تھا۔ اور پھر سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ تھی کہ سان کرسٹینا کا رئیس آج رات بھی ان آٹھ برق پاش لڑکیوں سمیت خانقاہ میں آنے کا وعدہ کر چکا تھا۔ پادری نے بھی رسمی طور پر تھیوڈورا کو چند دن اور یہاں آرام کرنے کا مشورہ دیا مگر وہ تھیوڈورا سے

آنکھیں نہ ملا سکا، دراصل وہ تو یہی چاہتا تھا کہ تھیوڈورا اب کسی طرح یہاں سے چلی جائے۔ کیونکہ اس کی موجودگی میں وہ جس قسم کی ندامت اور عذاب برداشت کر رہا تھا، اُس سے نجات کی واحد صورت یہی تھی کہ اُسے یہاں سے جلد سے جلد رخصت کر دیا جائے۔ اور جب تھیوڈورا نے پادری کی یہ دعوت رد کر دی تو اُس نے زرزیوئیر سے مخاطب ہو کر کہا:

"اگر آپ یہاں سے جانا ہی چاہتے ہیں تو میرے اس دوستانہ مشورے پر ضرور توجہ دیں کہ آپ یہاں سے آدرنہ تک عام دیہاتی شہریوں کے لباس میں جائیں!"

"کیوں؟" زرزیوئیر نے پوچھا۔

"اس لئے کہ سرحدی علاقوں کے یونانی عام طور پر آدرنہ کی طرف ہجرت کر رہے ہیں اور ترک خندہ پیشانی سے ایسے مہاجرین کو اپنی سلطنت میں آباد ہونے کی سہولتیں اور مراعات دیتے ہیں —— اگر آپ کو بھی کوئی ایسا مہاجر قافلہ راستے میں مل جائے تو آپ آدرنہ کے سرحدی کلیسا تک کسی خوف و خطرے کے بغیر جا سکتے ہیں۔ اس طرح آدرنہ پہنچنے سے پہلے پہلے عثمانیوں کو نواب زادی کی آمد کا علم بھی نہ ہو سکے گا!"

تھیوڈورا پادری کی یہ بات سُن کر اپنی حیرت و اشتیاق نہ چھپا سکی۔ وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ کیسے یونانی ہیں، جو خود بخود ہجرت کر کے دشمن قوم اور دشمن ملک میں آباد ہوتے ہیں مگر وہ چُپ رہی۔ لیکن زرزیوئیر خاموش نہ رہ سکا۔ اُس نے پوچھ ہی لیا:——

"اِس کی وجہ؟"

"وجہ؟" پادری نے ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا "کئی باتیں ہیں اور

بڑی ہی افسوسناک، مختصر یہ کہ مسیحی اب سچے مسیحی نہیں رہے، وہ خود غرض اور نفس پرست ہو گئے ہیں۔ انہیں قومی اور مذہبی مفاد کا ہرگز کوئی خیال نہیں۔ اُنہیں اپنی ذاتی آسُودگی سے غرض ہے اور وہ اپنی یہ غرض پُوری کرنے کے لئے قوم اور وطن فروشی جیسی ذلیل حرکت بھی کر گزرتے ہیں۔"

پادری نے دو ایک بار تھیوڈورا کی طرف دیکھنے کی کوشش کی، مگر اُس کی نظریں راستے ہی سے بھٹک بھٹک کر واپس آتی رہیں۔ تھیوڈورا کہنا تو چاہتی تھی کہ بدنصیبی سے جس قوم کو تم ایسے پادریوں اور راہبوں سے واسطہ ہو۔ ان سے اعلیٰ اخلاقی اور مذہبی اقدار کی کیا توقع کی جا سکتی ہے؟ اور اگر اسے موقعہ ملتا تو شاید وہ یہ کہہ بھی دیتی، مگر زرزیوئیر پادری سے کہہ رہا تھا:-

"اِس کی کوئی اور وجہ ہوگی مقدّس باپ! یونانی ابھی اس قدر نہیں گرے۔ کہ محض ذاتی آسُودگی اور خود غرضی کے لئے قوم اور وطن کا سودا کر دیں، یہ بھی عین ممکن ہے کہ جو لوگ سلطنتِ عثمانی کی طرف ہجرت کر رہے ہیں، وہ یونانی نہ ہوں بلکہ وہ قومیں اور قبیلے ہوں جو آج تک یونانیوں کے لئے کھیتی باڑی اور محنت مزدوری کرتے رہے ہیں۔"

"بالکل! بالکل!!" پادری نے کہا "خدا یونانیوں کو اس قدر ذلیل و رُسوا نہ کرے کہ وہ اپنے آبائی وطن چھوڑ کر مسلمانوں کے ملک میں پناہ لیں۔"

"یونانی ہوں یا بلقانی۔" تھیوڈورا نے گفتگو ختم کرتے ہوئے کہا ـــــ "مسیحی اور مسیحیوں کا رضاکارانہ طور پر عثمانی پرچم کے سائے میں زندگی بسر کرنا ایک ایسا تاریخی واقعہ ہے جس کی تہہ تک پہنچنا آپ ایسے بزرگوں کا کام ہے۔ نہ صرف اس واقعے کی تہہ تک پہنچنا، بلکہ ایسی شرمناک ہجرت کا تدارک کرنا بھی آپ کے فرائض میں شامل ہے۔"

پادری کا سر جھک گیا، وہ اپنی خفت مٹانے کے لئے تیزی سے کھڑا ہو گیا۔ اور قریبی کمرے کی طرف جاتے ہوئے بولا:

"میں آپ کے لئے موزوں لباس کا بندوبست کرتا ہوں۔ اگر آپ کو یہاں سے روانہ ہی ہونا ہے، تو پھر وقت ضائع نہ کریں"

○

زرزیوئیر کو سان کرسٹینا چھوڑنے کا بڑا دُکھ تھا۔ اُس کی آنکھوں میں گذشتہ رات کا جشنِ رقص و مے نوشی سمایا ہُوا تھا۔ ایک ایک لڑکی اُس کے سامنے تھی۔ اُن کی باتیں، اُن کے قہقہے، اُن کے الطاف و اکرام، اُن کی محبّت و خود سپردگی ـــ زرزیوئیر آخر کس کس بات کی تعریف کرتا؟"

تھیوڈورا تھی کہ اپنی دُھن میں مست تھی ـــ زرزیوئیر بعض اوقات جذبات کی شدّت سے بہک کر تھیوڈورا کے کندھے سے کندھا ملا دیتا۔ تھیوڈورا چونک سی پڑتی اور وہ یا تو گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس سے آگے نکل جاتی یا پیچھے رہ جاتی ـــ زرزیوئیر اپنی حماقت اور بداخلاقی محسُوس کر کے شرمندہ ہو جاتا، اور پھر وہی خواب دیکھنے لگتا ـــ ایسے خشک، طویل اور خوفناک سفر میں تھیوڈورا کی موجودگی کا احساس اُسے نئی اُمنگوں اور نئی زندگی سے متعارف کروا رہا تھا، مگر تھیوڈورا کی خاموشی، سرد مہری اور بے اعتنائی اسے بار بار سان کرسٹینا کے کلیسا میں لے جاتی۔

دوپہر کے قریب وہ پہاڑی ڈھلوان کو اپنے پیچھے چھوڑ کر ایسی وادی میں آ گئے، جہاں سڑک کے ساتھ ساتھ بہتی ہوئی ندی کافی حد تک اپنی تندی اور تیزی سے محروم ہو چکی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف پانچ پانچ سات سات میلوں پر چھوٹی موٹی بستیاں نظر آ جاتیں اور جس چیز نے تھیوڈورا کے خیالات کا رُخ دُوسری طرف موڑ دیا وہ یہ تھی کہ

کسان کھیتوں میں تو تھے مگر وہ ایسے مُسافر نظر آتے تھے جو تھک کر آرام کرنے کے لئے بیٹھ گئے ہوں۔

سڑک اور ندّی کے بالکل کنارے بلوط کے ایک بہت پُرانے اور تناور درخت کے نیچے چند کسان آرام کر رہے تھے۔ ان میں دو ایک تندرست اور جوان عورتیں بھی تھیں۔ زرزیویئر تھیوڈورا کی خاموشی سے تنگ آگیا تھا۔ وہ اُن لوگوں کی طرف مڑا اور تھیوڈورا سے کہا:۔

"میں تو کچھ دیر یہاں آرام کروں گا۔"

تھیوڈورا بھی تھک چکی تھی۔ تینوں سوار جو اس وقت عام یونانی دیہاتیوں کے لباس میں تھے، اِن کسانوں کے قریب گھوڑوں سے اُتر پڑے۔ زرزیویئر نے اپنا اور تھیوڈورا کا گھوڑا درخت سے باندھ دیا، اور کسانوں سے ذرا دُور ہٹ کر سبزہ زار پر بیٹھ گئے۔ زرزیویئر کے اشارے پر ایک نوعمر لڑکے نے مُسافروں کو پانی پلایا۔ ایک معمّر کسان نے کھانے کے لئے بھی پوچھا جس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے زرزیویئر نے جواب دیا کہ کھانا اُن کے پاس موجود ہے۔ اور جب تھیوڈورا کھانا دسترخوان پر چُننے لگی تو اُس نے ان کسانوں کو بھی شامل ہونے کی دعوت دی جس کے جواب میں ہر ایک شخص نے مسکرا کر اُن کا شکریہ ادا کیا۔ اور یہ تینوں مُسافر کھانے میں مصروف ہو گئے۔

کھانے کے دوران تھیوڈورا ہر ایک کسان کے چہرے مُہرے، گفتار و کردار اور انداز و اطوار کا مشاہدہ کرتی رہی۔ یہ لوگ بے حد مسرُور دکھائی دے رہے تھے۔ بائیں ہاتھ پر بیٹھا ایک بوڑھا کسان کہہ رہا تھا:۔

"شکر ہے کہ یہ مُسافر سرکاری ہرکارے نہیں۔"

دوسرا رازدارانہ لہجے میں بولا: ــــــ

"ہماری زندگی میں تو آج تک یہی ہوتا رہا ہے کہ یا تو اس شاہراہ پر قافلے سفر کرتے، جن کی تعداد لازمی طور پر پچاس ساٹھ مسافروں سے زیادہ ہوتی تھی۔ یا سرکاری ہرکارے، عہدیدار اور یونانی افسر، جو صرف ٹیکس یا مالیہ وصول کرنے آتے تھے، ایسے لوگوں کے لئے کسی موسم، وقت یا موقع کی قید نہ ہوتی، بلکہ بعض اوقات وہ اچانک راتوں رات آجاتے اور جس شخص کے پاس جو کچھ ہوتا، لے کر راتوں رات واپس چلے جاتے، اور یہ معلوم کرنا دشوار ہو جاتا کہ آنے والے قیصرِ روم کی طرف سے آئے تھے یا ڈاکو تھے۔"

زرزیوتیر دیہاتی عورتوں سے مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہا تھا، اور اس کا خدمتگار کھانے سے فارغ ہوتے ہی اُونگھنے لگا تھا۔ تھیوڈورا ان کی یہ باتیں برداشت نہ کر سکی۔ اُس نے سلسلۂ کلام شروع کرتے ہوئے ایک بوڑھے یونانی کاشت کار سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"آپ لوگ کس ملک کی باتیں کر رہے ہیں؟"

"جس طرف تم جا رہے ہو!"

بوڑھے کسان کے اس برملا اور برمحل جواب نے تھیوڈورا کو حیران کر دیا۔۔۔ اُس نے کہا:۔۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"جہاں تمہارے سینکڑوں بھائی ہر سال چلے جاتے ہیں!"

"کہاں؟"۔۔۔ تھیوڈورا کی آواز میں حیرت و اشتیاق کے عنصر آسانی سے محسوس کئے جا سکتے تھے۔

"تم گھبراتی کیوں ہو؟" بوڑھے کسان نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔۔۔ ہم میں کوئی ایسا ذلیل انسان نہیں، جو قیصرِ روم کا جاسوس ہو، اور تم اس وقت ان

کتوں کی دسترس سے دُور ہو جو بے گناہوں کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ جس قدر یونانی اپنے آبائی گھر چھوڑ کر ترکی گئے ہیں، ان کے قافلے اسی راستے سے گئے ہیں، اور ہم نے ہر ایک کو دُعاؤں کے ساتھ رخصت کیا ہے۔ خود ہم بھی بہت جلد یہاں سے جانے والے ہیں۔"

تھیوڈورا اُس کو یہ بھی نہ بتا سکی کہ ہم ان ذلیل لوگوں میں سے نہیں ہیں جو صلیب کے مقابلے میں عثمانی پرچم کے سائے کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ اس سے یہ بھی نہ پوچھ سکی کہ آخر یونانی ـــــ ترکی کی طرف ہجرت کیوں کر رہے ہیں ؟ البتہ وہ، یہ ضرور سوچنے لگی کہ اِس ہجرت کی وجہ کیا ہے ـــــ!!"

بوڑھے نے تھیوڈورا کی خاموشی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کہا ـــــ" خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اِس جہنم سے نکل کر بہشت کی طرف جا رہے ہیں۔ ہماری نسلیں تو گزشتہ دو سو سال سے یہاں ایسی المناک زندگی بسر کرتی رہی ہیں جس کے تصوّر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔"

" مثلاً ؟" تھیوڈورا نے مسکرا کر پوچھا۔

" مثلاً ـــــ مثلاً کیا ؟ کس کس بات کو یاد کیا جائے۔ اب تو نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ کھیتوں کے لئے بیج بھی ہمارے پاس نہیں رہا۔"

" کیوں ؟"

" کیوں ؟" اس نے تھیوڈورا کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا ـــــ " قیصر نے ترکوں سے ختم نہ ہونے والی جنگ کا جو سلسلہ شروع کیا، اُس کے نتیجے میں ہم تو لُٹ گئے۔ ہم دانے دانے کو ترس گئے۔ ہمارے مویشی، ہمارے زیورات، ہمارے پہننے کے کپڑے تک چھین لئے گئے۔ دیکھئے اب جنگ کے اخراجات کیسے پورے ہوتے ہیں۔

ہمیں یقین ہے کہ قیصر نے اپنے افسروں کو یہ حکم نہ دیا ہوگا، مگر جہاں حاکم اپنی رعایا سے بیدردی کے ساتھ مال و دولت سمیٹنا شروع کر دے، وہاں اپنے آپ ایسے افسر پیدا ہوجاتے ہیں جنہیں ذاتی لالچ بھی ہوتا ہے۔ جب بھی ایسا نظام جاری ہوجائے تو پھر داد و فریاد کے امکانات ختم ہو جاتے ہیں، اور رعایا کو عام حکمرانوں سے ہمدردی باقی نہیں رہتی۔ ہم یہ سوچتے ہیں کہ آخر ترکوں نے ہمارا کیا بگاڑا ہے۔ قیصرِ روم اور سلطانِ ترکی کی جنگ سے ہمیں کیا؟ ہمیں تو امن اور انصاف چاہیئے، جو قیصر کی سلطنت میں کہیں نظر نہیں آتا۔"

ایک جوان عمر کسان نے جو بھیوڈورا کے قریب بیٹھا تھا، سامنے چٹیل میدان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:۔

"آج سے صرف پچاس سال پہلے یہ کھیت سونے کی کانیں تھے۔ اور ان کی آمدنی سے نہ صرف قیصر کے خزانے بھرے رہتے تھے، بلکہ خود ہمارے گھروں میں بھی دولت کی کمی نہ تھی۔ ہر طرف آسودگی اور خوشحالی تھی، اور پھر جیسے اچانک کسی کی نظر لگ گئی۔ جہاں سال کے سال مالیہ لیا جاتا تھا، وہاں ہر تیسرے مہینے ہرکارے ٹیکس وصول کرنے آجاتے۔ رفتہ رفتہ یہ وقفہ کم ہوتا چلا گیا اور افسروں کے ظلم و ستم بڑھتے گئے۔ ذرا ذرا سی بات پر پکی ہوئی فصلیں جلا دی گئیں۔ گھر مسمار کروائے گئے۔ انسان ذبح کر دئیے گئے اور عورتوں کی عصمتیں لوٹی گئیں۔ ستم بالائے ستم یہ کہ آواز اٹھانا ایسا سنگین جرم قرار دے دیا گیا جس کی سزا کے تصور سے بڑے بڑے بہادروں کے پتے پانی ہوجاتے ہیں۔ مجبوراً اپنی جان اور عزت بچانے کے لئے یونانیوں نے عثمانی سرحدیں پار کرلیں۔ صرف یہ سوچ کر کہ اگر مرنا ہی ہے تو ایسی المناک موت کیوں مرا جائے اور سرحد کے اس پار تو دنیا ہی کچھ اور ہے۔

قدم قدم پر سرائیں اور مہمان خانے ہیں جہاں مسافروں کے جان و مال کی حفاظت

کے لئے مسلح پولیس تعینات ہے۔ معصوم بچّے سونا اُچھالتے ہوئے جائیں کوئی اُن کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔ بھوکوں کو کھانا، ننگوں کو کپڑا اور بیماروں کو سرکاری خرچ پر دوائیں دی جاتی ہیں۔ ایسے سینکڑوں مدرسے ہیں جہاں بچّوں کو مذہب و عقیدہ، رنگ و نور کا امتیاز کئے بغیر ادبی، اخلاقی، طبّی، تجارتی، صنعتی اور سپہ گری کی مفت تعلیم دی جاتی ہے، کاشت کاروں کو زمینیں، مکان اور ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ سلطان کے مقرر کئے ہوئے مالیہ کے سوا جو فصل کی مالیت کے ـــــــ تناسب سے لگایا جاتا ہے ـــــ اور کسی قسم کا ٹیکس نہیں لیا جاتا ــــ سلطان خود اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ کوئی افسر کسانوں میں خوف و ہراس نہ پھیلائے۔"

"تم خود ہی بتاؤ!" بوڑھے کسان نے تھیوڈورا سے مخاطب ہو کر کہا ـــ "ایسے مسلمان سلطان کے سائے میں رہنا اچھا ہے یا اس رومی قیصر کی سلطنت میں جس کا ایک معمولی سے معمولی ہرکارہ بھی اپنے آپ کو قیصر سمجھتا ہے؟"

زدزیویئر اب کسان عورتوں سے اُکتا کر تھیوڈورا کے ساتھ بوڑھے اور نوجوان کسانوں میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ اگرچہ کسانوں کو اس بات کا یقین تھا کہ تھیوڈورا زدزیویئر اور اس کا خدمتگار ـــ تینوں عام یونانی شہری ہیں۔ مگر زدزیویئر کی آنکھوں سے جس قسم کی چمک دکھائی دینے لگی تھی۔ بوڑھا کسان اُس سے بے چینی سی محسوس کرنے لگا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اگرچہ یہ لوگ قیصر کے کارندے نہیں، پھر بھی ہیں تو یونانی۔ ہو سکتا ہے اس وقت قیصر کی سلطنت میں رہنے والے کسانوں کو جو مشکلات درپیش ہیں، اُنہیں اُن کا کوئی احساس نہ ہو۔ ہو سکتا ہے یہ لوگ بالکل شہری ہوں۔ اگر ان لوگوں نے مخبری کر دی تو گاؤں پر آفت آ جائے گی۔ زدزیویئر اور تھیوڈورا اِن کسانوں کی باتوں پر خاموشی سے غور کر رہے تھے اور اُس نے اُن کی خاموشی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کہا:

"میرا تو یہ خیال ہے کہ ہمیشہ ایسے حالات نہ رہیں گے۔ آج یونانی جس قومی خطرے سے

دامن بچانے کے بہانے ڈھونڈ رہے ہیں، شاید وہ کل مجبور ہو کر اس کے خلاف متحد ہو جائیں اور جب ایک بار قیصر کی سرحدیں ترکوں کی لوٹ مار سے محفوظ ہو جائیں گی تو پھر وہی زمانہ لوٹ آئے گا جس کی یاد سے ہم اپنا دل بہلا لیتے ہیں۔"

"وہ زمانہ بہت جلد واپس آنے والا ہے۔" زرزیویئر نے ڈھلتے ہوئے سورج کی طرف نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم اس خطرے کے سامنے متحد ہو جائیں۔"

زرزیویئر اُٹھ کھڑا ہوا جسے دیکھ کر اس کا خدمتگار بھی سنبھلا۔ زرزیویئر نے تھیوڈورا سے کہا:

"چلیئے! ہم نے بہت آرام کر لیا۔ اب شام سے پہلے پہلے کسی موزوں ٹھکانے پر پہنچ جانا ضروری ہے۔"

گاؤں والے اِس مختصر اور عجیب قافلے کو پگڈنڈیوں پر بڑھتا اور چلتا دیکھ رہے تھے۔ آج یہ جا رہے ہیں کل اُن کے نقشِ قدم پر ہم بھی چل کھڑے ہوں گے ٭

ساتواں باب

تاتار

تھیوڈورا، کس کے حکم سے جا رہی تھی، کہاں جا رہی تھی اور کیوں جا رہی تھی؟ نسٹوریس کو اب تک اِس کے بارے میں کچھ بھی علم نہ تھا۔ اُسے تو اس کی حفاظت اور رہنمائی پر مامور کیا گیا تھا۔ اس کا کام تھیوڈورا کی رفاقت تھا —— اس منزل تک، جہاں تھیوڈورا کو پہنچنا تھا۔

وہ اس سفر میں —— تھیوڈورا کی شخصیت اور سب سے بڑھ کر اُس کے معصوم حُسن و شباب سے برابر متاثر ہوتا چلا جا رہا تھا —— اُس کا دل کہتا —— کاش یہ سفر یونہی جاری رہے، —————— عمر بھر تک ہم یونہی بڑھتے چلے جائیں —— کوئی منزل راستے میں حائل نہ ہو۔

اس سفر کے دوران، تھیوڈورا کے علم اور تجربے میں بہت کچھ اضافہ ہُوا۔ اس کے دل و نگاہ میں غیر معمولی وسعت آگئی۔ اور بعض مقامات پر تو اس کے گہرے نظریات اور پختہ عقائد بھی متزلزل ہو گئے۔ وہ اس سفر میں متعدد خانقاہوں سے گزری تھی۔ کئی

راہبوں اور پادریوں اور مبلّغوں کے سامنے عقیدت و احترام کے ساتھ جھکی تھی مگر اب اب ان لوگوں سے اُسے خوف آنے لگا تھا۔ وہ ان کا سامنا کرنے سے گھبرانے لگی ــــ اور ترکوں کے بارے میں صحیح حالات معلوم کرنے کا شوق اُس کے عقائد پر غالب آنے لگا تھا۔

تھیوڈورا ــــ بار بار، اپنے ان نئے خیالات میں کھو کر رہ جاتی۔ اُس کی رفتار سُست پڑ جاتی ــــ اس وقت نرزیویئر اپنی باتوں سے اُس کی ہمّت بڑھاتا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اُن کا راستہ بھی کٹتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ آدرنہ کے سرحدی کلیسا تک پہنچ گئے۔

○

یہ خانقاہ جوزلیفیہ نامی خاتون کے نام سے منسوب اور مشہور تھی۔ اس سے تیس میل کے فاصلے پر عثمانی سلطنت کی سرحد شروع ہو جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جوزلیفیہ یونانی جاسوسوں کا آخری مرکز تھا۔

جوزلیفیہ کے پادری کو تھیوڈورا کے آنے کی اطلاع مل چکی تھی۔ اس سے پہلے بھی "اس قسم" کی لڑکیاں آدرنہ میں چور دروازوں سے بھیجی جا چکی تھیں ــــ یہ یونانیوں کا قدیم دستور تھا۔

اگر قومی خدمت کے جذبے کو برقرار رکھنے کے لئے ان لڑکیوں کی عزّت افزائی کا خیال نہ ہوتا جو اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر جاسوسی کرنے آتی تھیں تو شاید جوزلیفیہ کا مغرور پادری اُنہیں دیکھنا بھی گوارا نہ کرتا۔ مگر قیصر کا حکم تھا اور ایسی لڑکیوں کو ہر قسم کی راحت و آرام پہنچانے کے علاوہ یہ بھی ہدایت تھی کہ کلیساؤں میں اُنہیں گرم جوشی کے ساتھ خوش آمدید کہا جائے۔

جوزیفیہ کے پادری نے تھیوڈورا کا اِس طرح استقبال کیا جیسے کوئی بڑی شہزادی راہبہ بن کر کلیسا میں داخل ہوئی ہو، لیکن جب اُس نے تھیوڈورا کو دیکھا تو بس ـــــ دیکھتا ہی رہ گیا، اُس کا زہد و تقدّس اور اُس کی پارسائی کے پرخچے اُڑ گئے۔ اُس نے تھیوڈورا کے ساتھ زرزیوبئر کو بھی دیکھا اور دل ہی دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ ـــــ اُس شخص کو تو وہ راتوں رات ہی قسطنطنیہ واپس بھیج دے گا۔

اور پھر جب یہ لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو وہ کہنے لگا:

"مجھے بے حد افسوس ہے کہ مَیں اِس دُور اُفتادہ مقام پر مہمانوں کی خصوصی خاطر و مدارات نہ کر سکا ـــــ دراصل یہ ایسی جگہ ہے جہاں دشمن جاسوس ہر وقت منڈلاتے رہتے ہیں ـــــ اِس لئے وقت کا تقاضا یہی ہے کہ یہاں آمد و رفت کم رہے۔ ورنہ نوابزادی اپنی منزل کی طرف پہلا قدم اُٹھاتے ہی خطرات اور مشکلات میں گھِر جائے گی!"

تھوڑی دیر وہ خاموش رہا، شاید جو کچھ وہ کہنے والا تھا ـــــ اُس سے پہلے وہ اُن کے چہروں کا جائزہ لے رہا تھا۔ اور پھر وہ زرزیوبئر کی طرف مخاطب ہوا:

"یہ میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ نوابزادی سے بالکل علیحدہ ہو جائیں، ـــــ نہ صرف علیحدہ بلکہ، بہتر یہ رہے گا کہ آپ کل صبح سویرے ہی قسطنطنیہ واپس لوٹ جائیں!"

زرزیوبئر حیران ہو کر اُس کی طرف دیکھنے لگا تو وہ کہنے لگا:

"گھبرانے کی ضرورت نہیں! آپ نواب زادی کو پوری حفاظت کے ساتھ اُن کے محافظوں تک پہنچانے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور ـــــ اب جوزیفیہ سے نواب زادی کی حفاظت سراسر ہماری ذمہ داری ہے ـــــ مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ نوابزادی کو ہم اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھیں گے۔ اس طرح ہم آپ پر ـــــ یا کسی اور پر احسان نہیں کرتے، بلکہ تھیوڈورا اس وقت ساری یونانی قوم کی امانت ہے، مسیحیت

کی امانت ــ صلیب کی طرح مقدس و محترم ہے!"

پادری نے تھیوڈورا اور زرزیویئر کے چہروں پر نگاہ ڈالی ـــــ دونوں ایک دوسرے کو سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اُس نے بھی اپنا سر لوں جُھکا لیا جیسے حالات کی شدت پر اُسے بھی حد درجہ افسوس ہے۔

لیکن تھوڑی دیر بعد وہ زرزیویئر کو سمجھانے لگا:

"میرے عزیز! خانقاہ کے قوانین کی رُو سے آپ کو خانقاہ کے اندر قدم رکھنے کی اجازت تک نہیں دی جا سکتی۔ افسوس! میں آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکتا۔ ـــ آپ کو یہ رات خانقاہ کے باہر سرائے میں بسر کرنا پڑے گی، یہاں آنے جانے والے دوسرے مسافر ٹھہرتے ہیں!"

زرزیویئر ـــ پادری کی بات سمجھنے کے لئے اُس کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ لیکن اس سے پہلے کہ زرزیویئر لب کھولے، پادری نے خانقاہ کے اندر سے گھنٹے کی آواز سُن کر باری باری دونوں کو خاموشی سے دیکھا، اور پھر تھیوڈورا سے مخاطب ہو کر کہا ـــ

"نوابزادی! نماز کا وقت ہو گیا۔ اپنے ہم سفر کو الوداع کہیئے ـــ!"

تھیوڈورا اور زرزیویئر ـــ دونوں بیک وقت کھڑے ہو گئے۔ لیکن پادری نے تھیوڈورا کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور ابھی اُس نے دوسرے کمرے میں قدم رکھا ہی تھا کہ پیچھے سے پادری نے دروازہ بند کر دیا۔

O

جوزیفیہ میں حالات نے اچانک ایسے ڈرامائی انداز میں پلٹا کھایا جس کی تھیوڈورا اور زرزیویئر کو ہرگز کوئی توقع نہ تھی۔

—— ایک طرف بلقان کی شمالی ریاست کی نوابزادی تھی جس نے رضاکارانہ طور پر اپنی زندگی مسیحؑ کے نام کی عظمت کے لئے وقف کر دی تھی —— اُسے یقین تھا کہ جہاں کہیں بھی وہ جائے گی، ایک قومی کارکن کی حیثیت سے اُس کے مراتب اور اعزاز کا لحاظ کیا جائے گا۔

—— اور دوسری طرف قیصرِ رُوم کے محافظ دستے کا سردار زرزویئر تھا۔ جو آج تک یہ سمجھتا آیا تھا کہ سوائے قیصر کے ذاتی اقتدار کے، کسی دوسرے کے حکم کا وہ پابند نہیں۔

مگر یہاں تو حالات نے اور ہی رنگ اختیار کر لیا تھا۔

جوزیلفیہ کا پادری طفطامیس جوان اور حسین ہونے کے علاوہ ایک خاص شخصیت کا مالک تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا گویا جوزیلفیہ اپنی جگہ ایک خود مختار ریاست ہے اور طفطامیس اِس کا مطلق العنان حکمران! اس کی بات چیت میں خانقاہوں کی عام روایتی روحانیت کے علاوہ ایک طرح کی جابرانہ آمریت جھلکتی تھی۔ زبان کی نسبت وہ آنکھوں سے بہت زیادہ کام لیتا تھا، اور جب بھی کوئی بات کرتا تو کسی میں اِتنی ہمت نہ ہوتی کہ وہ اُنہیں سُن کر نظر انداز کر دے۔

تھیوڈورا خانقاہ کے اندرونی حصے میں بھیج دی گئی، جہاں تقریباً پچاس ننیں پہلے ہی سے موجود تھیں۔ زرزویئر کو رات بھر کے لئے خانقاہ سے ملحقہ سرائے میں ٹھہرایا گیا۔ اور سرائے کے نگران کو یہ قطعی حکم مِل گیا تھا کہ زرزویئر اپنے خدمتگار کے ساتھ رات کے چوتھے پہر جوزیلفیہ سے قسطنطنیہ کی طرف ضرور روانہ کر دیا جائے۔

رات کے کھانے پر تھیوڈورا نے زرزویئر سے ملنے کی کوشش کی، مگر اُسے روک دیا گیا۔ اسی طرح زرزویئر نے بھی تھیوڈورا سے الوداعی مُلاقات کرنے کی درخواست کی، جسے ردّ کر دیا گیا۔

اور پھر اسی رات ــــ پَو پھٹنے سے پہلے زرزیویئر کے احتجاج کے باوجود اُسے زبردستی جوزلیفیہ کی سرائے سے قسطنطنیہ کی طرف روانہ کر دیا گیا ؛

O

جوزلیفیہ میں تھیوڈورا کی پہلی رات ایسے مجُرم کی طرح گزُری، جسے پھانسی کا حکم سنایا جا چکا ہو ــــ زندگی میں پہلی بار اُس کے سامنے ایسا کھانا رکھا گیا، جسے کھا لینے کے باوجود وہ اُسے کھانا نہ کہہ سکی۔

اگرچہ وہ قسطنطنیہ سے جوزلیفیہ تک کے طویل اور تھکا دینے والے سفر کے باعث حد سے زیادہ خستہ و ماندہ تھی مگر وہ سو بھی نہ سکی ــــ اُس کے کمرے میں جو شمع رکھی ہوئی تھی، اُس نے مشکل سے ایک پہر تک اُس کا ساتھ دیا۔ اور اس کے بعد صبح تک تاریکی، خاموشی اور اُداسی کے طوفانی سمندر میں، خیالات کی لہروں پر وہ ڈوبتی اور اُبھرتی رہی۔

پھر ــــ علی الصبح اُٹھ کر۔ اُس نے کمرے کے دروازے اور کھڑکیاں کھول دیں۔ صبح کے زرد اُجالے آہستہ آہستہ رات کی سیاہی پر غالب آرہے تھے۔ ہوا کے نرم جھونکوں میں زندگی جوش مار رہی تھی۔ پرندوں نے اپنی اپنی بولیوں میں حمد کے ترانے الاپنے شروع کر دیئے تھے۔

اُس نے جوزلیفیہ میں پہلا قدم رکھنے سے لے کر اس وقت تک کے حالات پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور مسکرائی :

"شکر ہے طفطا بیس، سان کرسٹینا کے پادری سے بہت ہی مختلف ثابت ہُوا !"

وہ برآمدے میں نکل آئی ــــ سامنے ایک مختصر سا باغیچہ تھا۔ کلیاں اپنی مہک کے بوجھ میں دبی ہوئی تھیں اور ان پر ٹکے ہوئے شبنم کے موتیوں پر صبح کی ابتدائی

کرنوں سے ایسا حُسن پیدا ہو رہا تھا، جسے دیکھ کر تھیوڈورا مسرور ہو گئی تھی۔

برآمدے کی مشرقی نکڑ سے ایک نن تھیوڈورا کی طرف بڑھی۔ اُس کے قریب آ کر سلام کیا اور کہا۔ "ناشتہ نماز کے بعد فادر طفطامیس کے کمرے میں پہنچا جائے گا اور نماز میں مشکل سے پندرہ منٹ رہ گئے ہیں۔"

تھیوڈورا نے اُس کا شکریہ ادا کیا۔ وہ اِس نن کو دیکھ کر خوش ہو گئی تھی، اُسے کئی دنوں کے بعد ایک سلجھی ہوئی عورت سے باتیں کرنے کا موقعہ ملا تھا۔ اُسے ننیں شروع ہی سے پسند تھیں۔ وہ خود بھی نن بننا چاہتی تھی۔ اُسے اُن کے سفید ڈھیلے لباس سے بڑی عقیدت تھی۔ خصوصیت کے ساتھ جوزیفیہ میں تنہائی کے چھ پہر گزارنے کے بعد وہ کسی سے باتیں کرنے کے لئے ترس رہی تھی۔ مگر نن نے اس کے شکریے کا کوئی جواب نہ دیا اور جس راستے سے آئی تھی واپس چلی گئی۔

اُس نے نن کی یہ بے اعتنائی محسوس تو کی مگر وقت بہت تھوڑا تھا۔۔۔ نماز کے لئے تیار ہو گئی۔ سر پر رومال باندھا۔ وہ آئینہ دیکھنا چاہتی تھی۔ مگر اُس کمرے میں آئینہ نہ تھا۔ نہ جانے وہ کیوں اپنا سایہ دیکھنا چاہتی تھی۔ بہرحال اُس نے رومال کو بار بار اپنے ہاتھ سے ٹٹولا۔ زلفوں کی جو چند ایک لٹیں اُس کے ماتھے پر رومال سے باہر رہ گئی تھیں، اُنہیں سنوارا، اور نماز کے لئے چلی گئی۔

○

جوزیفیہ کا کلیسا اگر عالیشان نہیں کہا جا سکتا تھا تو قابلِ لحاظ ضرور تھا، جب تھیوڈورا اس میں داخل ہوئی، تو اُسے یُوں محسُوس ہوُا جیسے صرف اسی کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ فادر طفطامیس نے اپنی گردن کو حرکت دیئے بغیر اپنی آنکھیں اُٹھا کر تھیوڈورا کو دیکھا اور نماز شروع ہو گئی۔

اب اُسے یقین ہونے لگا تھا کہ اِس حسین اور نوجوان پادری کا ہر ایک کام انتہائی مختصر اور جچا تُلا ہوتا ہے ـــ نماز ختم ہوئی۔ عورتیں اور مرد کلیسا سے باہر نکلے ـ فادر طفطامیس ابھی تک اپنی جگہ پر جما کھڑا تھا، اور جب تھیوڈورا نے باہر جانے کے لئے حرکت کی، تو اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا :۔

" نوابزادی تھیوڈ ـــ ڈورا !"

تھیوڈورا رُک گئی۔ اُس نے طفطامیس کو دیکھا۔ اور طفطامیس نے اُسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ تھیوڈورا اس کے قریب پہنچ کر عقیدت سے جھک گئی۔ وہ اس وقت اپنے سیاہ ریشمی لباس میں واقعی روحانیت کا دیوتا معلوم ہوتا تھا۔ اُس کے پہلو میں طلائی صلیب چمکدار زنجیر کے ساتھ یوں لٹک رہی تھی۔ جیسے فرشتے کے کمر بند میں بہشت کی چابیاں۔ تھیوڈورا کی نگاہیں اس صلیب پر یوں گڑھ گئیں جیسے کوئی مقناطیسی قوت انہیں دوبارہ کسی اور طرف پلٹنے نہیں دیتی۔ وجدانی طور پر جب اُسے کلیسا میں صرف اپنی اور فادر طفطامیس کی موجودگی کا احساس ہُوا تو اُس کا چہرہ جذبات کی شدت سے دمکنے لگا، اور اُس نے پیشانی پر پسینے کے قطرے سے محسوس کیئے۔

فادر طفطامیس نے کہا :

" مجھے افسوس ہے کہ کل رات نہ تو مَیں نے آپ کو آپ کے ہم سفر دوست کے پاس جانے دیا اور نہ ہی اُسے آخری سلام کے لئے آپ کے پاس آنے دیا۔ یہ جوزیفیہ کا پُرانا دستور ہے جس پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے۔ اُمید ہے آپ اُسے نظرانداز کردیں گی"۔

تھیوڈورا نے فادر طفطامیس کے لہجے میں محسوس ہونے والے شکوک بلکہ رشک کی شدت ختم کرنے کے لئے کہا : ـــ

"سوائے ہمسفری کے مجھے زرزیوئیر سے اور کوئی واسطہ نہیں ہاں! قسطنطنیہ رخصت کرتے وقت اُس سے ملنا اور اُس کا شکریہ ادا کرنا میں اپنا اخلاقی فرض سمجھتی تھی"۔

"بے شک! بے شک!! جو بات میں آپ کو سمجھانا چاہتا تھا، وہ یہ ہے کہ جوزلیفیہ میں داخل ہونے والے اشخاص کی انفرادیت ختم ہو جاتی ہے اور ان کی طرف سے فادر کو ان کے اخلاقی معاملات کی نگرانی کا پورا پورا حق حاصل ہو جاتا ہے"۔

لہجے کی سختی کے باوجود طفطامیس کی باتوں سے تھیوڈورا کو جس شے کی بُو آنے لگی تھی۔ اِس کی شدت محسوس کر کے وہ کانپنے لگی۔ اُس نے سر اُٹھا کر فادر کو دیکھا اور کہا :۔

"فادر معاف کیجئے! میں جوزلیفیہ میں نن کی حیثیت سے داخل نہیں ہوئی"۔

"نوابزادی! آپ یہاں کس حیثیت سے داخل ہوئی ہیں، یہ دیکھنا ہمارا کام ہے۔ نن بننے کے لئے یہ ضروری نہیں، کہ وہ کلیسا کا مخصوص سفید لباس پہن کر کنواری ماں کے حضور میں اپنی ساری عمر کلیسا ہی میں گزار دینے کی قسم کھائے۔ ایک ناتجربہ کار لڑکی کو اپنی زندگی کے متعلق کسی قسم کا فیصلہ کرنے کا کوئی حق نہیں۔ جوزلیفیہ میں اس قسم کے فیصلے کلیسا ہی میں ہوتے ہیں۔ اور ایک مذہب پرست مسیحی کو ان فیصلوں کے سامنے سر جھکا دینا چاہیئے"۔

تھیوڈورا نے خوفزدہ ہو کر چاروں طرف دیکھا۔ کلیسا میں ویرانی اور سکوت کے علاوہ اور کیا تھا۔ اُس نے جلدی سے کہا :

"میں ـــــ ؟"

"مجھے معلوم ہے"۔ طفطامیس نے تحکمانہ لہجے میں کہا "نوابزادی! آپ سلطانہ مریاؔ کی طرف جا رہی ہیں۔ اور اس ملاقات کے انتظامات جوزلیفیہ ہی کے ذریعے ہوں گے۔ آپ کو سلطانہ مریامہ تک پہنچنے کے لئے جس تربیت کی ضرورت ہے، وہ جوزلیفیہ

ہی میں دی جائے گی۔"

تھیوڈورا نے چلا کر کہا۔ "مجھے یہاں کتنا عرصہ رہنا ہوگا؟"

"خدا بہتر جانتا ہے۔"

O

جوزیفیہ میں تھیوڈورا کے حالات بتدریج ٹھیک ہوتے چلے گئے۔ حالانکہ اصلاح کی رفتار اس قدر سست تھی کہ بعض اوقات اس کا دیواروں سے سر پھوڑنے کو جی چاہتا تھا ــــ پورے ایک ہفتے تک فادر کے ساتھ اس بات چیت کے علاوہ اور کوئی حادثہ پیش نہ آیا۔ اِس دوران میں دو ادھیڑ عمر ننیں تھیوڈورا کے ساتھ زیادہ سے زیادہ دیر تک وابستہ رہیں۔ اور دونوں نے جب کبھی کوئی بات کی۔ وہ جوزیفیہ کی تنظیم اور فادر طفطامیس ہی سے تعلق رکھتی تھی۔ اور اس تمام گفتگو کا ماحصل یہ تھا کہ دنیا میں اگر کوئی انسان، انسان کہلانے کا مستحق ہے تو وہ فادر طفطامیس ہے ــــ جس پر وہ مہربان ہوگیا، اس کی زندگی سنور گئی، اور جس سے وہ ناراض ہوگیا، اُس پر گویا خدا کا قہر نازل ہوگیا۔"

تھیوڈورا کو بہت جلد یوں معلوم ہونے لگا کہ یہ ننیں خاص طور پر کسی مقصد کے لئے بھیجی جارہی ہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ان ننوں نے اشاروں کنایوں میں اُسے جو کچھ سمجھانے کی کوشش کی تھی، وہ اُسے پوری طرح سمجھ گئی۔

اور جب تک یہ ننیں تھیوڈورا کے قریب رہیں ــــ طفطامیس اُس سے دُور دُور رہا۔ لیکن جونہی وہ ــــ ننیں اُس سے بتدریج پرے ہونے لگیں، طفطامیس قریب تر ہوتا گیا ــــ شروع شروع میں وہ محض اس طرف بے مقصد چکر لگاتا، جہاں تھیوڈورا رہتی تھی۔ اُسے دیکھتا اور مُسکرا کر گزر جاتا، لیکن یہ خاموش مسکراہٹ بہت جلد

چھوٹی چھوٹی ملاقاتوں میں منتقل ہو گئی اور آخر کار اُس نے ایک دن تھیوڈورا سے کہا:

" نواب زادی کو جوزیفیہ میں آئے ہوئے بہت دن گزر گئے۔ مگر آپ نے ابھی تک میرے سامنے " اعتراف " نہیں کیا۔ حالانکہ اس کام کے لئے سنیچر کی شام مقرر ہے۔"

تھیوڈورا خاموش رہی تو طفطامیس نے کہا:

" آپ ایسی نوجوان عقیدہ پرست لڑکیوں کے لئے " اعتراف " بے حد ضروری ہے۔ ایسا کرنے سے ذہن اور ضمیر تمام نفسیاتی اُلجھنوں سے پاک رہتے ہیں، روحانی بصیرت تیز ہوتی ہے اور انسان کی صلاحیتوں کو نشوونما کا موقع ملتا ہے۔"

تھیوڈورا اب بھی خاموش رہی، مگر اُس کے ذہن میں طوفان برپا ہو گیا۔ طفطامیس بڑی ہوشیاری کے ساتھ اُس پر وہ حربہ استعمال کر رہا تھا جو اس سے پہلے تھیوڈورا ایسی کئی معصوم لڑکیوں پر بڑی کامیابی سے استعمال کیا جا چکا تھا۔ حقیقت میں یہی وہ حربہ تھا جس نے رفتہ رفتہ کلیسا کو نفسانیت کا اکھاڑہ بنا دیا ــــ ناتجربہ کار رئیس زادیاں بڑی سادگی کے ساتھ پادریوں کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتیں۔ جب ان کی کمزوریاں بے نقاب ہو جاتیں تو پادری اُن سے استفادہ کرتے، اور عقیدہ پرست لڑکیاں اپنے گناہ چھپانے کے لئے پادریوں کا آلۂ کار بن کر رہ جاتیں۔

یہ ایک تیر بہدف نفسیاتی گرفت تھی جسے طفطامیس بڑی ہوشیاری کے ساتھ تھیوڈورا کی گردن میں مضبوط کر رہا تھا، مگر اب وہ اس قدر بے وقوف نہ تھی کہ ان باتوں کو نہ سمجھ پاتی ــــ جو دوشیزہ کارڈینل جولین کے مکروفریب اور ہنیاڈی اور قیصرِ روم ایسے انسانوں کی آنکھوں کے اشارے سمجھنے لگی تھی، اُسے فادر طفطامیس کے پہچاننے میں کوئی دقّت پیش نہیں آ رہی تھی۔

بہرحال اب حقیقت بے نقاب ہوگئی اور اُس دن وہ اُسے بڑی خوبصورتی سے ٹال گئی۔

طفطامیس اُسے ہر روز "اعتراف" کی دعوت دیتا اور وہ ہر روز اس دعوت کو ردّ کر دیتی، آخر ایک دن تنگ آکر طفطامیس نے تھیوڈورا سے پوچھ ہی لیا :۔

" آپ آخر ایسے ضروری مذہبی فریضے کو کیوں نظر انداز کر رہی ہیں ؟"

تھیوڈورا نے طفطامیس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ صاف دیکھ رہی تھی ——— جوزیلفیہ کے خاموش اور ماہرِ نفسیات پادری کی آنکھوں میں بھی وہی طوفان جنم لے رہے تھے جو وہ سان کرسٹینا کے پادری کی نظروں میں دیکھ چکی تھی۔

اُس نے اپنا سر جھکایا اور جواب دیا :۔

"اس لئے کہ ——— میں نے کوئی گناہ نہیں کیا، جس کا اعتراف کروں"۔

طفطامیس نے تھیوڈورا کو حیرت سے دیکھا اور کہا :۔

" دوسرے لفظوں میں آپ یہ ثابت کرنا چاہتی ہیں کہ آپ انسانوں کے زُمرے سے نکل کر فرشتوں کے گروہ میں داخل ہو چکی ہیں۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے ——— کہ انسان گناہ کا مرتکب نہ ہو !"

تھیوڈورا نے کوئی جواب نہ دیا اور اُسے خاموش پاکر طفطامیس نے کہا :۔

" خیر ——— کوئی بات نہیں۔ میں آپ کو مجبور نہیں کر سکتا۔ لیکن آپ آئندہ "ہم مشربی" کی رسم میں ضرور شریک ہوا کریں گی"۔

"ہم مشربی" مسیحی عقیدے کی رُو سے ایک سنّت ہے۔ جب حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے فریسیوں کے ساتھ سازباز کر کے جنابِ مسیحؑ کو گرفتار کروانے کے انتظامات مکمل کر لئے، اس وقت آپ اپنے حواریوں کے ساتھ اس ٹیلے پر بیٹھے تھے جس کے عقب میں وہ صلیب گاڑی جا رہی تھی جس پر آپ کو سُولی دی جانے والی تھی۔ آخری وقت

آپ نے پانی کے پیالے میں سُوکھی روٹی کے چند ٹکڑے بھگوتے اور ہر ایک حواری کو ایک ایک ٹکڑا دے کر کہا:۔

”لو — ! یہ میرے جسم کا گوشت ہے اور پیالے میں بھرا ہوا پانی، میرا خون ہے ! روٹی کھاؤ تاکہ میرا گوشت تمہارے جسم کا حصّہ بن جائے، اور پانی پیو تاکہ میرے مقدس خون کے قطرے تمہارے خون میں شامل ہو جائیں۔ اِس طرح تمہارے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے، کیونکہ تمہارا گوشت اور میرا گوشت، تمہارا خون اور میرا خون ایک ہے۔“

”ممکن ہے مسیحؑ اس طرح یہ ثابت کرنا چاہتے ہوں کہ حقیقت میں تمہی وہ لوگ ہو جو میرا جسم نوچنے اور میرا خون پینے کے لئے فریسیوں سے ناپاک گٹھ جوڑ کر چکے ہو۔ بہرحال اس کی تاویل خواہ کچھ ہی ہو۔ یہ رسم ابھی تک چلی آتی ہے۔ عقیدہ پرست مسیحی روز کلیسا میں بیٹھ کر روٹی کے یہ ٹکڑے جو پانی کی جگہ شراب میں بھگوئے جاتے ہیں، جنابِ مسیحؑ کے جسم کا گوشت اور خون سمجھ کر کھاتے اور پیتے ہیں اور ایسا کرنے سے اپنے آپ کو معصوم قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں ٭

○

تھیوڈورا کو مجبوراً ”ہم مشربی“ میں شامل ہونا پڑا — جہاں کلیسا کے کارکنوں کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

اور جب طفطامیس نے پیالوں میں سے روٹی کے وہ ٹکڑے نکال نکال کر لوگوں کو دئیے جن میں سے شراب کے قطرے ٹپک ٹپک کر پیالے میں گر رہے تھے تو وہ تڑپ کر رہ گئی۔

پھر جب طفطامیس نے یہ کہا:۔

"کھاؤ! یہ مقدس باپ کا گوشت ہے!" — اُس وقت تھیوڈورا اپنے آنسو ضبط نہ کر سکی۔

اور اس کے بعد جب طفطامیس نے شراب کا ایک ایک گھونٹ حاضرین کو پیش کرتے ہوئے کہا: "یہ مقدس باپ کا خون ہے!"

تو وہ اب مزید صبر نہ کر سکی۔ اُس کی سسکیوں نے کلیسا کے سکوت میں ہلچل ڈال دی۔ وہ سوچنے لگی:

"اگر یہ مقدس باپ کا گوشت اور خُون ہوتا تو مسیحیوں میں ہنیاڑی ایسے ظالم، کارڈینل جولین ایسے مکّار، قیصرِ روم ایسے ہوس پرست اور فادر طفطامیس ایسے مجرم پادری ہرگز پیدا نہ ہوتے!"

اُس کی سسکیاں اب فریاد و شیون میں منتقل ہو گئیں — وہ یہ دیوانگی برداشت نہ کر سکی۔ اور عین اُس وقت جبکہ "ہم مشربی" کی سنّت ادا ہو رہی تھی، کلیسا سے باہر نکلی، وہ بُری طرح لڑکھڑا رہی تھی! یہ دیکھ کر ایک بوڑھی نن اپنی جگہ سے اُٹھی اور تھیوڈورا کو تھام لیا۔

تھیوڈورا کی معصوم عقیدہ پرستی نے جوزلیفیہ میں رہنے والے ہر شخص کو متاثر کیا تھا — طفطامیس نے نادم ہو کر عارضی طور پر اس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ اور اب ایک بوڑھی نن صوفیہ، تھیوڈورا کے قریب آ گئی تھی — صوفیہ کو یقین ہو گیا تھا کہ یا تو تھیوڈورا مسیحی دوشیزہ نہیں ہے، اور اگر اُسے مسیحی قرار دیا جائے تو لازمی طور پر مغربی دُنیا میں آج ایک بھی مسیحی باقی نہیں رہا +

○

جوزلیفیہ میں تھیوڈورا پہلی دوشیزہ تھی، جس کے سامنے طفطامیس کی سخت گیری

اور تنظیم نے ہتھیار ڈال دئے تھے۔ اُس نے یہاں واقعی ایک آسمانی حُور کا سا مقام حاصل کر لیا تھا، جو نہ جانے کہاں سے بھٹکتی ہوئی یہاں آ نکلی تھی، اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب دوبارہ آسمان کی طرف جاتے ہوئے فضا کی وسعتوں میں نظروں سے اوجھل ہو جائے گی۔ ایسی معصوم دوشیزہ کو جوزلیفیہ کے ظالم اور ہوس پرست پادری کی سازشوں سے محفوظ رکھنا ایک ایسا کام تھا، جس میں اگر صوفیہ کامیاب ہو گئی تو اُس کی زندگی کے سارے گناہ معاف کر دئے جائیں گے۔

اب جوزلیفیہ میں تھیوڈورا اور صوفیہ نے ماں بیٹی کی حیثیت سے ایسے اجنبی مسافروں کی حیثیت اختیار کر لی تھی، جو کسی قافلے کے انتظار میں یہاں دن گزار رہے تھے۔ دونوں کلیسا کی اندرونی دُنیا سے بیزار ہو کر خانقاہ کے باہر نکل آتیں اور پہروں بیٹھی ایک دوسرے کے دل کا بوجھ ہلکا کرتی رہتیں۔

خانقاہ کے باہر تھیوڈورا کو عام طور پر ایک ایسے تاتاری نوجوان سے واسطہ پڑتا، جو ایک معمولی چوکیدار کی حیثیت سے خانقاہ کی بیرُونی دُنیا ــــ سرائے اور باغات کی نگرانی کیا کرتا تھا۔ وہ اس قدر گمنام تھا، کہ کسی نے اُس کا نام پُوچھنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی تھی ــــ تجارتی شاہراہ پر آنے جانے والے ان مسافروں کی دیکھ بھال تاتار کے ذمے تھی جو سرائے میں رات گزارتے تھے۔

محض ــــ نوخیز و نوجوان ہونے کے علاوہ اس کی شخصیت میں ظاہری طور پر کوئی جاذبیت نہ تھی۔ ہاں ایک عرصے سے یونانیوں میں زندگی گزارنے کے باوجود وہ اپنے موروثی لباس اور طور اطوار سے بیگانہ نہ ہوا تھا۔ اُس کے خوب صورت سڈول اور بھرے بھرے گداز تاتاری جسم سے تھیوڈورا کو کیا واسطہ ــــ ؟ اس کی چال ڈھال میں بلا کی تیزی تھی، اور اُس کی آنکھیں تو بڑی ہی خطرناک تھیں۔

" اُس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش نہ کرنا!" صوفیہ تھیوڈورا کو ڈراتی۔" جس

طرح سانپ اپنی آنکھوں کے اثر سے چھوٹے چھوٹے پرندوں کو شل اور زندگی کی قوتوں سے محروم کر دیتا ہے، بالکل اسی طرح تاتاری، عورتوں کو اپنا غلام بنا کر لے جاتے ہیں اور ایشیا کے شہروں میں بیچ دیتے ہیں۔"

تاتار جب کبھی تھیوڈورا کو اکیلا دیکھ کر اُس کے قریب آنے کی کوشش کرتا، وہ کسی اور طرف چل دیتی۔۔۔ اُسے فوراً صوفیہ کی ہدایت یاد آجاتی! مگر تاتار کے مردانہ وقار میں ایسی کشش تھی جسے وہ کبھی نظر انداز نہ کر سکی اور جب کبھی یہ نوجوان اپنی دُھن میں۔۔۔ تھیوڈورا کی موجودگی سے بالکل بے خبر اس کے قریب سے گزرتا، وہ اُس وقت تک اُسے دیکھتی رہتی جب تک اُس کا وجود دکھائی دیتا۔۔۔ تاتار بھی وجدانی طور پر تھیوڈورا کو اپنی قسمت قرار دینے لگا تھا، مگر اُسے شک تھا کہ شاید اُس کی قسمت ایسی خوب صورت اور تابناک نہ ہو۔

O

ایک دن جوزیفیہ میں شام کے وقت بہت بڑا قافلہ اُترا، جو ایران، آذر بائیجان، آرمینیا، جارجیا، اور بحیرۂ اسود کے مشرقی مرکزوں کا تجارتی سامان بلقان کی طرف لایا تھا۔۔۔ اس قافلے نے ایک اُجاڑ سی خانقاہ میں ایسی چہل پہل پیدا کر دی جسے دیکھے ہوئے تھیوڈورا کو ایک زمانہ گزر چکا تھا۔

تھیوڈورا یوں بھی خانقاہ کی اندرونی فضا سے بیزار تھی، اِس لئے اُس کا زیادہ وقت خانقاہ کے باہر ہی میدان میں بسر ہوتا تھا۔۔۔ اب اس قافلے کے آجانے سے یہاں ایک شہر سا آباد ہو گیا۔

اِن قافلوں کے ساتھ بعض ایسے زندہ دِل لوگ بھی ہوتے تھے جو منزلوں پر اُترنے کے بعد تاجروں اور دوسرے خدمت گاروں کا دل بہلانے کے لئے ناچ گانے اور

بعض دوسرے کھیل اور کرتب دکھا کر روزی کماتے تھے۔ قافلوں کے اُترتے ہی اِن لوگوں نے اپنی مجلسیں جمائیں، اور تھیوڈورا کو ایسا محسوس ہوا، جیسے وہ اچانک جوزلیفیہ کی خانقاہ سے نکل کر کسی ایسے شہر میں آگئی ہے۔ جہاں دُنیا کی تمام قومیں ایک دوسرے کے ساتھ فراغدلی اور محبت سے رہتی ہیں۔

شام کے دُھندلکے تدریج سیاہی مائل ہو رہے تھے، جگہ جگہ الاؤ روشن ہو گئے جہاں گوشت بھُونا جا رہا تھا۔ کہیں رقص کی محفل گرم تھی، کہیں سرُود کی۔ کسی جگہ وسطی ایشیا کے خوش بیان داستان گو ہوشربا افسانوں سے سامعین کو محوِ حیرت بناتے ہوئے تھے۔ قافلے والے جیسے جیسے ضروری کاموں سے فارغ ہو رہے تھے، محفلوں کی گرمی بڑھ رہی تھی۔ لوگ درختوں سے ٹیک لگائے آرام کر رہے تھے۔ چاروں طرف آگ روشن تھی، جس کے شعلوں نے درختوں کی شاخوں پر ایک عجیب سماں پیدا کر دیا تھا۔

تھیوڈورا اس چہل پہل سے اس قدر متأثر ہوئی کہ اُسے شام کے کھانے کا بھی خیال نہ رہا۔ صوفیہ اُسے بار بار بُلانے آئی مگر وہ اس گہما گہمی سے دُور ہونا برداشت نہ کر سکتی تھی۔ وہ دُوسرے مسافروں سے الگ ایک درخت کے تنے کا سہارا لے کر خاموش بیٹھی کبھی ناچ گانے کی طرف متوجّہ ہو جاتی اور کبھی کسی داستان گو کی طرف۔ رات کے سکُوت نے جشن کی رنگینی میں اور اضافہ کر دیا تھا۔

تھیوڈورا جب سے جوزلیفیہ میں آئی تھی، اُسے ایک پل بھی سکون نصیب نہ ہُوا تھا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا۔ اُس کی بے چینی اور پریشانی بڑھ رہی تھی۔ ایک بے نام خوف اور نامعلوم اندیشہ ہر وقت اُس کے دماغ پر چھایا رہتا۔ اس کے دن پریشان خیالی میں اور راتیں ڈراؤنے خوابوں میں بسر ہوتیں۔ مگر آج پہلی مرتبہ اسے اپنے اردگرد اِس محفوظ اور حقیقی زندگی کا دُھندلا سا عکس نظر آیا۔ جسے وہ اپنے آبائی محل میں چھوڑ آئی تھی۔ یہ قافلہ اُس کی زندگی میں ایک ایسا انقلاب لایا تھا، جس کے لئے وہ ترس رہی

تھی ـــ ناچنے والوں کے جسم کی ہر حرکت میں سکون کے خزانے مستور تھے۔ گانے والوں کی آواز محبت اور اُلفت کا سرچشمہ تھی۔ اور سامعین کے قہقہے امن کے نعرے!

آہستہ آہستہ کارِ مسرّت و انبساط، امن و محبت کا یہ طلسم آہستہ آہستہ ٹوٹنے لگا۔ آگ کے شعلے مدّھم ہوتے رہے ـــ چمکتے ہوئے انگارے راکھ کی تہوں میں بتدریج دفن ہوتے چلے گئے۔ جو شخص جہاں تھا اونگھنے لگا اور رفتہ رفتہ تھیوڈورا پر بھی غنودگی تسلّط جمانے لگی۔

اگرچہ جوزیفیہ کا مخصوص ـــ منحوس سکوت اِس میدان میں رینگنے لگا تھا۔ مگر جو خوف جوزیفیہ کی اندرونی دنیا پر حکمران تھا۔ وہ خانقاہ کی بیرونی دنیا کی طرف آنے کی جرأت نہ کرسکا۔ اس سکوت میں بھی تھیوڈورا کو زندگی کی چہل پہل محسوس ہوتی تھی۔ وہ جس درخت سے سہارا لئے بیٹھی تھی، وہیں بیٹھی رہی اور پھر اونگھتے اونگھتے سوگئی۔

اچانک اُسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نوجوان کے گرم گرم ہاتھ اُس کے نیم عریاں ـــ یخ بستہ شانوں سے مس ہوئے، جس کے اثر سے اُس کی رگوں میں جما ہوا خون پگھل کر ایڑی سے چوٹی تک دوڑنے لگا۔ وہ خوف زدہ ہوکر سمٹ سی گئی، اور ڈرتے ڈرتے اپنی آنکھیں کھولیں ـــ تاتار اپنی موروثی سنجیدگی کے ساتھ اس پر بھیڑوں کی اُون سے بنا ہوا اپنا کھردرا گرم کمبل ڈال رہا تھا۔

شرم کے مارے وہ سُرخ ہوگئی۔ اُس کے جسم کو آج تک کسی نے چھونے کی ہمت نہ کی تھی۔ یورپ کی نامور ہستیاں بھی محض اس کے ہاتھوں ہی کو چھو سکی تھیں۔ مگر آج ایک گمنام ـــ تاتاری نوجوان اُس کے کندھوں کو چھو رہا تھا۔ غیرت نے اُسے تازیانہ لگایا۔ اُس نے اپنی آنکھیں مَلیں اور تاتار کو اچھی طرح ٹٹولنے لگی ـــ قدرتاً دونوں کی نظریں چار ہوگئیں۔

ـــ جن آنکھوں میں جھانکنے کے لئے صوفیہ نے اُسے منع کر رکھا تھا، اب تھیوڈورا

کی آنکھیں اُنہی آنکھوں میں ڈوب چکی تھیں اور ـــــ ڈوبتی ہی چلی جا رہی تھیں۔

وہ زیادہ دیر تک ان آنکھوں کی تاب نہ لا سکی۔ اس کی نظریں جھک گئیں۔ اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ مگر کچھ نہ کہہ سکی۔ اُس نے اپنے کندھوں پر پڑے ہوئے کھُردرے اور میلے کمبل کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ وہ اُسے اُتار کر دُور پھینک دینا چاہتی تھی یا اس میں چھُپ جانا چاہتی تھی ـــــ کوشش کے باوجُود وہ یہ معلوم نہ کر سکی۔

تاتار نے کہا:۔

"یہ شمالی ہوائیں بڑی خطرناک ہیں۔ خاص طور پر پچھلی رات میں ان کی شدّت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ آپ ایسی نازک دوشیزہ کا اس وقت کھلے میدان میں پڑے رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ اگر آپ ایسی فراغت کے ساتھ نہ سو رہی ہوتیں، تو میں آپ سے خانقاہ کے اندر چلے جانے کی درخواست کرتا، لیکن آپ کو نیند سے جگانے کی جرأت نہ کر سکا۔"

تھیوڈورا نے ایک بار پھر تاتار کو دیکھا۔ تاتار کی نظریں ابھی تک تھیوڈورا کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ وہ اس کی خاموشی سے متأثر ہو کر پیچھے ہٹا۔ تھیوڈورا کی نظریں اُس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ اور وہ دانستہ یا نادانستہ طور پر اِس کمبل میں لپٹتی چلی جا رہی تھی، جو تاتار اُس کے اُوپر ڈال گیا تھا۔ اس کمبل کا کھُردرا پن ختم ہو چکا تھا۔ یہ کمبل اس وقت پھول کی طرح اُس کے ہونٹوں اور رخساروں کو چھُو رہا تھا، اور تھیوڈورا کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ڈھلک رہے تھے۔

یہ آنسو غلامی سے آزادی، نفرت سے محبّت، خوف سے امن اور موت سے زندگی کی پُربہار دنیا میں داخل ہونے کے احساس سے بہہ رہے تھے۔ اس وقت تک عقل اور احتیاط نے اُس کے ساتھ جس قدر ظلم کیا تھا، اِس سے متأثر ہو کر وہ اب دوبارہ عقل و احتیاط کے راستے پر جانے کے لئے تیار نہ تھی ـــــ اُس نے تھوڑی دیر کے لئے

اپنے شعور کے تمام دریچے بند کر لئے تھے ۔

O

صبح سویرے یہ عظیم قافلہ منتشر ہو گیا اور آدھے سے زیادہ تاجر اپنی اپنی منزلوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ تھیوڈورا سارا دن باہر نہ آئی۔ بلقانی دوشیزہ ایک بار پھر عقل و احتیاط کے جال میں جکڑی گئی۔

جب وہ رات کے واقعے پر غور کرتی تو اُس کا سر ندامت سے جُھک جاتا ـــــ تاتاری خدمت گار اُسے ایسی نظروں سے دیکھ چکا تھا جن سے اُس کو آج تک سابقہ نہ پڑا تھا۔ صوفیہ کہتی تھی، تاتار کی آنکھیں خوفناک ہیں۔ مگر اُسے اُن میں محبّت و ایثار کے سوا اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ کچھ بھی ہو۔ وہ ہے تو ایک معمولی خدمت گار ـــ اور اُس کی یہ جراٴت ـــ!

آخر اُس نے کونسی گستاخی کی ؟ ـــ تھیوڈورا جو پچھلی رات شمالی ہواؤں کی تختۂ مشق بننے والی تھی، اس پر تاتار نے رحم کھاتے ہوئے اپنا کمبل ڈال دیا یا کچھ اور ؟

اُس نے کہا تھا : "یہ شمالی ہوائیں بڑی خطرناک ہیں" اُس نے سچ کہا تھا : "خاص طور پر پچھلی رات ان کی شدّت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے" اِس میں کیا شک ہے "آپ ایسی نازک دوشیزہ کا اس وقت کھُلے میدان میں پڑے رہنا ٹھیک نہیں ہے" نازک دوشیزہ کہنے میں کیا قباحت ہے ؟ اُس نے مجھے گالی تو نہیں دی۔ میرے وقار کا مذاق تو نہیں اُڑایا "اگر آپ ایسی فراغت کے ساتھ نہ سو رہی ہوتیں" فراغت پر اعتراض کیا جا سکتا ہے مگر اس میں قصُور کس کا ہے ؟ اگر مَیں واقعی یہ غلطی نہ کرتی تو اُسے لفظ فراغت استعمال کرنے کا موقعہ ہی کیوں ملتا ! اُس نے ٹھیک کہا تھا، اگر میں یُوں بے سُدھ نہ ہوتی "تو میں آپ سے خانقاہ کے اندر چلے جانے کی درخواست کرتا"

باپ کی موت سے لے کر اس وقت تک ساری دنیا میں یہ پہلا نوجوان ہے، جو مجھ سے درخواست کرنا چاہتا تھا۔ اب تک کسی مسیحی کو مجھ سے درخواست کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔" لیکن آپ کو نیند سے جگانے کی جرأت نہ کرسکا۔" حالانکہ آج تک ہر خانقاہ کا پادری یہ کوشش کرتا رہا کہ مَیں چین سے سو بھی نہ سکوں۔ مَیں نے بڑی بداخلاقی کا ثبوت دیا۔ اُس کے احسان کا شکریہ تک ادا نہ کیا، اور جسے صوفیہ اُجڈ اور گنوار تاتار کہتی ہے اُس نے کِس اخلاق اور تہذیب کا مظاہرہ کیا۔ جب مَیں خاموش رہی تو وہ چُپ چاپ واپس چلا گیا۔

اور وہ واپس نہ جاتا تو اور کیا کرتا! اُسے معلوم نہیں کہ میں نوابزادی تھیوڈورا ہوں، جس کے حُسن و شباب کی قوّت پر جوبین یا دوسرے لفظوں میں مسیحیت کی کامیابی موقوف و منحصر ہے۔ مَیں وہ ازابیلا نہیں ہوں جسے پاپائے روم کا نمائندہ ہنگری کے فرڈی ننڈ — ہنیاڑی سے اِس لئے منسوب کرنا چاہتا تھا کہ وہ بلقان کو ترکوں سے محفوظ رکھنے کا عہد کرے؟ مَیں وہ ڈینس نہیں ہوں جسے قسطنطنیہ کے شاہی محل کی زینت بنانے کے لئے قیصرِ روم ترس رہا ہے! مَیں وہ نن نہیں ہوں جس کے سامنے یورپ کا ہر ایک بشپ جھکنے کو تیار ہے؟

تھیوڈورا کے دل کی گہرائیوں سے ایک فریاد نکلی، جو اُس کے حلق تک آتے آتے درد میں تحلیل ہو کر رہ گئی۔ اس وقت سارا یورپ — یورپ کا مشرقی اور مغربی کلیسا، ان کلیساؤں کے عزّت و عظمت مآب پوپ اور قیصرِ روم اُس کے قدموں میں تھا۔ وہ یونانِ قدیم کی ڈینس کی طرح ایلس کی سب سے اُونچی چوٹی پر بیٹھی سارے یورپ کو اپنے سامنے ننگا دیکھ رہی تھی۔ یورپ کا مذہب و سیاست — دونوں اُس کے سامنے دیوانوں کی طرح ناچ رہے تھے۔

اِدھر ایک گنوار تاتاری نوجوان تھا۔ جوزیفیہ کی گمنام خانقاہ کا حقیر چوکیدار —

یورپ کی متحدہ فوجی قوّت، جولین کی ازابیلا، قیصر کی وینس کا طلبگار ـــ مَیں اس سے کیا فائدہ اُٹھا سکتی ہوں؟ وہ میری زندگی کے عظیم مقصد میں میری کوئی مدد کر سکتا ہے؟ کہیں وہ مغربی چاند کے چہرے کا داغ نہ بن جائے؟ مَیں چمکنا چاہتی ہوں۔ میں یورپ کے ساتھ ساتھ ایشیا میں بھی اپنی روشنی پھیلانا چاہتی ہوں۔ اگر مسیحیت کے علمبردار خود غرضیوں نفس پرستیوں اور بدکاریوں کا شکار ہو گئے تو اس سے مسیحؑ کی عظمت پر حرف نہیں آ سکتا۔ جس طرح مغرب میں اس کا بول بالا ہے، مشرق بھی اُس کا حلقہ بگوش ہو گا۔ وہ جس سرزمین میں پیدا ہُوا، وہاں اس کا نام برقرار رہنا چاہیئے۔ مغرب کی طرح مشرق بھی صلیب کے سائے میں آئے گا۔

محسوسات اور جذبات کی شدّت نے اُسے دیوانہ بنا دیا۔ وہ اپنی حالت پر ہنسی۔ حالات نے ایک خاموش سنجیدہ اور ناتجربہ کار دوشیزہ کو کس قدر بدل دیا تھا۔ وہ پریشان خیالات کی گرفت سے بچنے کے لئے باہر نکلی۔ میدان میں بلوط کے سائے دُور دُور تک پھیل گئے تھے۔ جس جگہ کل ایک نئی دنیا آباد تھی، وہاں اب کیسا انقلاب آ چکا تھا۔

صرف دو چھوٹی چھوٹی ٹولیاں باقی رہ گئی تھیں ـــ جو کل صبح کُوچ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھیں، سامنے تاتار کسی کے انتظار میں کھڑا تھا۔ تھیوڈورا کو یوں محسوس ہُوا جیسے وہ اسی کی راہ دیکھ رہا ہو ـــ کیوں؟ اُس کے دماغ میں فوراً ایک زلزلہ پیدا ہو گیا۔ یہ آخر میری راہ کیوں دیکھ رہا ہے۔ کل رات مجھ پر کمبل اوڑھانے کے صلے میں ـــ اوہ ـــ اُس کا وہ کمبل کہاں ہے ـــ؟ وہاں! گلاب کے پودوں کے پیچھے ـــ شاید وہ کمبل لینا چاہتا ہو۔ مگر اتنے لوگوں کے سامنے وہ اُسے کس طرح پودوں کے پیچھے سے مَیلا، پُرانا، کھُردرا کمبل نکال کر دے۔

وہ تاتار کو نظر انداز کرتی ہوئی خانقاہ کے شمال میں ندّی کی طرف چل دی اور شام تک

کنارے پہ ٹہلتی رہی، مگر تاتار ایک لمحے کے لئے بھی اُس کے ذہن سے معدُوم نہ ہُوا۔ اگر میں اُسے کمبل واپس نہ کروں تو بڑی بداخلاقی ہے۔ وہ کل رات ہمدردی کے حسین جذبے سے مجبُور ہو کر اپنا کمبل مجھ پر ڈال گیا تھا۔ اگر میں اسی جذبے کے تاثّر کا ثبوت نہ دُوں، تو مَیں اُس کی نظروں سے گر جاؤں گی۔ تو پھر کیا ہو گا؟ وہ کوئی جولین، ہنیاڈی یا قیصر مینوئل تو نہیں۔ نہ سہی۔ ایسے لوگوں کی نظروں سے گرنا خودداری کا ثبوت ہے، جو تاتار ایسے معمولی انسان کی نظروں سے گرنا گویا انسانیت کے معیار سے گر جانا ہے ــــ خیر ــــ! کوئی بات نہیں۔ مناسب وقت پر مَیں اُسے کمبل واپس کر دُوں گی ✽

○

شام ہو چکی تھی۔ تھیوڈورا خانقاہ کے میدان کی طرف آئی ــــ الاؤ پھر روشن ہو گئے تھے۔ گوشت پھر بھُن رہا تھا۔ کوہستانی دوشیزہ گوشت کی اس خوشبُو سے بے نیاز نہ رہ سکی۔ بھُنا ہُوا گوشت اُس کے من بھاتے کھانوں میں سے تھا ــــ جب وہ اِن لوگوں کے قریب آئی تو ہر شخص دُنبے کی رانیں بھُوننے اور کھانے میں مصروف تھا۔ وہ اُنہیں دیکھتی رہی اور تاتار اسے دیکھتا رہا۔

اس گروہ میں مختلف قسم کے لوگ تھے۔ جن کے بھُوننے اور کھانے کے انداز بھی مختلف تھے۔ تھیوڈورا اس نظارے میں محو تھی۔ زمانہ اُسے برسوں پہلے ماضی کے اِن واقعات کی طرف کھینچ لے گیا تھا جو حال کے اس واقعے سے بالکل ملتے جُلتے تھے ــــ بلقان کے دامن میں بعض تقریبوں پر بلقانی کاشت کار بالکل اِسی قسم کے اَلاؤ روشن کر کے گوشت بھُونتے اور بالکل اسی انداز میں زمین پر بیٹھ کر کھاتے۔

اگرچہ وہ کن اکھیوں سے تاتار کا تعاقب کر رہی تھی، مگر ظاہری طور پر اُس کی آنکھیں قافلے والوں پر ہی مرکوز تھیں۔ اور پھر اُس کے کانوں میں تاتار کی آواز سنائی دینے لگی۔

وہ کہہ رہا تھا :۔
"اگر آپ پسند کریں، تو تھوڑا سا بھنا ہوا گوشت آپ کو پیش کر دوں۔"
"کیا حرج ہے۔" تھیوڈورا نے اس طرح کہا، جیسے نہ تو اس نے تاتار کو دیکھا، نہ ہی پہچانا۔
تاتار کی حالت بدل گئی۔ اس نے خوشی سے بے تاب ہو کر کہا :۔
"اور اگر آپ اپنے ہاتھ سے بھون کر کھائیں تو زیادہ لطف آتا !"
"اس سے زیادہ بہتر اور کیا ہوگا۔"
تاتار کو جیسے پر لگ گئے۔ وہ بھاگتا ہوا گیا اور دنبے کی ران لے کر واپس آگیا۔
اس نے سامنے الاؤ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا :۔
"وہاں تشریف رکھئے، بھونئے !! اور لطف اٹھائیے !!"
سب سے پہلے تھیوڈورا کی نظریں ران پر پڑیں۔ جس کے اوپر چربی کی موٹی ملائم تہہ بڑی دلفریب نظر آتی تھی۔ اس کے بعد جیسے اس نے اپنے خیال سے چونک کر تاتار کو دیکھا، اور پھر اچانک وہ شرم و وقار کا شکار ہو کر رہ گئی۔ اس نے وقار کے مصنوعی جال میں پھڑپھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
"اوہ ! تم نے بڑی تکلیف کی۔ میرا مقصد یہ نہ تھا کہ ـــــ میں یہاں بیٹھ کر بھونتا اور کھانا پسند کرتی ہوں۔"
"آپ کی مرضی" ـــ تاتار کی آواز میں بے انتہا مایوسی جھلکنے لگی تھی : "ویسے اس احتیاط کی مطلق کوئی ضرورت نہیں ـــ یہاں سب مسافر ہیں۔ اور جب یہ یہاں سے چلے گئے تو شاید پھر زندگی کی کسی منزل پر بھی آپ کے سامنے نہ آئیں۔"
تھیوڈورا نے خاموشی سے تاتار کو دیکھا۔ دونوں ایک دوسرے کے محسوسات کی حقیقت کو سمجھنے لگے تھے۔ تاتار نے کہا :۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں بھون کر ـــ!"

"نہیں! نہیں!! ایسی کوئی بات نہیں، لاؤ ـــ! میں خود بھون لیتی ہوں۔"

دونوں الاؤ کی طرف بڑھے۔ قافلے والے جو قریب قریب کھانے سے فارغ ہو چکے تھے، انہیں جگہ دینے کے لئے ایک دوسرے کی طرف سرکنے لگے اور تھیوڈورا اطمینان سے بیٹھ کر گوشت بھوننے لگی ـــ الاؤ کے ایک طرف قافلے والوں کے لئے قہوہ تیار ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر خاموشی طاری رہی، جس کے دوران میں قافلے والے تکیوں اور درختوں کے تنوں سے ٹیک لگانے کی تیاریاں کرتے رہے، اور پھر قہوے کے انتظار میں باتیں ہونے لگیں۔ آج ناچ اور گانے کی کوئی محفل گرم نہ ہو سکی۔ کسی سوداگر نے موجودہ بدامنی پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا:۔

"اگر ترکوں اور بلقانیوں کے درمیان اسی طرح جنگ کی آگ سلگتی رہی تو دونوں ملکوں کے درمیان تجارت کا سلسلہ قطعی طور پر پھر معطل ہو جائے گا۔"

کسی اور نے کہا۔" ارے کیوں گھبراتے ہو۔ جنگیں بھی جاری رہتی ہیں اور تجارت بھی۔ اگر سچ پوچھو، تو جنگ بھی ایک قسم کی تجارت ہی تو ہے۔"

ایک قہقہہ بلند ہوا۔ تھیوڈورا کی توجہ ران سے ہٹ کر باتوں کی طرف منتقل ہو گئی۔

"ہاں ـــ! تجارت ہی سہی، مگر شاہی پیمانے کی تجارت ہے۔ اور جب تک بادشاہوں کی یہ تجارت جاری رہے، ہم ایسے نجی سوداگروں کا بازار تو بالکل مندا پڑ جاتا ہے۔"

"اتنا غم کیوں کرتے ہو۔ شاہانہ تجارتیں چونکہ انتہا پسندانہ قسم کی ہوتی ہیں۔ اس لئے تھوڑے سے وقت میں ان کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اگر آج نہیں تو کل ـــ کل نہیں تو پرسوں امن ہو جائے گا۔"

"اب کی چھو منتر سے امن قائم نہ ہو گا ـــ جب تک ترک سارا بلقان فتح نہ کر لیں۔

یا بلقانی ترکوں کو یورپ سے نکال نہ دیں۔ اس وقت تک امن قائم ہونے کا کوئی امکان نہیں۔"

"میرا تو خیال ہے۔ اس مرتبہ بلقانی یورپ کو ترکوں سے صاف کرکے دم لیں گے۔"

"یہ تمہارا خیال ہے۔ ترک یورپ میں اس لئے داخل نہیں ہوئے کہ یہاں سے واپس چلے جائیں۔"

"ارے تم نے تجارت کرتے کرتے سیاست کا کب سے کاروبار شروع کر دیا؟ تمہیں کیا خبر سیاست کیا ہے؟"

"تمہیں تو ہے؟"

"ضرور ہے۔ اسی لئے تو کہتا ہوں کہ اب ترکوں کو آدرنہ سے بوریا بستر لپیٹنا ہوگا۔"

"کیوں؟"

"بھئی بہت خوب! اچھا تم ہی بتاؤ، یورپ میں آدرنہ کے سوا ترکوں کے پاس اور کیا ہے؟"

"ارے یہ کیا کم ہے کہ اُن کے پاس آدرنہ ہے، جو قوم آدرنہ پر قابض ہو کر اُسے اپنے دارالخلافے میں منتقل کر سکتی ہے، وہ اور کیا نہیں کر سکتی؟"

"ارے عقل کے دشمن! کسی جگہ قبضہ قائم رکھنے کے لئے بہت سی دوسری باتوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ترکوں کی ایشیائی سلطنت اور اُن کے یورپی دارالخلافے کے درمیان سمندر واقع ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ ترکوں کے پاس اس وقت ایک جہاز بھی نہیں ہے، اور پھر ان کی ایشیائی اور یورپی سلطنت کے درمیان ناقابلِ تسخیر قسطنطنیہ ابھی تک موجود ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ ترکوں سے زیادہ بے وقوف قوم دُنیا میں نہ تو پیدا ہوئی ہے نہ ہوگی — یہی آدرنہ — جو اس وقت

عثمانیوں کا دار الخلافہ ہے، عنقریب ان کے قبرستان میں منتقل ہو جائے گا۔"

"تم دونوں نادان ہو"۔ ایک تیسرے شخص نے جو قہوہ تیار کر رہا تھا، بلند آواز میں کہا — "کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ ترکوں نے یہی سمندر — جو اس وقت اُن کی ایشیائی اور یورپی سلطنت کے درمیان حائل ہے، گیلیوں کے گٹھوں پر عبور کر کے گیلی پولی پر قبضہ کیا تھا۔ تم کہتے ہو، ترکوں کے پاس بحری بیڑا نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں، یورپ کے متحدہ بحری بیڑے کو ذرا درۂ دانیال کی طرف جانے کو کہو تو — ! دُور کیوں جاتے ہو، ترکوں کی مختصر سی تاریخ پر غور کرو! جس قوم کا آج سے صرف دو سو سال پہلے نام و نشان تک نہ تھا۔ آج اس کے شہسوار بلغاریہ کو پامال کرتے ہوئے بلگریڈ کی دیواروں کے نیچے اپنے جھنڈے لہرا رہے ہیں۔ تم دیکھ لینا بلقان کا کیا حشر ہوتا ہے!"

تھیوڈورا کے ہاتھ سے ران نیچے گر گئی۔ وہ حیرت سے اِس بوڑھے تاجر کو دیکھ رہی تھی جو سب سے الگ بیٹھا قہوہ پیالیوں میں ڈال رہا تھا۔ اُس نے بڑے اشتیاق کے ساتھ پوچھا:—

"ترکوں کی تاریخ صرف دو سو سال پُرانی ہے؟"

"جی!" اُس نے تھیوڈورا کو دیکھا۔ مُسکرایا، اور اُسے قہوے کی پیالی پیش کرتے ہوئے کہا — "آپ کو اتنا بھی معلوم نہیں۔ آپ نے اپنی عمر کہاں گزاری ہے؟"

"اگر آپ کو معلوم ہے" — تھیوڈورا نے پیالی لے کر شکریہ ادا کرنے کے لئے جھکتے ہوئے کہا — "تو میری معلومات کے لئے اُسے بیان فرمانے کی تکلیف گوارا کریں گے؟"

"ضرور! ضرور!!" سوداگر نے اپنے ساتھیوں پر برتری کی نگاہ ڈالتے ہوئے کہا — "مگر سب سے پہلے مجھے اِس بات پر افسوس کر لینے دیجئے کہ ترکوں کے حالات سننے کے

اشتیاق میں آپ نے کتنی عمدہ ران ضائع کر دی۔ کیا آپ مجھے اس نقصان کی تلافی کا موقعہ عنایت فرمائیں گی؟"

اور اُس نے تھیوڈورا کے جواب کا انتظار کئے بغیر اپنے تھیلے میں سے ایک سُوکھی ہوئی ران نکالی۔ اور تھیوڈورا کو دیتے ہوئے کہا ـــــ "یہ خالص اناطولوی دُنبے کی ران ہے، جن کے گلّے ترک پالتے ہیں۔ آپ ران بھُونیئے اور میں ترکوں کی تاریخ بیان کرتا ہُوں۔"

آٹھواں باب

یورپ کے فاتح

داستان گو کو تیار ہوتے دیکھ کر تاتار اپنی جگہ سے اُٹھا۔ اُس نے ایک ساتھ ہی الاؤ پر بہت سی لکڑیاں ڈال دیں۔ وُہ نہ چاہتا تھا کہ کہانی کے دوران میں اُسے آگ روشن رکھنے کے لئے بار بار اُٹھنا پڑے ___ مگر وہ یہ نہ سوچ سکا کہ اس طرح انگارے دب جائیں گے اور آگ بجھ جائے گی۔

ایک سوداگر نے جو قیبوطورا کے قریب گاؤ تکیے کا سہارا لئے لیٹا ہوا تھا، تاتار کو حقارت سے دیکھا اور کہا :۔

"میں شروع ہی سے محسوس کر رہا تھا کہ یہ گنوار مجلس کے آداب سے ناواقف ہے۔ اُسے یہاں نہیں بیٹھنا چاہیئے"۔

"بدتمیز کہیں کا"۔ دوسرے نے حسرت بھری نظروں سے آگ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہاں بیٹھ کر اپنا وقت کیوں ضائع کر رہے ہو؟ جاؤ اپنا کام کرو! تمہیں تاجداروں اور شمشیر زنوں کے واقعات سے کیا تعلق؟"

تیسرے سوداگر نے قہوے کا گھونٹ پیتے ہوئے کہا "چلو جانے بھی دو یار۔ اگر وہ بے وقوف ہے تو تم ہی حوصلے سے کام لو۔"

تھیوڈورا نے اس جھگڑے کو چکانے کے لئے اپنی دلفریب مسکراہٹ سے کام لیا۔ اُس نے ساری مجلس پر ایک بھرپور نظر ڈالتے ہوئے کہا:

"دیکھئے! آپ لوگوں کی تکرار میں کہیں میں ران بھونتا ہی نہ بھول جاؤں۔ تیسری بار ایسا عمدہ گوشت ملنے کی مجھے کوئی اُمید نہیں اور پھر ———!" اُس نے داستان گو کی طرف دیکھا ——— "شاید اُنہیں بھی اپنی کہانی سُنانے کا موقعہ نہ مل سکے۔"

"نہیں! نہیں!!" داستان گو نے تھیوڈورا کی مسکراہٹ اپنی آنکھوں میں سمیٹتے ہوئے کہا: "ایسی کوئی بات نہ ہوگی۔ ہمیں قدم قدم پر ایسے ہی لوگوں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ میں آپ کو ترکوں کے حالات ضرور سُناؤں گا اور اگر آپ اطمینان سے بیٹھ کر سُنتی رہیں، تو میں شاید صبح تک تھکنے کا نام نہ لوں۔"

اب ہر شخص آنکھوں آنکھوں میں تھیوڈورا کے حسن و معصومیت کی داد دینے لگا۔ اُن کی ساری عمر افریقہ، ایشیا اور یورپ کے مختلف شہروں میں گزری تھی۔ اُنہیں حسن و جمال کو مختلف زاویوں سے دیکھنے کا موقعہ بھی ملا تھا۔ مگر جو بات تھیوڈورا میں تھی وہ دُنیا میں اور کہیں نہ دیکھی تھی۔

داستان گو نے قہوے کا گھونٹ پیا۔ ساری مجلس پر نظر دوڑائی۔ اپنے ساتھیوں کو فخر کے ساتھ دیکھا، اور ——— داستان شروع کرتے ہوئے کہا:۔

پُر آشوب ——— تیرھویں صدی میں سارا ایشیا غیر متوقع اور انتہائی ہولناک انقلاب میں سے گزر رہا تھا۔ چنگیز خانی منگول درندے وسطی ایشیا کے میدانوں سے بے لگام ہو کر ٹڈی دَل کی طرح اُن شہروں کی طرف بڑھ رہے تھے، جو تہذیب و تمدن کے گہواروں کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ سیلاب گردابِ بلا کی طرح مشرق کے تقریباً تمام قدیم اور خوشحال و

آباد شہروں کی طرف چنگھاڑتا ہوا بڑھا۔ اور جہاں جہاں سے گزرا، اپنے پیچھے قبرستان اور ویرانے چھوڑتا گیا۔

ایشیا کے میدانوں میں بسنے والے قدیم چھوٹے چھوٹے قبیلے اس سیلاب سے بچنے کے لئے پناہ گاہیں تلاش کرنے لگے۔ ایک ترک قبیلہ جسے تاتاری حملوں نے خانہ بدوشی پر مجبور کر دیا۔ اپنے آبائی وطن سے ہجرت کر کے اناطولوی ترکوں میں شامل ہو گیا۔ اس قبیلے کے سردار کا نام ارطغرل تھا۔ اور یہیں سے یہ قبیلہ عثمانی ترکوں کے نام سے ایشیا اور یورپ کی تاریخ میں اپنے مستقبل کے لئے ایک نمایاں مقام حاصل کرتا ہے۔

تیرھویں صدی اپنا نصف راستہ طے کر چکی تھی۔

ایک دن تاتاریوں نے اناطولیہ کے سلجوق سلطان کیقباد کی سپاہ کو انگورہ کے قریب اچانک اس طرح گھیر لیا کہ سلطان کو بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ لمحہ بہ لمحہ دشمن کا پلہ بھاری ہو رہا تھا۔ اتفاق سے سلطنتِ عثمانیہ کے بانی ارطغرل نے اپنے قبیلے کے چار سو نوجوانوں کے ساتھ اس میدان میں قدم رکھا، جہاں جنگ کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اگرچہ چار سو ترک جوانوں کا یہ قافلہ بڑی بے سروسامانی کے عالم میں فرات کے کنارے سے یہاں تک پہنچا تھا، مگر چونکہ سردار سپاہی تھا، اس لئے تیر و سناں کی موسیقی اور پرچم و شہ سواروں کے رقص کو نظر انداز نہ کر سکا۔ اور اپنے جوانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

"دوستو! ایک تھکے ہوئے مسافر کی طرح ہمارا اس منزل سے خاموش آگے بڑھ جانا نا ممکن ہے۔ ہمیں قسمت نے ایک عجیب بازار میں لا کھڑا کیا ہے جہاں سے اپنے بازو آزمائے بغیر کم از کم میں تو کسی اور طرف جانے کو تیار نہیں۔ البتہ یہ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے کہ ہم ان دونوں متحارب فریقوں میں سے کس کا ساتھ دیں؟"

اور اس کے ایک پختہ کار مشیر نے جواب دیا" اگر ہمیں قسمت آزمائی ہی کرنی ہے تو پھر اس فریق کا ساتھ دیں جس کا پلڑا بھاری نظر آتا ہے۔"

ارطغرل نے تھوڑی دیر کے لئے اس تجربہ کار مشیر کی بات کو تولا۔ اگر ان چار سو نوجوانوں نے اس فریق کا ساتھ دیا جو فتح کی لذت سے شاد کام ہونے والا ہے تو یہ بہادری کی روح اور انسانی شرف کے منافی ہوگا۔ ایک سچے سپاہی کی یہ شان نہیں ہے کہ ذاتی فائدے کے لئے ظالم کا ساتھی بن جائے۔ اُس کا کام تو یہ ہے کہ اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال کر بھی مظلوم کی حمایت کرے۔ میں یقیناً ایسا ہی کروں گا۔ میں بہادروں کی اس ریت کو نبھاؤں گا، چاہے اِس کے لئے مجھے اپنی جان کی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد اُس نے ذرا کی ذرا رُک کر میدانِ جنگ کا جائزہ لیا۔ کمزور فریق دبا دیا تباہی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ دشمن نے پُوری طرح اُسے نرغے میں لے لیا۔ یہ دیکھ کر اُس نے تلوار سونتی، گھوڑے کی لگام موڑی، اور اُسے مہمیز لگاتے ہوئے بولا :—

" میری جنّت یہ گوارا نہیں کرتی کہ کمزور کی امداد سے منہ موڑ کر طاقتور کو اور زیادہ قوی بناؤں۔ میں آخری وقت کمزور انسانوں کا ساتھ دُوں گا۔"

ارطغرل نے یہ بھی پرواہ نہ کی کہ کوئی اُس کے پیچھے آ رہا ہے یا نہیں، اور وہ ایک بپھرے ہوئے شیر کی طرح اُن صفوں میں گھُس گیا، جو کیقباد کو زندہ گرفتار کرنے کے لئے طوفان کی طرح میدان پر چھا گئی تھیں۔ ارطغرل کا سارا قبیلہ اس کے ساتھ تھا۔ چار سو نوجوانوں کی شجاعت نے میدان کا نقشہ بدل دیا جو سپاہ برابر پیش قدمی کر رہی تھی، اب اُسے میدان میں اپنا سر چھپانے کے لئے پناہ کی جگہ نظر نہ آتی تھی، اور جو سپاہ میدان سے بھاگنے کا فیصلہ کر چکی تھی، اب اُس کے قدم جم گئے تھے۔ تاتاریوں نے عبرتناک

شکست کھائی اور سلجوق سلطان کامیاب ہوا۔

مبارک ـــ سلامت کے نعروں کی گونج میں کیقباد، ارطغرل کے مُنہ کو حیرت و عقیدت سے دیکھ رہا تھا، اور ارطغرل غالباً یہ خیال بھی نہ کر سکتا تھا کہ اُس نے اپنے من کی موج میں آکر اس وجدانی سپاہیانہ عمل کے ذریعے ایک ایسی بڑی سلطنت کی بنیاد رکھنے کے لئے پہلا قدم اُٹھایا ہے جس کی قسمت میں تین صدیوں تک حشمت و شوکت لکھی گئی تھی۔

سلجوقی سلطان نے بھی اپنے غیر متوقع حلیف کی سپاہیانہ صفات کا صلہ دینے میں تنگدلی سے کام نہ لیا۔ اس نے سلجوقی سلطنت میں آباد ہونے کے متعلّق اجنبیوں کی خواہش کا احترام کیا۔

گرمیوں میں یہ قبیلہ ارمنی نامی اس کوہستان کی طرف منتقل ہو جاتا جو بی تھینیا کے بزنطینی صوبے کی مدافعت کے لئے فصیل کا کام دیتا تھا۔ اسی صوبے میں بروسہ اور نیکیا کے نام سے وادیوں کے دو قدیم شہر واقع تھے اور سردیوں میں ترک خانہ بدوش اپنے مویشیوں کے گلّے جنوبی ڈھلوانوں سے سقاریہ کی وادیوں میں ہانک لاتے جہاں صغد نامی شہر آباد تھا، جسے یونانی تھے بی سیون کہتے تھے ـــ ترکوں کے دارالخلافے کی حیثیت رکھتا تھا ـــ

صغد کے عقب میں انگورہ آباد تھا جہاں وہ پہلے پہل ـــ ایک گھمسان کے رَن میں بے دھڑک کُود پڑے تھے۔ اُن کے سامنے بروسہ کی قدیم یونانی عمارتوں کے مینار دُور سے نظر آتے تھے ـــ یہاں اُنھوں نے ایک بار پھر اپنی خداداد شجاعت اور جنگی صلاحیتیں ظاہر کیں۔ جب منگول یونانیوں کے ساتھ متحد ہو کر دوبارہ حملہ آور ہوتے تھے ـــ اب کی ارطغرل نے حملہ آوروں کو سمندر میں دھکیل دیا۔

کوہستان ارمنی کی کامیاب مدافعت نے ارطغرل کی شہرت کو ساری سلجوقی سلطنت میں دوام بخش دیا، کیونکہ اِس جنگ میں ارطغرل شروع سے آخر تک سلطانی محافظ دستے

کے ساتھ ہراول کی حیثیت میں تن تنہا سب سے آگے لڑتا رہا۔ اِس خدمت، جانبازی اور وفاداری کے صلے میں کیقباد نے ارطغرل کو مستقل طور پر آسکی شہر کی حکومت سونپ دی اور میدانِ جنگ میں ارطغرل کی سب سے پہلی صف میں جنگ کی یادگار برقرار رکھنے کے لیئے سلطان نے آسکی شہر کو۔۔۔ سلطانونی۔۔۔ "شاہی محاذ" کا نیا نام عطا کیا جو آج تک من وعن برقرار ہے۔

سلطانونی۔۔۔ آسکی شہر۔۔۔ نوواردوں کے لیئے ایک ایسی امانت کی حیثیت اختیار کر گیا جس کے لیئے وہ انتہائی اہل اور ذمہ دار امین ثابت ہوئے۔۔۔ یہ مقام بزنطینی صوبے بی تھینیا کی سرحدوں پر رومی اور اسلامی سلطنت کے درمیان ایک فوجی نوعیت کی رکاوٹ تصور کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی، کہ مسلمان مجاہد مشرقی کلیسا کے خلاف یہاں ایک کامیاب محاذ قائم کرنے میں کامیاب ہوتے۔

اِس طرح شروع میں عثمانی ترکوں کے لیئے سلطانونی کی سرحدی چوکی نے ایک ایسے محفوظ حصار کی شکل اختیار کر لی۔ جہاں سے وہ آسانی کے ساتھ بزنطینی سلطنت پر قبضہ کر سکتے تھے، اور اُنہوں نے اِس حصار سے پُورا پُورا فائدہ اُٹھایا۔ ارمنی اور طمناس کی ڈھلوان چراگاہوں اور دریائے سقاریہ سے سیراب ہونے والے شاداب میدانوں میں گلہ بانی کرتے کرتے ترک نوواردنہ صرف تعداد اور دولت میں ترقی کرتے رہے بلکہ اُن کی فوجی قوّت میں بھی اضافہ ہوتا گیا اور رفتہ رفتہ اُس زرخیز خطّے کے مالک بن گئے۔ جس میں گنجان اور متموّل ومتمدّن شہر شامل تھے۔

سلطانونی۔۔۔ اپنے وسیع باغات، حماموں اور سراؤں کی وجہ سے مشہور تھا۔ صغد۔۔۔ ارطغرل کی بے تاج سلطنت کا دارالحکومت تھا جہاں آج بھی اس کا مزار موجود ہے اور چھوٹی چھوٹی بستیوں کے علاوہ اور بہت سی جگہیں آخر کار ایک ایسے ضلع میں مدغم ہو گئیں جس میں عثمانی سلطنت کا پنگھوڑا ابتدائی طور پر بڑی حفاظت کے

ساتھ جھُولنے لگا۔ اور یہیں صغت میں ارطغرل کا لڑکا پیدا ہُوا جس کا نام عثمان رکھا گیا۔

چونکہ عثمان ہی وہ پہلا ترک سردار ہے، جس نے اپنے کندھے سے سلجوقی اقتدار کا جُوا ہمیشہ کے لیئے اُتار پھینکا، اس لیئے ارطغرل کا سارا قبیلہ اس آزادی اور خُود مختاری کی یادگار میں ـــ عثمانی کہلانے لگا۔

یہ حقیقت ہے کہ عثمان ایک جنگجُو قوم کے افسانوی ہیرو کی حیثیت اختیار کرنے کے لیئے انتہائی موزوں شخصیت ثابت ہوئی۔ امن کے اس طویل دَور نے عثمان کو ان شاندار فتوحات کے لیئے تیار ہونے کے مواقع فراہم کیئے، جن کے باعث وہ اپنے آخری ایّام میں شہرت کے بامِ عروج پر جا پہنچا۔

ارطغرل کی موت پر عثمان اُس کا جانشین قرار دیا گیا۔ اور سلطان کیقباد نے نوجوان شہزادے کے دل سے اپنے باپ کی موت کا غم دُور کرنے کے لیئے اسکی شہر کے علاوہ کرجا حصار کی حکومت بھی عثمان ہی کے سپُرد کر دی ۔

○

تھیوڈورا نہ جانے کہاں پہنچ چکی تھی۔ اُس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ران انگاروں پر جلنے لگی تو داستان گو نے اپنا بیان روکتے ہوئے کسی قدر بیتابی کے ساتھ کہا:۔

" ارے آپ کہاں ہیں؟ سچ کہتا ہُوں، اگر یہ ران ضائع کر دی تو پھر واقعی اور کچھ نہ ملے گا۔"

" اوہ ـــ!" تھیوڈورا نے جلدی سے ران والا ہاتھ آگ سے دُور ہٹاتے ہوئے کہا:۔

"انہیں قہوے کی ایک اور پیالی دے دو!" تکیئے پر بیٹھے ہوئے سوداگر نے داستان گو سے کہا۔ "صاحبزادی اُونگھ رہی ہیں۔ میں پہلے ہی کہتا تھا۔ خانقاہ میں رہنے والے لوگوں کو سپاہیوں کے افسانوں سے کیا واسطہ؟"

"نہیں! نہیں!!" تھیوڈورا نے جیسے چیخ کر کہا ـــــ "میں جاگ رہی ہوں۔ خدا کے لئے قہوے میں وقت ضائع نہ کیجئے اور اپنی داستان جاری رکھئے ـــــ" اُس نے محفل میں ایک بار پھر زندگی پیدا کر دی۔ داستان گو کی طرف دیکھا، مسکرائی، اور کہا۔

"اچھا ـــــ پھر؟"

"پھر ـــــ!" داستان گو نے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "حالات نے عثمانیوں کو زیادہ دیر تک موقع نہ دیا کہ وہ اطمینان اور تحفظ کے ساتھ پہاڑیوں کے دامن میں اپنے مویشی چراتے اور گلّے پالتے رہیں۔

دراصل رومی سلطنت کے مضبوط سرحدی قلعوں کے سائے میں رہنے کے لئے ایک مسلسل حرکت، ایک لگاتار جدّوجہد کی ضرورت تھی اور ـــــ ترک اپنی آزادی اور بقا کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار تھے ـــــ

چنانچہ عثمان نے ایک ایک کر کے اُس صوبے کے چھوٹے چھوٹے موروثی سرداروں کو مطیع کیا، پھر یکے بعد دیگرے رومی سلطنت کے سرحدی قلعوں پر بھی اپنا پرچم لہرایا ـــــ حتیٰ کہ اُس کے اقتدار کا حلقہ ینی شہر تک پھیل گیا جہاں سے رومیوں کے دو عظیم الشان ایشیائی شہروں ـــــ بروسہ اور نیکیا کی فصیلیں صاف دکھائی دیتی تھیں، اور جب ایک بار پیش قدمی کی لہروں میں تموّج پیدا ہو تو پھر ایک کے بعد ہر دوسری لہر اپنی رفتار اور قوت میں پہلے سے کہیں بڑھی چڑھی اُٹھتی ہے ـــــ اسی طرح ترکوں کا اقتدار بھی بتدریج بڑھتا اور پھیلتا چلا گیا، چنانچہ یہ چھوٹی سی ریاست اب ایک مضبوط عثمانی سلطنت کی شکل اختیار کرنے لگی تھی۔

ینی شہر پر قبضہ کرتے ہی عثمان نے قریبی رومی شہروں کی طرف مہمیں بھیجنی شروع کر دیں، اور اس سے پہلے کہ رومی سلطان کی فوجیں ترکوں کے خلاف حرکت میں آئیں ترک بہت سے سرحدی قلعوں پر قابض ہو چکے تھے اور آخر کار ـــــ جب رومی بافیوتم میں ترک سپاہ کے سامنے آئے تو انہوں نے قطعی طور پر اُن کا خاتمہ کر دیا ـــــ ترک شہسواروں کے گھوڑے سارے بی تھینیا میں پھیل گئے۔ اور اب یونانیوں کو نیکیا کی فصیلوں سے باہر جھانکنے کی بھی جرأت نہ ہو سکتی تھی۔

اِن کامیابیوں کے بعد عثمان نے اپنی پیش قدمی روک دی اور بحیرۂ روم کے کناروں پر ٹھہر گیا جہاں اُس نے اپنی بحری قوت کے استحکام اور تنظیم کی طرف توجہ دینا شروع کر دی۔

تھوڑے ہی عرصے میں، اُس نے اتنا مضبوط بیڑا تیار کر لیا کہ اب وہ خشکی کے علاوہ سمندروں پر بھی دشمنوں سے فوقیت حاصل کر چکا تھا، اُس نے اطمینان کا سانس لیا اور للچائی نظروں سے ـــــ نیکیا کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن ساتھ ہی اُسے خیال آیا "جب تک وہ بروسہ کے در و دیوار کو مسخر نہ کر لے، اُس وقت تک اُسے آگے نہیں بڑھنا چاہیئے۔"

اور پھر جب

ـــــ بروسہ کا محاصرہ جاری تھا اور عثمان کا وہ رسالہ جو اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے "فضائی رسالہ" کہلاتا تھا، باسفورس اور بحیرۂ اسود کے کناروں پر اپنے سموں سے گرد و غبار کا طوفان اُٹھا رہا تھا، اور ـــــ

ـــــ بحیرۂ روم کے سینے پر ترکی بیڑے کے بادبانوں کا سایہ پوری طرح پڑ رہا تھا، اُس وقت، ٹھیک اُنہی لمحات میں ـــــ قسطنطنیہ کے سب سے اُونچے مینار پر کھڑا، رومی سلطان اُنہیں محض دیکھ رہا تھا۔

دس سالہ طویل محاصرے کے بعد بروسہ والوں نے ہتھیار ڈال دیئے، اور عثمان کے صاحبزادے ــــ اورخان نے اس کی فصیل پر عثمانی پرچم لہرایا۔

عثمان نے صبر اور استقلال کے ساتھ جس پودے کی آبیاری کی تھی، وہ اب پھل لا رہا تھا ــــ فتح کی خوش خبری سننے کے لئے وہ زندہ رہا، اور ستر برس کی عمر میں چھبیس برس حکومت کرنے کے بعد مر گیا ــــ اُس کی آخری خواہش تھی کہ اُسے تازہ فتح کئے ہوئے شہر بروسہ ہی میں دفن کیا جائے، جو اَب تیزی سے بڑھتی ہوئی اس سلطنت کا نیا دارالحکومت تھا۔

اِس میں کوئی شک نہیں کہ ایشیائے کوچک میں اس قبیلے کے قدم جمانے والا ارطغرل تھا۔ مگر نہ اُس نے آزادی حاصل کی اور نہ اُس کا درجہ ایک عام فوجی سردار سے بلند ہُوا ــــ سلطنتِ عثمانیہ کا صحیح خواب دیکھنے والا پہلا شخص دراصل عثمان تھا۔

اگرچہ اس کا پورا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہُوا ــــ قسطنطنیہ کے رومی پرچم کو وہ جھکتا ہُوا نہ دیکھ سکا! تاہم اس کی فتوحات کا حلقہ ہیلس پانٹ ــــ رومی تہذیب و تمدن کے گہوارے کی سرحدوں تک پھیل گیا۔ اُس نے اپنے بیٹے کو بروسہ میں اقتدار کے تخت پر بٹھایا، نیکیا اور نیکومیڈیا ــــ ازنیک اور ازمید ــــ کی فوری فتوحات کے لئے راستہ ہموار کیا، باسفورس کے کناروں پر ترکی اقتدار کی بنیادیں استوار کیں اور فتوحات کے ایک ایسے شاندار دَور کا آغاز کیا جسے اُس کے جانشینوں نے لاثانی بنا دیا۔"

داستان گو نے لمحہ بھر توقّف کیا ــــ پھر اُس نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ــــ "کیا تم جانتے ہو عثمان نے اپنے پیچھے کیا چھوڑا؟"

اُس نے باری باری ہر سوداگر پر نگاہ ڈالی اور آخر تاتار کو گھورتا ہُوا وہ تھیوڈورا کے معصوم چہرے پر اپنے سوال کا جواب تلاش کرنے لگا ــــ بلقان کی یہ الھڑ دوشیزہ بھلا اس تاریخ کو کیا جانتی، اُس کی جھکی ہوئی نگاہیں اپنی کم علمی کا ثبوت دے رہی تھیں! داستان گو نے

بھی اُسے زیادہ آزمانے کی ضرورت محسوس نہ کی اور اپنا بیان جاری رکھا :۔

"سلطنتِ عثمانیہ کے بانی نے اپنے پیچھے سونے اور چاندی پر مشتمل کوئی خزانہ نہ چھوڑا ! اس کا سارا ترکہ نمک سے بھرے ہوئے پیالے ۔۔۔ جو مہمان نوازی کی بہترین نشانی قرار دئے جاتے تھے ۔ ایک تمچہ ایک کڑھے ہوئے کوٹ، سفید ململ کے عمامے، جنگی پرچم، چند اعلیٰ نسل کے تیز رفتار گھوڑوں، بیلوں کی ایک جوڑی اور بھیڑوں کے کچھ گلوں پر مشتمل تھا جو اُس کا قبیلہ ابھی تک بروسہ کی چراگاہوں میں ہانکتا پھرتا تھا ۔۔۔

اگرچہ اُس کا لباس بے حد سادہ تھا، مگر اُس کی شخصیت میں بَلا کا اثر تھا ۔ اُس کی تلوار اُس کے گھٹنے سے بڑھی ہوتی ۔ اُس کے کُوہلے ایک بے نظیر سوار کے سے تھے ۔ خوبصورت ستواں ناک اور داڑھی کے گھنے بالوں کی رعایت ہے وہ " سیاہ عثمان " مشہور ہو گیا تھا ۔

مشرق میں شب رنگ کسی قدر وقار و احترام سے دیکھا جاتا ہے ۔ اِس رنگ کے ساتھ نہ صرف ایک مضبوط کردار بلکہ جسمانی قوّت و توانائی کا احساس بھی وابستہ ہے ۔۔۔ سیاہ عثمان نے اپنے جانشینوں میں کئی پشتوں تک اپنی مخصوص طبعی خصوصیات بڑی کامیابی سے منتقل کی تھیں، اور کم از کم تین سو سال تک عثمانی سلطنت کے تخت پر ایک سلطان بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اپنی ذاتی شجاعت اور جانبازی کے اعتبار سے ممتاز ثابت نہ ہوا ہو ۔ حقیقت میں شجاعت ترکوں ہی کی میراث ہے "

O

رات بھیگ چکی تھی ۔

اور ایک بوجھل سکوت جوزیفیہ کی بیرونی دنیا پر قابض ہو چکا تھا ۔۔۔ اِس ماحول

میں داستان گو کے انداز نے ترکوں کی تاریخ کے انتہائی شاندار واقعات میں ایسے رنگ بھر دئیے تھے جو وقفے وقفے بعد، پردے پر بدل بدل کر سامنے آ جا رہے تھے۔ — ہر شخص شوق سے وارفتہ ہو کر اس پردے کے اندر جھانکنے کی کوشش میں محوِ تھا —

داستان گو تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گیا تھا — اُس کی نظریں آگ پر تھیں جو اب آہستہ آہستہ مدھم ہو رہی تھی۔ تاتار اُٹھنا تو نہ چاہتا تھا۔ مگر تھیوڈورا سردی کے مارے بے چین نظر آتی تھی، وہ اُٹھا۔ اِدھر اُدھر سے لکڑیاں جمع کیں، اور اُنہیں سلیقے سے الاؤ میں جھونکنے لگا۔

جس سوداگر نے اُسے پہلی بار ڈانٹا تھا، وہ تاتار کی یہ احتیاط دیکھ کر کہنے لگا:

"میرا خیال تھا کہ تم ساری عمر سادہ ہی رہو گے، مگر نہیں — سکھانے سے آدمی بن سکتے ہو۔"

تھیوڈورا یہ بات سُن کر مسکرائی۔ اُس نے تاتار کو دیکھا جیسے وہ یہ سوچ رہی ہو: "کیا — میں اُسے مہذّب بنا سکتی ہوں؟"

جو سوداگر لیٹا ہوا تھا، اُس نے داستان گو سے مخاطب ہو کر کہا:

"اگر چاہتے ہو کہ میں جاگتا رہوں، تو پھر داستان شروع کرنے سے پہلے قہوے کا ایک دَور اور ہو جائے۔"

"ہو جائے!"

"تو پھر کرو تیار!"

"نہیں! نہیں!!" تھیوڈورا نے بیتابی سے کہا۔ "آپ داستان جاری رکھیئے، میں قہوہ تیار کرتی ہوں۔"

داستان گو نے تھیوڈورا کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا، جیسے وہ کہہ رہا ہو —

تمہارے ہاتھ سے تو زہر بھی پینے کو جی چاہتا ہے۔ مگر تم اتنی تکلیف کیوں کرتی ہو؟ لیکن تاتار کو تھیوڈورا کی مدد کرتے دیکھ کر وہ مطمئن ہو گیا ۔۔۔ تھیوڈورا کی نظریں اُس کے چہرے سے کھیلنے لگیں۔ اُس نے بڑے معصومانہ اشتیاق کے ساتھ کہا :۔

"پھر ۔۔۔؟"

"اوہ ہاں ۔۔۔!" اُس نے تھیوڈورا سے پوچھا ۔۔۔ "ہم کہاں تھے؟"

"ہم سیاہ عثمان کو بروسہ میں دفن کر چکے ہیں۔"

یہ سنتے ہی داستان گو کی نظریں تھیوڈورا کے چہرے پر گڑ گئیں: "کتنی عجیب لڑکی ہے!" وہ سوچنے لگا: "داستان کے جن کرداروں کے حالات معلوم کرنے کے لئے وہ اِس قدر بیتاب ہے، اُنہی کرداروں کے متعلق اُس کے دل میں اُتنی ہی نفرت بھی موجود ہے"!

اور پھر وہ خود بخود سنانے لگا :

"عثمان کے بعد، اُس کا بیٹا ۔۔۔ اورخان تخت نشین ہو گیا، باپ کی زندگی ہی میں بروسہ کی فصیل پر اُس نے عثمانی پرچم لہرایا تھا اور اب اس کے قدم تیز سے تیز تر ہو گئے تھے۔

یہ دیکھ کر قیصرِ رُوم ۔۔۔ اندرونیکس بہ نفسِ نفیس قسطنطنیہ کی فصیل سے باہر نکلا۔ لیکن ابھی اُس کی رومی فوجیں پیلی کینن ہی کے مقام پر خیمہ زن تھیں کہ اورخان نے چھاپا مارا اور قیصر کے لشکر میں تباہی مچادی ۔۔۔ نیکیا نے اپنے دروازے کھول دئیے اور پھر صوبہ میسیا کا دارالحکومت پرگاموں بھی ترک عَلَم کے سائے میں آگیا۔

اِس طرح گلہ بانوں کا وہ چھوٹا سا قبیلہ جسے اپنی جنگی خدمات کے عوض سلجوقی سلطنت میں سر چھپانے کی جگہ مل گئی، اپنی دو پشتوں کی قربانی، ایثار اور شجاعت کی وجہ سے ایشیائے کوچک کے سارے شمال مغربی کونے پر قابض ہو کر باسفورس کے جنوبی کناروں کا نگہبان بن گیا۔

○

داستان گو نے اب چاروں طرف نگاہ دوڑائی ــــ سب اُس کی داستان سُننے کے لئے بے قرار تھے۔

یہ دیکھ کر وہ کہنے لگا: "اس مقام تک پہنچ جانے کے بعد ترکوں نے بھی ذرا دیر کے لئے دم لیا ــــ

رومی سلطان ترکوں کی شرطوں پر امن حاصل کرنے کی کامیابی پر مطمئن اور خوش نظر آتا تھا۔ اور ترک بھی چند ایسے پُر امن لمحات کے خواہش مند تھے۔ جس کے دوران میں وہ اپنی تیزی سے پھیلتی ہوئی سلطنت کو منتظم کرنے کے بعد اُس عظیم جدوجہد کے لئے پھر سے تیار ہو جائیں جو اُنہیں اپنے سامنے آسانی سے نظر آتی تھی۔

پُورے بیس برس تک عثمانی سلطنت میں امن کی پُر سکون سطح پر بدامنی کی ایک شکن بھی پیدا نہ ہوئی ــــ یہ وہ زمانہ تھا جب عثمانی فوج میں ہزاروں سلجوق اور دوسرے ترک شمشیر زن قبائل ملازم ہو گئے اور اب عثمانیوں میں کئی اور مختلف نسلیں بھی شامل ہو گئی تھیں۔

ارطغرل کے مخصوص قبیلے کے عثمانی نوجوان نہ صرف میدانِ جنگ میں ان مخلوط قبائلی دستوں کی قیادت کرتے تھے، بلکہ امن کے زمانے میں بھی اُنہیں ہر طرح سے برتری حاصل تھی۔ بالکل اسی دوران میں وہ مشہورِ عالم ترک فوج ــــ ینی چری ــــ جانثار ــــ یانئی سپاہ وجُود میں آئی، جو صدیوں تک عثمانی قوت کی محافظ بنی رہی۔

اُور خان اب باسفورس کے کنارے کھڑا ہو کر قسطنطنیہ کے محلات اور اُن کے گنبد و مینار دیکھ رہا تھا ــــ اُسے رومیوں کے شکار میں عجیب لُطف محسوس ہوتا تھا۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے قسطنطینِ اعظم کی قدیم پُر عظمت اور اب ــــ مردہ سلطنت کی طرف پیش قدمی کی، اور خوش قسمتی سے اُسے ایک بہت عمدہ موقعہ ہاتھ آ گیا۔

بحیرۂ روم کی دو زبردست ہمعصر بحری قوتوں ۔۔۔ وینس اور جنیوا کے درمیان ایک عرصہ سے خانہ جنگی چلی آ رہی تھی، اور عام طور پر دونوں بیڑوں میں باسفورس کے کنارے جھڑپیں ہوتیں، کیونکہ یہیں ۔۔ قسطنطنیہ کے ایک مضافاتی قصبے غلطہ پر جنیوا کا قبضہ تھا۔

وینس کے قزاقوں نے پہلے ہی سے اورخان کو ناراض کر رکھا تھا اور جب وہ غلطہ پر حملہ آور ہوئے، تو جنیوا نے عثمانیوں سے امداد کی درخواست کی ۔۔۔ اس درخواست کے طفیل ترکوں کو پہلی بار یورپ کی سرزمین پر قدم رکھنے کا موقعہ ملا۔

اورخان کا بڑا لڑکا سلیمان پاشا چند ماہ پیشتر بلقان کے صوبوں میں اچھی خاصی کامیابیاں حاصل کر چکا تھا ۔۔۔ اورخاں نے سلیمان پاشا کو کچھ لشکر دے کر غلطہ کی طرف بھیجا، جس نے گیلیوں کے دو گٹھوں پر سمندر ہیلس پانٹ عبور کیا، اور صرف اسّی آدمیوں کے ساتھ زمپی کے سرحدی قلعے پر اچانک قابض ہو گیا۔ جہاں رفتہ رفتہ ترک سپاہیوں کی تعداد تین ہزار تک جا پہنچی۔

قیصر قنطاقوزنیس اپنے داماد پیلیولوگس کے ساتھ قسطنطنیہ پر قبضہ قائم رکھنے کے لئے برسرِ پیکار تھا۔ اور بجائے اس کے کہ وہ اس حملے کی پیش بندی کرتا، اُلٹا اُس نے اورخان سے ہی درخواست کی کہ ان ترک سپاہیوں کی خدمات تھوڑی دیر کے لئے قیصر کے سپرد کر دی جائیں، جس کی خود مختاری کو اُس کے داماد نے خطرے میں ڈال رکھا تھا۔

سلیمان پاشا کی قوت برقرار رکھنے کے لئے یورپ میں کچھ اور ترک سپاہی روانہ کیئے گئے ۔۔۔ جنہوں نے پیلیولوگس کو شرمناک شکست دی۔ اور اس کے نتیجے میں ترکوں کو یورپ میں ایسی ابتدائی شاندار فتح حاصل ہوئی کہ اُن کے پاؤں آنے والی کئی صدیوں کے لئے یورپ کی سرزمین میں گڑ گئے۔

اِنہی دنوں یونان میں ایک ایسا ہولناک زلزلہ آیا جس نے تھریس کے سارے شہر کو خاک میں ملا دیا، اس زلزلے سے نہ صرف شہریوں کے مکانات بلکہ سرحدی قلعوں کی دیواریں

اور برُج بھی پیوندِ خاک ہو گئے۔

دوسرے شہروں کے علاوہ ـــ گیلی پولی کی فصیلیں بھی منہدم ہو گئی تھیں اور خوفزدہ شہریوں کے ساتھ ساتھ قلعوں کے مسلّح محافظ بھی جان بچانے کے لئے بھاگ نکلے۔

اب یہ عجیب اتفاق تھا کہ جب شہری اور سپاہی اُس شہر کو خالی کر رہے تھے تو اُس وقت، ایک طرف سے رومی نکل رہے تھے اور دوسری جانب سے اُس ـــ شہر میں عثمانی داخل ہو رہے تھے۔

قیصر نے بے سُود احتجاج کیا ـــ لیکن اورخاں نے جواب دیا: "ترکوں کے لئے گیلی پولی کے دروازے قدرت نے کھولے ہیں، اور وہ اس غیبی امداد سے منہ موڑ کر کفرانِ نعمت کرنے کی جُرأت نہیں کر سکتا۔"

رومیوں میں ذرا ہمّت نہ تھی اور ـــ ہیلس پانٹ کے کنارے ترکوں سے آباد ہونے لگے۔ مغربی مؤرخوں کے نزدیک قیصرِ روم نے ترکوں کو ایسے مضبوط قدم رکھنے کی مہلت دے دی تھی جس سے نہ صرف رومی سلطنت کی تسخیر مکمّل ہو گئی بلکہ مسیحیت صدیوں تک اسلام کے سائے میں آ گئی۔

O

داستان گو لمحہ بھر کے لئے رُکا۔

تھیوڈورا پتھر کے بُت کی طرح خاموش اُس قوم کی تاریخ سُن رہی تھی، جو اَب یورپی تاجداروں کے تاج اور مغربی کلیسا کے راہبوں اور پاپاؤں کے جسموں سے تقدّس کے لبادے نوچنے لگی تھی۔ وہ ملتجیانہ نظروں سے داستان گو کی طرف دیکھ رہی تھی۔

داستان گو کو اس طرح خاموش دیکھ کر وہ چُپ نہ رہ سکی، اور اُسے اپنے

مخصوص انداز سے دیکھ کر کہا:

"بس! کیا تمہاری داستان ختم ہو گئی؟"

داستان گو نے پہلو بدلتے ہوئے کہا:۔

"ابھی کہاں ــــ ؟ میں تو اس بات پر ایمان رکھتا ہوں کہ نہ تو یہ قوم ختم ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کی تاریخ!"

"تو پھر آپ چپ کیوں ہو گئے؟"

"یونہی!" داستان گو نے تھیوڈورا کے سارے وجود کو اپنی بیباک نظروں سے ٹٹولتے ہوئے کہا ــــ "میں یہ بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ آپ اِس قوم کی تاریخ میں دلچسپی لے رہی ہیں یا نہیں؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے!" تھیوڈورا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر دلچسپی نہ لیتی تو اس وقت تک سو نہ چکی ہوتی، اب وقت ضائع نہ کیجئے! ہاں!! پھر؟"

"پھر!" داستان گو نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا ــــ "ایک روز اورخان کا انتقال ہو گیا۔ اُس نے اپنی زندگی میں نہ صرف ایشیائے کوچک کے آخری کونوں کو اپنی تلوار سے منور کیا بلکہ وہ ہیلس پانٹ کے مغربی کناروں پر عثمانی شہسواروں کی آباد چھاؤنیاں بھی دیکھ چکا تھا۔

اُس کی جگہ اورخان کا دوسرا لڑکا مرادِ اوّل جانشین ہُوا، جس کی قسمت میں لکھا تھا کہ وہ ڈینیوب کے کناروں تک ترک رسالوں کی رہبری کرے۔

اور پھر کچھ ہی عرصے بعد ایڈریانو پل ــــ آدرنہ ــــ اور اُس کے فوراً بعد سکندرِ اعظم کے باپ فلپ کا آباد کیا ہُوا شہر ــــ فلپ پولس بھی فتح ہو گیا ــــ مراد کی سلطنت کا حلقہ سکندرِ اعظم کے موروثی وطن، مقدونیہ اور تھریس تک ــــ جیسے

آج کل رومیلیہ کہتے ہیں، پھیل گیا۔

اب اُن کے سامنے متعصب یورپ آباد تھا۔۔۔ جس کی آبادی اُنہیں ساری مسیحی دنیا کا دشمن قرار دے کر نہ صرف کافر سمجھتی تھی بلکہ اُنہیں مارنے اور اُن کے ہاتھوں مرنے کو موجبِ ثواب و نجات تصوّر کرتی تھی۔

اُن کے عقب میں دوسرے ترک قبیلوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں۔ جنہوں نے سلجوقی سلطنت کے خاتمے پر آزاد ہوکر شکر ادا کیا تھا۔ یہ ریاستیں ترکوں کی انتہائی۔۔۔ تیز رفتار ترقی سے حسد کرتی تھیں اور اپنے آس پاس عثمانیوں کی ایک مضبوط اور منظم مرکزی سلطنت کا وجود برداشت نہ کرسکتی تھیں۔ انہیں یہ احساس ہی نہ تھا کہ ایک آزاد اور مضبوط مرکزی اسلامی سلطنت کا سایہ کس قدر مقدس و محترم ہے۔ وہ اس نعمت کے احساس ہی سے محروم تھے۔

ترک اس وقت چکّی کے دو پاٹوں کے درمیان حرکت و کشمکش کے ساتھ جی رہے تھے اور وہ دشمنوں کو یہ موقعہ بھی نہ دینا چاہتے تھے کہ دونوں متحد ہوکر اچانک حرکت شروع کردیں، اور وہ اُن کے درمیان پس جائیں۔

وہ ڈینیوب تک پہنچ چکے تھے۔۔۔ مگر اس وسیع سلطنت میں اُنہیں کسی نے بھی چین نہ لینے دیا۔ ابھی تک سلاویکی قبائل مفتوح نہ ہوئے تھے بلکہ اُنہوں نے اب ترکوں کو یورپ سے نکالنے کے لئے بالکل مختلف قوتوں کا سہارا لیا تھا۔

اِس مرتبہ سربیا، بوزنیا اور بلغاریہ نے صلیبی جہاد کا نعرہ بلند کیا، اور ولاشیا، البانیہ اور ہنگری غیر مشروط طور پر اس جہاد میں شریک ہوگئے۔ پولینڈ کے مجاہدوں نے بھی اس جہاد میں حصّہ لیا۔ باقی ماندہ یورپ آپس ہی میں اُلجھا ہُوا تھا۔ اور اِس جنگ پر غور کرنے کے لئے اُنہیں فرصت نہ تھی۔ جو اُن کے گھروں سے بہت دُور جزیرہ نمائے بلقان میں لڑی جارہی تھی۔

یہ متحدہ صلیبی لشکر بوزنیا میں مقیم ایک مختصر سے ترک دستے پر پل پڑا۔ اور اُس کے تین چوتھائی حصّے کا بالکل صفایا کر دیا۔ مُراد اِس حادثے پر خاموش نہ رہ سکتا تھا۔ اِس کے نامور سپہ سالار علی پاشا نے فوری طور پر کچھ سپاہ جمع کر کے دربند کے راستے بلقان عبور کیا۔ شوملا پر حملہ آور ہُوا۔ تیرو ونا سر کیا اور بلغاریہ کے کرال کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا۔ بلغاروی شہزادہ نکوپولس میں اس طرح گھرا کہ قلعہ حوالے کئے بغیر نجات کی اور کوئی صورت باقی نہ رہی۔ اب سارا ہنگری فوری طور پر اُس عثمانی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ جس کے لئے ڈینیوب اب محض شمالی سرحد کی حیثیت رکھتا تھا۔

سربیا کا بادشاہ لزارس ہنگری کی فوجی امداد سے محروم ہو جانے کے باوجود میدان میں ڈٹا رہا۔ اب عثمانی لشکر کی کمان مرادؔ نے اپنے ہاتھ میں لے لی، اور دونوں فوجیں شینٹزا کے کنارے کوسوو کے میدان میں صف آرا ہُوئیں۔ ندی کے شمالی کنارے سروی، بوزنی، البانی، پول، نگیار اور ولاش ـــــ شمال کے جنگجو کوہستانی قبیلے ـــــ ایک جگہ جمع تھے اور جنوبی کنارے پر بذاتِ خود مراد اپنے یورپی اور ایشیائی حلیفوں کے ساتھ موجود تھا۔ صلیبی لشکر کا قلب لزارس کی کمان میں تھا۔ میسرہ پر اس کا بھتیجا ووک برانکوش اور میمنہ پر بوزنیا کا بادشاہ وارکو تعینات تھا۔ عثمانیوں کا قلب مُراد کے ہاتھ میں تھا۔ میسرہ اس کے بڑے بیٹے بایزید اور میمنہ چھوٹے بیٹے یعقوب کی کمان میں تھا۔ عثمانیوں کے عقب میں ـــــ دُور پہاڑی کے دامن پر حیدر توپخانے کی نگرانی پر مامور تھا۔

ترکوں کی ابتدائی تاریخ میں ایسا طویل، صبر آزما اور گھمسان کا رَن اور کہیں نظر نہیں آتا۔ جنگ کے دوران ترکوں کا بایاں بازو کچھ ڈولنے سا لگا۔ مگر بایزید کے زوردار حملے نے سپاہ کا جوش بحال کر دیا۔ اسی میدان میں بایزید کے برق رفتار جنگی اقدام پر اسے یلدرم ـــــ بجلی کے کڑکے ـــــ کا خطاب ملا۔ وہ ایک شیرِ نر کی طرح دشمن کی

صفوں میں گھس گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک فولادی گرز جیسے برق قوت سے حرکت کرنے لگا۔ اور اس کے سامنے جو آیا ـــــ گر کر دوبارہ زمین سے نہ اٹھا۔ یلدرم کے حملے نے میدان کا نقشہ ہی بدل دیا۔ عثمانیوں کو واقعی ایک اور شاندار فتح نصیب ہوئی۔ مگر انہیں اس فتح کی انتہائی عجیب وغریب قیمت ادا کرنی پڑی۔

جب مسیحی میدان سے بھاگ رہے تھے، اس وقت میلوشش کوبی لووش نامی ایک سردی جوان مراد کی طرف اس طرح آتا دکھائی دیا جیسے وہ دشمن سالار کا کوئی ضروری پیغام لا رہا ہو، اور اس نے یہی کہا کہ اسے علیحدگی میں سلطان مراد سے کچھ کہنا ہے۔ لیکن جب وہ مراد کے قریب آیا تو اپنا پیش قبض انتہائی پھرتی سے اس کے سینے میں بھونک دیا۔

O

داستان کے ساتھ ساتھ سننے والوں کی دلچسپیاں بھی اب عروج پر پہنچ چکی تھیں ـــــ اگرچہ داستان طویل اور خشک تھی، لیکن داستان گو کا انداز نرالا تھا اور اس کی معلومات عجیب وغریب تھی۔ وہ اب خاموش ہو کر سامعین کی طرف دیکھنے لگا ـــــ

جب مراد پر خنجر کا وار ہوا تو تھیوڈورا تڑپ کر کھڑی ہو گئی ـــــ وہ ایک بہادر سلطان کو ایسی شرمناک سازش کے ذریعے مرتا ہوا دیکھ کر غیر جانب دار نہ رہ سکی۔ لیکن جب اسے اس بات کا احساس ہوا کہ وہ کوسوو کے میدان میں نہیں بلکہ جوزیفیہ کے میدان میں بیٹھی ایک مسافر داستان گو کے منہ سے محض داستان سن رہی ہے تو وہ آہستہ آہستہ اپنی جگہ پر بیٹھ گئی، اور ہر شخص کی نظریں حیرت سے بلقانی دوشیزہ کی طرف اٹھنے لگیں۔

تاتار بے جان بت کی طرح داستان گو کے عجیب وغریب چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

اُس نے جوزلیفیہ میں سینکڑوں قافلے آتے جاتے دیکھے تھے۔ لوگ داستانیں بیان کرتے، اُن کے گرد محفلیں بھی جمتیں لیکن یہ محفل، محفل میں موجوُد لوگ اور بذاتِ خود داستان گو —— سب کے سب عجیب و غریب تھے۔

وہ خود اپنے آپ سے اجنبی ہُوا جا رہا تھا —— نہ جانے ترک تاریخ کے اِن پیچیدہ پیچیدہ واقعات نے اُسے کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا تھا۔

لوگ خاموش نہ رہ سکے۔ بیک وقت کئی آوازیں بلند ہوئیں :-

" داستان جاری رکھیے !"

" آپ اطمینان رکھیں۔ مَیں یہ داستان ضرور مکمّل کروں گا۔ لیکن اب مجھے بھوک ستا رہی ہے "!

اُسے بھُنی ہوئی رانیں پیش کرنے کے لئے بیک وقت کئی ہاتھ بلند ہوئے۔ اور بعض لوگ یونہی اپنے خالی تھیلے ٹٹولنے لگے۔ تھیوڈورا نے جو ابھی تک اپنے حصّے کی بھُنی ہوئی ران محض گرم رکھنے کے لئے آگ پر رکھی ہوئی تھی، خاموشی کے ساتھ اپنا ہاتھ بلند کیا۔

داستان گو نے تھیوڈورا کو پیاسی —— سُرخ آنکھوں سے دیکھا اور اُس کا ہاتھ، غیر ارادی طور پر اُس بلّوری نازک ہاتھ کی طرف بڑھنے لگا جو اُسے اتنا طولوی دُنبے کی عمدہ ران پیش کر رہا تھا۔

" ہاں —— ! یہی ران کھانے کو جی چاہتا ہے"۔ داستان گو نے تھیوڈورا کے ہاتھ سے ران لیتے لیتے اچانک رُک کر کہا —— " مگر آپ کیا کھائیں گی ؟"

" ہُوا —— کسی بذلہ سنج نے دُور سے بلند آواز میں کہا —— " تمہیں اس کا کیا غم ہے، اپنا کام کرو —— گرم گرم گوشت کھاؤ اور داستان جاری رکھو !"

تھیوڈورا پر مرکوز تھیں اور تھیوڈورا کہہ رہی تھی :

"ران کا تو مجھے فکر نہیں رہا۔ میں اب زیادہ اطمینان سے یہ داستان سنوں گی۔"

تاتار ان سب لوگوں کو بُری طرح سے گھور رہا تھا، جو اس وقت تھیوڈورا کو للچائی ہوئی، پیاسی آنکھوں سے گھور رہے تھے ــــ یقیناً بہت سے لوگ داستان میں نہیں، صرف تھیوڈورا میں دلچسپی لے رہے تھے!

ساتھ ہی اُسے تھیوڈورا کے انداز سے بھی تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ داستان گو سے بڑی بے نیازی کے ساتھ بے تکلف ہوتی جا رہی تھی۔ اور آخر مجبوراً وہ یہ سوچنے لگا تھا کہ اس میں ہرج ہی کیا ہے ــــ یہ مسافر لوگ ہیں۔ صبح رخصت ہو ہی جائیں گے!

داستان گو لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے کے لئے ایک بار مصنوعی طور پر کھانسا۔ اور اپنا سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے بولا :۔

"یلدرم، مراد کی لاش اپنے ساتھ لے آیا، اور بروسہ ــــ سلطنتِ عثمانی کے پہلے دار الحکومت میں ــــ شہر کے مغربی کنارے مسجد کے زیرِ سایہ ایک انتہائی مختصر مگر دلفریب مقبرے میں دفن کی۔

اس کے مزار پر آج بھی وہ تین نیزے نظر آتے ہیں جن کے سروں پر گھوڑے کی دُم کے بال بندھے ہوئے ہیں ــــ مراد جنگ کے میدانوں میں اُنہیں نیزوں کے اشاروں پر اپنی سپاہ کو حرکت دیتا تھا۔ اور کوسوفو کے میدان میں ایک مقبرے کے کھنڈر آج بھی اُس مقام کو ظاہر کرتے ہیں جہاں مراد سروی نوجوان کے ہاتھ سے زخمی ہو کر گرا تھا۔

جنگ ابھی جاری تھی ــــ

لیکن مراد کے بعد بایزید نے سربی جنگ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا ــــ اس کی سپاہ نے ویدین تک پیش قدمی کی، اور یہاں سے جنوب کی طرف بڑھ کر کاراتوفا پر ــــ اس کی چاندی کی کانوں سمیت قبضہ کر لیا۔ اور سکب میں ایک عثمانی نوآبادی کی

بنیاد رکھی۔

لزارس مُراد کی خواہش کے مُطابق عثمانیوں کے ہاتھ سے مارا جا چکا تھا۔ اور اس کا بیٹا سٹیفن ترکوں سے امن حاصل کرنے کا خواہش مند تھا ـــــ اُس نے بایزید کی باجگزاری قبول کرنے کے لئے نہ صرف چاندی کی کان سے سالانہ حصّہ دینے، بلکہ جنگ کے دوران میں فوج کی ایک مقررّہ تعداد بہم پہنچانے کا وعدہ کیا اور پھر اپنی بہن لیڈی ڈسپینا کا ہاتھ بھی بایزید کے ہاتھ میں دے دیا۔

اب اگرچہ سربیا کی طرف سے کسی خطرے کا کوئی امکان باقی نہ رہا تھا۔ مگر ڈینیوب کے پہاڑوں میں ابھی تک مکمل امن قائم نہ ہُوا تھا۔

اسی سال عثمانی سواروں نے ولاشیا کا سارا علاقہ رَوند ڈالا اور جب ایشیا میں کرمان کے ترک حاکم نے نیند سے جاگنے کی کوشش کی تو بایزید بجلی کی طرح یورپ سے ایشیا میں لوٹ آیا۔ اور سارے ایشیائے کوچک کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

سلجوقی سلاطین کی ساری سلطنت، روم، ڈینیوب اور باسفورس کے تمام دریائی علاقے پر حکمران ہونے کی حیثیت سے آخری عباسی خلیفہ نے ـــــ جو قاہرہ میں مصر کے مملوکوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا ہُوا تھا۔ بایزید کو باقاعدہ "سلطان" کا لقب عطا کیا۔ اور اس طرح ترک دمشق اور بغداد کے خلفاء کے روحانی اقتدار کے بھی وارث بن گئے۔

لزارس کی بیٹی ـــ جس کا باپ بایزید کے حکم سے قتل ہُوا تھا، موقعے کی تاک میں تھی۔ اُس نے سلطان کے جذبات کا رُخ کسی اور طرف موڑنے کی کوشش کی ـــــ اب ترک دربار میں خالص یورپی اثرات رینگتے ہوئے نظر آتے تھے۔ عثمانیوں کے خون میں پہلی مرتبہ یورپی خون شامل ہو گیا۔

بہرحال لیڈی ڈسپینا کا حُسن و شباب اور یورپی طرز کا عیش و نشاط بھی اُس کے

اندر موروثی سپاہیانہ جذبات کو ختم نہ کر سکا۔ یہ سُنتے ہی ـــــ کہ یورپ میں اس کے خلاف ایک اور اتحاد عمل میں آنے والا ہے۔ اُس نے لیڈی ڈسپینا کے حسن وشباب اور یورپی طرز کے عیش ونشاط کو کمال بے نیازی کے ساتھ الوداع کہا اور باسفورس کو اپنی اس مخصوص موروثی تندہی اور تیزی سے پار کیا جس کے باعث اُسے "بجلی کے کڑکے" کا خطاب دیا گیا تھا۔

یورپ میں عثمانیوں کے خلاف جو اتحاد ہو رہا تھا، وہ حقیقت میں بڑے سے بڑے بہادروں کو مرعوب کرنے کے لئے کافی تھا۔

ہنگری کا بادشاہ سجسمنڈ کوئی ایسا شخص نہ تھا جو شکست کے بعد سو جاتا۔ جب وہ بلغاریہ اور کروسوفو پر حملہ آور ہوا تھا تو اُسے ایسی ہزیمت اُٹھانی پڑی تھی جسے وہ ہرگز فراموش نہ کر سکتا تھا، اور پھر خصوصیت کے ساتھ ترکوں نے سربیا کے سٹیفن سے جو سلوک کیا تھا، وہ ایک ایسا گھاؤ تھا جس کا رِسنا بالکل فطری امر تھا۔

ہنگری کے باشندے ترکوں کے باقی دوسرے دشمنوں سے بالکل مختلف تھے۔ مشرقی اور مغربی یورپ یونانی اور لاطینی کلیسا کے چکر میں گرفتار تھا۔ اس وقت تک ترکوں کو صرف یونانی کلیسا کے پیروکاروں سے سابقہ تھا اور لاطینی کلیسا اپنے حریفوں کی تباہی پر خاموش تھا۔ کیونکہ لاطینی کلیسا کے معتقد یونانیوں کو بدعتی تصوّر کرتے تھے۔ مگر ہنگری کیتھولک مذہب کا پیروکار تھا ـــــ چنانچہ سجسمنڈ کی درخواست پر پاپائے روم اُٹھ بیٹھا اور اُس نے مسلمانوں کے خلاف جہاد کا نعرہ بلند کیا۔

فرانس نے ہنگری کے بادشاہ کی امداد کے لئے نوار کے شہزادے کی ماتحتی میں اپنے ہزاروں آہن پوش ـــــ "صلیبی جانباز" بھیجے، اور یورپ کے کونے کونے سے مشہور ومعروف نائٹ اپنے اپنے قبیلوں کے ساتھ جہاد میں شرکت کرنے کے لئے آئے ـــــ انہوں نے ترکوں کو مٹانے، ہیلس پانٹ عبور کرنے اور کافروں سے ارضِ مقدس کو بچانے

کی قسم کھائی تھی۔

ان میں کاؤنٹ ڈی لامریشے فرانسیسی بادشاہ کے تین چچازاد بھائی، آرتوئیس کا فلپ، میو کا شہزادہ، فرانس کا محافظ اور خصوصیت کے ساتھ فرانس کے بے شمار جری اور تجربہ کار سپاہی بھی تھے۔ کاؤنٹ ہومنبر ولارن اور یروشلم کے سینٹ جان کی جماعت کے نامتوں کا گرینڈ ماسٹر اس کے علاوہ تھے۔ جرمنی کا الیکٹر پیلیٹائن، بویریا کے سپاہیں کا ایک دستہ اپنے ساتھ لایا۔۔۔ مریشے اپنے سارے ولاش قبائیلوں اور سیمن بلغاریوں کے ساتھ اِس جنگ میں شامل ہوگیا۔ ان دونوں نے عثمانیوں کے ساتھ کیئے ہوئے معاہدوں کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ شاید اس لئے کہ اُنہیں عثمانیوں کا عبرتناک انجام اچھی طرح نظر آرہا تھا۔

متحدہ یورپ کا یہ عظیم الشّان صلیبی لشکر سربیا کے راستے آگے بڑھا۔۔۔ سربیا کے بادشاہ نے ابھی تک بایزید کے ساتھ کیئے ہوئے معاہدوں کا احترام برقرار رکھا تھا۔ صلیبی مجاہدوں نے سربیا میں ایک طوفان برپا کر دیا۔ ایک ایک گھر لوٹ لیا گیا۔

اُنہوں نے ویدین اور سوفا پر قبضہ کرنے کے بعد نکوپولس کو محاصرے میں لے لیا جو ڈینیوب کے کناروں پر ویدین، سیشوفا اور سیلیشیریا کے علاوہ چوتھے مضبوط ترین سرحدی قلعے کی حیثیت رکھتا تھا۔۔۔ ان چاروں قلعوں میں ترک سپاہ موجود تھی، اور ان پر قبضہ کرنا صلیبی لشکر کی پہلی اور دلی خواہش تھی۔

ویدین پہلے ہی سے سر ہو چکا تھا، دوسرا نشانہ نکولس تھا۔ مگر عثمانی گورنر ابھی تک ہتھیار پھینکنے پر تیار نہ تھا۔ نکوپولس کے ترک گورنر کے اِنکار نے فرانسیسی مجاہدوں کو یہ سوچنے کی مُہلت بھی نہ دی کہ شاید اِس طرح وہ دشمن کے سیلاب کی رفتار مدھم کر رہا ہے تاکہ بایزید کو تیار ہونے کا وقت مِل جائے۔

صلیبی مجاہد اس وقت نکوپولس میں بایزید کی آمد کے تصوّر کا بھی مذاق اُڑاتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ بایزید کو ہیلس پانٹ عبور کرنے کی جرأت نہ ہوگی۔ وہ ڈینیوب کے کناروں تک جہازوں میں بھر کر جس قدر شراب اور عورتیں لائے تھے، ان سے کُھل کھیلتے ہوئے اکثر کہا کرتے کہ "اب اگر آسمان بھی اُن کے سر پر گرے تو وہ اُسے اپنے نیزوں کی انیوں پر تھام لیں گے۔"

اور جب مخبروں نے صلیبی مجاہدوں کو یہ اطلاع پہنچائی کہ سلطان بایزید نکوپولس سے صرف چھ گھنٹوں کی مسافت پر ہے تو مسیحیوں نے ہنس ہنس کر اُن مخبروں کا مذاق اُڑایا۔ صلیبی مجاہدوں کے ان بہادرانہ الفاظ کی بھنک بایزید کے کان میں بھی پڑ چکی تھی، جس کے جواب میں اُس نے یہ قسم کھائی کہ ــــ وہ روم میں سینٹ پیٹر کے کلیسا کی قربان گاہ پر اپنے گھوڑے کو روک کر دم لے گا۔

اور اس سے پہلے کہ یورپ کی متّحدہ فوجیں اپنی آنکھوں پر اعتماد کرتیں، عثمانی سپاہ ان کی صفوں پر چھا چکی تھی ــــ جب صلیبی مجاہدوں نے اپنی آنکھوں سے ترک رسالے کو صف در صف بڑھتے ہوئے دیکھا۔ تو فرانسیسی جانباز جوش میں آکر ترکوں کے مقابل صف آرا ہو گئے۔

سجسمنڈ نے اُنہیں روکنے کی انتہائی کوشش کی۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ ترکوں کے ہراول میں وہ بے قاعدہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں صرف دشمن کے جوش و خروش کے ابتدائی لپکتے ہوئے شعلوں کی نذر کرنے کے لئے آگے رکھا جاتا ہے۔ مگر ان آہن پوش مجاہدوں نے اُس کی کوئی پرواہ نہ کی اور دیوانوں کی طرح ترک ہراول پر ہلّہ بول دیا۔ اس ہلّے کا آغاز ان ترک قیدیوں کے قتلِ عام سے ہُوا جو ان لوہے میں غرق مجاہدوں کے دھوکے میں آکر اپنے ہتھیار پھینک چکے تھے۔

فرانسیسیوں کا حملہ واقعی بے پناہ تھا۔ وہ ہراول دستوں کی لاشوں پر سے

گزرتے ہوئے بگولوں کی طرح ترک سپاہ کے داہنے اور بائیں بازو پر ٹوٹ پڑے۔ یہاں تک کہ وہ جانثاروں کی ان صفوں تک جا پہنچے، جو ہراول دستوں کے پیچھے میدان میں آراستہ ہو چکی تھیں، اور اس سے پہلے کہ جان نثار ان لوہے میں ڈھلے ہوئے مجاہدوں کے حملے سے بچنے کے لئے مسلح رسالوں کے پیچھے پناہ لیتے، ترکوں کی سپاہ کا بیشتر حصہ تباہ ہو چکا تھا۔

صلیبی اپنے حملوں کی شدت اور سُرعت سے متاثر ہو کر ترک رسالوں پر بھی جھپٹے۔ میدان میں ایک عجیب انتشار پھیل گیا ــــ صلیبی ترک رسالے کی تیسری صف تک آ پہنچے۔

اس صف میں ترکوں کے مایۂ ناز سوار جنہیں "سپاہی" کہا جاتا ہے اپنے نیزے تانے چٹانوں کی طرح گڑے ہوئے تھے۔ مسیحیوں کو اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا ــــ وہ تیزی سے میدان کے بالائی حصے میں جمع ہو گئے تاکہ بھاگتے ہوئے ترکوں کو دیکھ کر اپنے دل کے ارمان پورے کریں۔ مگر جیسے ہی وہ میدان کی بلندیوں پر پہنچے، اُنہوں نے اپنے آپ کو چالیس ہزار عثمانی نیزوں میں محصور پایا۔ وہ ترک سپاہ کے قلب میں گھر چکے تھے، جن کی کمان خود یلدرم کے ہاتھ میں تھی۔ اُنہیں سجسمنڈ کا مشورہ بہت دیر کے بعد یاد آیا ــــ فرانسیسی مجاہد اس قدر بدحواس ہو گئے کہ اُن کی صفیں اپنے آپ ہی درہم برہم ہو گئیں، اور وہ اپنی جان بچانے کے لئے بھاگے۔

ــــ اُن کے پیچھے عثمانی شہسواروں کے گھوڑے دوڑ رہے تھے ●

O

داستان گو کی آواز پر نیند غالب آ رہی تھی، مگر وہ بدستور کہہ رہا تھا:-

"نکوپولس کی شاندار فتح نے بایزید کے اقتدار اور جنگی قوت کو عروج پر پہنچا دیا۔

—— ڈینیوب تک قیصرِ روم کی مملکت پر اور ایشیا میں فرات کے کناروں تک حکمرانی کرنے کے خیال نے اُسے شاید مجبور کر دیا تھا کہ وہ ساری دُنیا کی تسخیر کا خواب دیکھے۔

بہرحال جہاں تک یورپ کی تسخیر کا تعلق ہے، ترک شہسوار تھرموپلی سے گزر کر جنوب میں بہت آگے نکل گئے تھے —— اب زئیس کے یونان کی گود میں ایسا کوئی لیونیڈاس میں موجود نہ تھا جو پہاڑی درّوں کی حفاظت کر سکتا۔ بایزید نے برائے نام مزاحمت کو کچل کر اپنے اقتدار کا حلقہ یورپ کے انتہائی عظیم کوہستانی سلسلے پیلوپونیس تک پھیلا دیا تھا۔

ایتھنز کے مایۂ ناز —— تاریخی ایکروپولس پر ہلالی پرچم لہرانے لگا تھا اور قیصرِ روم بایزید کا ایک وفادار باجگزار بن چکا تھا۔

اور اب اُس نے قسطنطنیہ پر نظریں جما دیں، وہ دراصل قسطنطنیہ ایسے فوجی اہمیت رکھنے والے مسیحی مرکز کو دشمنوں کے قبضے میں نہ دیکھ سکتا تھا۔ اِس لئے اُس نے قیصر سے براہِ راست یہ مطالبہ شروع کر دیا کہ —— قسطنطینِ اعظم کا آباد کیا ہوا یہ شہر، اب اُس کے حوالے کر دیا جائے۔

مگر اب اندرونیکس کی جگہ مینوئل قیصر تھا —— اُسے ترکوں کی قربت کا موقعہ نہ ملا تھا، اُس نے یورپ میں ایسے اتحادی ڈھونڈنے کی کوشش کی جو اُسے ترکوں کے خلاف امداد دے سکیں مگر بے سُود۔ سارا یورپ ترک شہسواروں کے گھوڑوں کی ٹاپ سے لرز رہا تھا۔ یورپ کی ہر ایک چھوٹی بڑی ریاست کو اپنی جان بچانے کی فکر دامنگیر تھی —— نکوپولس کے واقعات ابھی تک اُن کی آنکھوں کے سامنے پھر رہے تھے۔

مینوئل اخلاقی طور پر اس قدر گر گیا کہ اپنا اقتدار بچانے کے لئے اُس نے اپنے

ازلی حریف پاپائے روم کے سامنے بھی امداد کا ہاتھ پھیلایا۔ مگر اُسے وہاں سے بھی کوئی امداد نہ ملی۔ ترکوں نے مجبور ہو کر قسطنطنیہ کو محاصرے میں لے لیا۔

قسطنطنیہ پہ لہراتے ہوئے رومی پرچم نے شروع ہی سے عثمانیوں کے لئے ایک ایسے ناسُور کی حیثیت اختیار کر لی تھی جو ہمیشہ رِستا ہی رہا ــــ دو سمندروں اور دو برِاعظموں کے درمیان اس قدیم اور مضبوط ترین شہر پہ قبضہ کرنا عثمانی سلاطین کی ایسی دیرینہ اور عزیز ترین حسرت تھی جسے پُورا کرنے کی مقدور سے زیادہ کوشش کی گئی۔

اب ــــ جب کہ یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ بایزید کی یہ موروثی خواہش پوری ہونے والی ہے۔ جب اس کا فرمان یورپ میں بازنطینی سلطنت کے بہت بڑے حصے اور قریب قریب سارے ایشیا میں بغیر کسی تامّل کے تسلیم کیا جاتا تھا اور ــــ جب سارا یورپ اُس کے سامنے لرز رہا تھا کہ ــــ اچانک تاریخ عالم کی دہلیز پر ایک بالکل نئی شخصیت فاتح عالم کی حیثیت سے نمودار ہوئی ــــ

یہ تیمور تھا ــــ

وہ ایشیا کے دوسرے عام سرداروں کی طرح پہلے تو ایک معمولی سردار تھا لیکن ــــ چنگیز کی موت کے بعد، جب اُس کی عظیم سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا تو اس کو "فتح جہاں" نے اپنے مضبوط پنجوں میں تھاما ہُوا تھا ــــ اُس وقت اُس نے اپنے گرد و پیش پر نگاہ ڈالی اور آہستہ آہستہ اپنی گرفت مضبوط کرتا چلا گیا۔

تھوڑے سے ہی عرصہ میں وہ نہ صرف سمرقند بلکہ ماوراء النہر کے سارے علاقے کا مالک بھی بن بیٹھا۔

سمرقند میں اپنے قدم مضبوطی سے جمانے کے بعد اُس نے قریبی علاقوں پر اپنا اقتدار قائم کرنے کے لئے فتوحات کے بے مثال سلسلے کا آغاز کیا۔ اور تیس برس کے اندر اندر اُس کی فوجیں ایشیا میں دلّی سے دمشق اور بحیرۂ ارال سے خلیج فارس تک چھا گئیں۔

اور اُس نے یہیں تک ہی بس نہیں کی بلکہ ـــــ اپنے سفاک تاتاری شہسواروں کا رُخ مسلمانوں کی ڈگمگاتی ہوئی مرکزی سلطنت کی طرف بھی موڑ دیا۔

اُسے وہاں روکنے والا بھلا کون تھا ـــــ ایران اور شام کے تمام شہزادے ایک ایک کر کے اُس کے سامنے جُھک گئے اور اب اُس کا پرچم دریائے نیل کے کنارے تک لہرانے لگا تھا ـــــ

○

اب یہ عجیب اتفاق تھا کہ اِسی برِّ اعظم ـــــ ایشیا میں دو سلطنتیں بیک وقت ترقی کر رہی تھیں۔

یہ ـــــ تیموری اور عثمانی سلطنتیں تھیں جو ہم عصر بھی تھیں اور ـــــ طوفان کی طرح بڑھتی ہوئی اپنی راہ میں آنے والی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو بھی تنکے کی طرح بہائے لئے جا رہی تھیں ـــــ

ـــــ اور ان بدنصیب ریاستوں کے حکمران ـــــ مفتوحہ علاقوں کے سربراہ دونوں میں سے کسی ایک کو مدد کے لئے آ پکارتے تھے۔

بایزید نے عراق کے چند ایسے شہزادوں کو پناہ دے رکھی تھی، جن کے علاقے اس وقت تیمور کے قبضے میں تھے اور اسی طرح تیمور نے ان چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کے سر پر ہاتھ رکھا تھا جنہیں ایشیا میں بایزید کے ہاتھوں ہزیمت اُٹھانی پڑی تھی ـــــ

ان پناہ گزینوں نے اپنی اپنی اغراض کی تکمیل کے لئے دونوں سلطانوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے کی مہم شروع کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسمی سفارتی نامہ و پیام کے بعد ـــــ جس نے ان تعلقات میں اور زیادہ بدمزگی اور کشیدگی پیدا کر دی ـــــ

تیمور نے سیواس کی طرف پیش قدمی کی۔

سیواس کا جنگی اہمیت رکھنے والا قدیم شہر حال ہی میں ایشیائے کوچک کے اور بہت سے شہروں کے ساتھ عثمانی اقتدار میں آیا تھا۔ تیمور نے شدید محاصرے کے بعد اُسے فتح کر لیا اور ترک سپاہ کو تہہ تیغ کر دیا گیا، جس میں بایزید کا لڑکا ——— ارطغرل ثانی بھی شامل تھا۔

جب بایزید کو سیواس کے سقوط اور اپنے بیٹے ارطغرل کی موت کی اطلاع ملی ——— اس وقت قسطنطنیہ کا محاصرہ اپنی آخری منزل پر پہنچ چکا تھا۔

اگر تیمور عثمانیوں کے ساتھ ایسے اہم اور نازک وقت میں نہ اُلجھتا، تو آج یورپ کی تاریخ واقعی کچھ اور ہوتی ——— بایزید کی دلی حسرت پوری ہونے کے قریب ہی تھی۔ مگر یہ شاید اُس کی قسمت میں نہ لکھا تھا کہ وہ قسطنطنیہ فتح کرتا۔ چنانچہ اُس کے پاس جس قدر سپاہ باقی بچ گئی تھی اس کے ساتھ فوراً ایشیا کی طرف روانہ ہوا۔ یہ وہ سپاہ تھی جو ایک مدّت سے سربیا، ہنگری اور فرانس کے جانبازوں کو کوسوفو اور نکوپولس کے میدانوں میں بار بار شکست دے چکی تھی۔ جب وہ ایشیا میں داخل ہوا، اُس وقت تیمور اپنے لشکر سمیت کہیں اور جا چکا تھا +

○

اگلے سال دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہو گئیں۔ اس ایک ہی سال کے مختصر سے عرصے میں بایزید اپنے جان نثاروں کے اعتماد اور وفاداری سے محروم ہو چکا تھا۔ تیمور اپنے پیچھے جس قدر جاسوس چھوڑ گیا تھا، وہ سارا سال جانفشانی سے کام کرتے رہے تھے۔ اُنہوں نے عثمانی سپاہیوں کے دل میں بے وفائی کے جذبات کا بیج بو دیا تھا، اور جب ترک سپاہ کو یہ معلوم ہوا، کہ تیمور اپنے سپاہیوں پر جان چھڑکتا ہے، وہ اُنہیں انعام واکرام دینے میں فراخ دل ہے تو عثمانی سپاہ کو

تیمور سے ایک غائبانہ عقیدت سی ہو گئی۔

بایزید نے اپنی سپاہ کے اِن جذبات کو تسکین پہنچانے کے لئے کوئی قدم نہ اُٹھایا، بلکہ اُنہیں تیزی سے آگے بڑھایا، تاکہ تیمور کی پیش قدمی روک دی جائے۔ تیمور ـــــ بایزید سے کہیں زیادہ بیدار مغز اور تجربہ کار سپہ سالار ثابت ہوا۔ وہ ترکوں کا بازو کاٹ کر تیزی سے نکل گیا اور انگورہ کے وسیع کشادہ میدان پر قابض ہو گیا۔

اور بایزید اس میدان میں پہنچا تو وہ سخت پریشان ہوا ـــــ تیمور نے انگورہ کے فوجی کیمپ پر ہی قبضہ نہ کیا تھا بلکہ اس ندی میں زہر کے کئی تھیلے بھی خالی کر چکا تھا۔ جہاں سے ترکوں کو پانی حاصل کرنا تھا۔

اب بایزید کے سامنے ایک ہی راستہ تھا ـــــ جس قدر جلد ہو سکے اپنے تھکے ماندے اور پیاسے سپاہیوں کے ساتھ تیمور پر ٹوٹ پڑے۔

ایک طرف پیاسی اور تھکی ماندہ سپاہ تھی جو نہ صرف تعداد میں تاتاریوں سے بہت کم بلکہ جو اَب اپنے قائد سے بھی بدگمان تھی ـــــ اور دوسری طرف کئی گنا زیادہ تعداد میں دشمن انگورہ کے میدان کی انتہائی اہم چوکیوں پر قابض ہو چکا تھا، جن کا سپہ سالار فنونِ جنگ میں ماہر اور تجربہ کار تھا جس نے میدانِ جنگ میں کسی معمولی سی معمولی احتیاط کو بھی نظر انداز نہ کیا تھا اور جسے ہر لحاظ سے ترکوں پر برتری حاصل تھی ـــــ ایسی جنگ کے نتیجے میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو سکتی تھی۔

جنگ کے دَوران میں ترک سپاہ کی اکثریت جس میں زیادہ تر ایشیائے کوچک کی حال ہی میں چھینی ہوئی ریاستوں سے زبردستی بھرتی کئے ہوئے لوگ تھے تاتاریوں کے ساتھ جا ملے، اور بایزید کے ساتھ صرف گنتی کے وہ چند سپاہی باقی رہ گئے،

جن کی رگوں میں خالص تُرک خون موجزن تھا، مگر جان نثاروں کی شجاعت اور جانبازی زیادہ دیر تک تاتاریوں کو نہ روک سکی، اور انجام کار بایزید کو شکست ہوئی اور وہ سلطان جس کے جلو میں سینکڑوں شہزادے ایک باجگزار کی حیثیت سے چلنے میں فخر محسوس کرتے تھے ——— اب خود تیمور کے گھوڑے کے ساتھ پیدل بھاگ رہا تھا۔

O

تیمور کی ایک ہی ضرب سے ایشیا کی عثمانی سلطنت کا تار و پود بکھر گیا تھا۔ وہ عثمانی پرچم جو ڈیڑھ سو برس تک یورپ اور ایشیا میں سربلند تھا، اب ایشیا کے فاتح کے سامنے سرنگوں ہو چکا تھا، اور ایشیا اور یورپ پر فرماں روائی کرنے والے اب تیمور کے پا بہ زنجیر غلام بن گئے تھے!"

داستان گو اب خاموشی کے ساتھ اہلِ محفل کی طرف دیکھ رہا تھا ———
اُس کے مغموم چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ سلطنتِ عثمانیہ کی تباہی پر ماتم کر رہا ہے، لوگ انتظار کر رہے تھے کہ شاید وہ بایزید کے بعد بھی کچھ اور کہے گا ———
مگر وہ محض تھیوڈورا کی طرف دیکھ رہا تھا جو نظریں جھکائے، خیالوں کی دُنیا میں بُری طرح گم تھی۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے اپنے آپ کو سنبھالا، اور دبی دبی زبان میں کہنے لگی۔
——— "اور پھر؟"

داستان گو مُسکرانے لگا: "کیا مکارا مجید کی کہانی یاد نہیں رہی، اور ابھی اُس نے اپنے لب کھولے بھی نہ تھے کہ اُس نے اُس سے ایک اور سوال کر دیا:
"میں نواب زادی تھیوڈورا سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ، کیا ہنیاڈی کو بھی بھول

گئی ہیں ہ؟"

داستان گو واقعات کی کڑیاں ملانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب اُس نے خاموشی سے تھیوڈورا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں تو ان میں چمک غائب تھی۔ بلکہ اندیشہ ناک غبار کا طوفان اُٹھ رہا تھا۔ اور وہ پھر کسی گہری سوچ میں ڈوب چکی تھی۔

داستان گو بھی اطمینان سے لیٹ گیا ـــــ جس محفل میں ذرا دیر پہلے ایسا سکوت تھا کہ ہر شخص کے دل کی دھڑکن آسانی سے سُنائی دیتی تھی، اب وہاں خرّاٹے گونج رہے تھے۔

اور تھیوڈورا اپنے دل سے باتیں کر رہی تھی:

" ایسی زبردست قوم کو یورپ سے نکالنا بچوّں کا کھیل نہیں! لیکن ـــــ لیکن ـــــ" وہ اپنے آپ مسکرائی ـــــ جیسے اُسے اپنے اس خیال کی حماقت پر بے اختیار ہنسی آ گئی ہو۔

اور تاتار اس کی مسکراہٹ میں ڈوبتا چلا جا رہا تھا +

نواں باب

ہم سفر

رات کے سکوت نے ساری دنیا کو اپنی گرفت میں جکڑ لیا تھا۔ الاؤ کی آگ بجھ چکی تھی ـــــ انگارے سو گئے تھے۔ مگر بھیوڈورا اور تاتار جاگ رہے تھے۔ بھیوڈورا شانوں تک تاتار کے بوسیدہ کھردرے کمبل میں لپٹی ہوئی تھی۔

یہ معلوم کرنے کے لئے کہ تاتار نے اس داستان سے کس قسم کا اثر لیا ہے؟ بھیوڈورا نے اُسے مخاطب کر کے کہا :۔

"سُنا لوگ کیا کچھ کرتے ہیں ؟"

" ہاں سُنا !"

" تم کیا کرنا چاہتے ہو ؟"

" میں کیا کر سکوں گا ؟"

" میرا مطلب ہے، تمہیں کون سا کام پسند ہے ؟ ترکوں کی طرح نئی تاریخ لکھنا یا ـــــ " اُس نے سامنے مدہوش پڑے ہوئے داستان گو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھا — محض ایسے تاریخی واقعات کو قصّوں کے رنگ میں دہرانا؟
"سچ پوچھو تو مجھے بادشاہوں کے سر سے تاج چھیننے کا کام بہت پسند ہے"!

اِس کا خیال تھا، تھیوڈورا اُس کے منہ سے یہ سُن کر بے ساختہ قہقہہ لگائے گی مگر اُس نے ایسا نہ کیا، وہ خاموشی اور سنجیدگی سے تاتار کا چہرہ تکتی رہی اور تاتار گھبرا کر بولا "آپ کو کون سا کام پسند ہے؟"

"تمہارے ہاتھ سے تاج چھیننا"!

اور ساتھ ہی تھیوڈورا نے انتہائی معصومانہ انداز میں قہقہہ لگایا۔ مگر تاتار کو یوں معلوم ہُوا، گویا یہ قہقہہ کسی اور کیفیت کو چھپانے کے لئے لگایا گیا ہے۔ اُس نے بڑی سنجیدگی سے کہا:۔

"یہ نہیں ہو سکتا"

"کیوں؟"

"اگر میں اپنے ہاتھ سے آپ کو تاج دے دُوں تو اور بات ہے۔ ورنہ آپ زبردستی مجھ سے تاج چھین نہیں سکتیں"

"چھین سکتی ہوں" تھیوڈورا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہرگز نہیں"

"مُفت کی بحث کیوں کرتے ہو۔ تم پہلے کسی تاجدار کے تاج پر قبضہ تو کرو"

"اور اگر میں تہیہ کر لوُں تو ضرور کامیاب ہو جاؤں گا"

"اور اگر میں بھی تہیہ کر لوں تو ضرور کامیاب ہوں گی"

"مجھے شک ہے"!

"مگر مجھے کوئی شک نہیں"

تاتار کی نگاہیں تھیوڈورا کے چہرے پر گڑ گئیں، جو اپنے یقین کی روشنی میں مستقبل کی تعمیر کرنے لگی تھی — وہ سوچ رہی تھی — ! اگر ترکوں کو یورپ میں امن میسر آگیا، تو وہ ایک نہ ایک دن سینٹ پیٹر کے کلیسا کو اپنے گھوڑوں کا اصطبل بنانے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے لیکن میں — ! میں اُنہیں کبھی کامیاب نہیں ہونے دُوں گی — مَیں اس قوم کو تباہ کر کے زندۂ جاوید ہو جاؤں گی جس نے یورپ اور ایشیا میں صلیب مقدس کے وقار کو خاک میں ملا دیا ہے — میں مسیحیت کے نئے اُفق پر نئی صبح کا ستارہ بن کر جگمگاؤں گی — !

تاتار کی نظریں بدستور تھیوڈورا کے چہرے پر گڑی تھیں لیکن اُس کا ذہن اب عثمانیوں کے تاریخی حالات کو واقعات کی صورت ترتیب دینے میں مصروف تھا — اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اپنی قسمت آزمانے کے لئے اُسے جس قسم کے ماحول کی تلاش تھی، وہ آدرنہ — اور صرف آدرنہ ہی میں میسّر آسکتا ہے۔

وہ فطرتاً سپاہی تھا۔ تلوار، پرچم اور گھوڑے سے اُسے قدرتی اُنس تھا۔ اَن دیکھے راستوں پر اَن جانے راہوں کی طرف بے باکانہ پیش قدمی — توانا اور تجربہ کار دشمنوں کے ساتھ جنگ آزمائی اور بڑے سے بڑے حریف کو زندہ گرفتار کرنا اُس کی زندگی کے محبوب مشغلے تھے۔

لیکن اب تک وہ صرف خواب ہی دیکھتا رہا تھا۔ نہ اُسے گھوڑا میسّر آیا نہ پرچم۔ ایک پرانی تلوار اُس کے ورثہ میں آئی تھی، جسے وہ کبھی کبھار سڑے ہوئے چمڑے کے نیام سے نکال کر دیکھتا، پتھروں پر تیز کرتا اور جوزیفیہ کے میدان میں آپ ہی آپ اُگنے والی جھاڑیوں کی شاخیں قلم کرنے کے بعد انتہائی حسرت کے ساتھ پھر نیام میں ڈال لیتا — ایک گمنام اور دُور افتادہ مسیحی خانقاہ کا معمولی چوکیدار اس کے سوا اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ کاش وہ کسی ترک سلطان کا محافظ ہوتا، وہ کسی

نامور فاتح کی فوج کا سپاہی ہوتا۔ ایک ہاتھ میں عَلَم، دوسرے میں تلوار ــــ سینکڑوں میلوں میں پھیلی ہوئی منزلیں، قدم قدم پر دریا ــــ سمندر اور ناقابلِ عبور ــــ دشوار گزار پہاڑی سلسلے، موت اور زندگی کی آنکھ مچولی اور وہ ــــ، خیالات کے بیکراں سمندر میں غوطے کھا رہا تھا۔

ــــ وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ خواب و خیال کے اَن جانے جزیروں میں گھوم رہے تھے۔ اور اُن کی اس خاموشی سے ایک عجیب ماحول وجُود پا رہا تھا شک اور بدگمانی کا ماحول ــــ ! یوں معلوم ہوتا تھا جیسے یہ دونوں ایک دوسرے کے حریف تاجدار ہوں۔

دونوں کنکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ایک عجیب کشیدگی تھی جو دونوں کے درمیان دیوار کی طرح حائل ہو گئی تھی۔ تاتار سوچنے لگا:۔

ــــ ناقابلِ عمل خیالات کا شکار ہو کر مسرت کے ان لمحات کو تلخ بنانے سے کیا فائدہ ! جو تھیوڈورا کی موجودگی سے میسّر آتے ہیں اور تھیوڈورا ابھی یہی سوچنے لگی تھی کہ جوزیفیہ کے ایک پُر کشش نوجوان چوکیدار سے اس بحث کا کیا نتیجہ ہوگا؟ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور بیک وقت مسکرا دیئے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ سکتے تھے۔

O

پچھلی رات کے سکوت میں اچانک یوں معلوم ہوُا جیسے کئی گھوڑ سوار تیزی سے خانقاہ کی طرف آ رہے ہوں۔ تاتار اور تھیوڈورا ــــ دونوں کے کان کھڑے ہوئے آواز لمحہ بہ لمحہ قریب ہوتی جا رہی تھی۔ یہ کون ہوں گے ؟ رات کے وقت قافلے تو ان شاہراہوں پر سفر نہیں کرتے اور پھر قافلے والوں کو اس قدر سرپٹ گھوڑے دوڑاتے

کی کیا ضرورت ہے! وہ لوگ تو تیز چل ہی نہیں سکتے! ڈاکو ہوں گے؟"

"ڈاکو ہوں گے!" کھیوڈورا نے درخت کے تنے کے ساتھ لگ کر کمبل میں چھپتے ہوئے کہا:۔

"آج تک تو ایسا اتفاق کبھی نہیں ہوا۔ خانقاہ میں ڈاکوؤں کا کیا کام؟"

سوار جوزلیفیہ کے صدر دروازے پر رُکے۔ بہت بڑے چوبی دروازے پر بیک وقت کئی ہاتھ دستک دینے لگے۔ دستک کے انداز ہی سے بے تابی اور گھبراہٹ ظاہر تھی۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور سوار اندر داخل ہوئے۔ مختلف کمروں کے دروازے بے تابی کے ساتھ کھلے۔ کھڑکیاں اور الماریاں کھولی گئیں۔ پھر صراحیاں اور جام ٹکرانے لگے اور اس کے بعد پتھریلے فرش پر بلوری برتنوں کے زور زور سے گرنے اور چُور چُور ہونے کی آوازیں آنے لگیں۔

تاتار اور تھیوڈورا ابھی تک خاموش لیٹے تھے۔

اب خانقاہ کے اندر اُونچی اُونچی غضب ناک آوازیں گونجنے لگیں۔ بیک وقت کئی آدمی بول رہے تھے۔ اِس لئے کوئی بات سمجھ میں نہ آسکی۔ البتہ یہ صاف ظاہر تھا، کہ آنے والے کسی شے کی تلاش میں آئے ہیں، جو نہ تو اُنہیں مل رہی ہے، اور نہ ہی خانقاہ کا کوئی آدمی اُنہیں اس کے متعلق کچھ بتانے کو تیار ہے۔

تاتار نے اُٹھتے ہوئے کہا:۔

"آپ یہیں رہیں۔ اور مجھے اجازت دیں کہ اندر جاکر آنے والوں کی نیّت معلوم کروں!"

"مگر تمہیں اندر کون جانے دے گا؟"

"آپ کا خیال درست ہے۔ مجھے صرف خانقاہ کی بیرونی حفاظت سے واسطہ ہے اور میں آج تک اندر نہیں گیا۔ مگر حالات کی نزاکت کا تقاضا اب یہ ہے کہ اگر مجھے

سے ہو سکے تو کچھ کر گزروں !"

"نہیں ! نہیں !! ٹھہرو !!! تھیوڈورا نے تیزی سے کمبل ہٹاتے ہوئے کہا" تم اپنے آپ کو خطرے میں کیوں ڈالتے ہو؟"

تاتار رُک گیا۔ اس نے تھیوڈورا کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ پچھلی رات کے کمزور چاند کی کرنیں بادام کے پتّوں سے چھن چھن کر تھیوڈورا کے چہرے پر کچھ اس طرح پڑ رہی تھیں کہ اُس کے خدوخال کے بعض حصّے روشن اور بعض دُھندلے دکھائی دے رہے تھے۔ صحرا نشین اور نوجوان تاتار کے تصوّر میں تھیوڈورا کا چہرہ اس وقت ایسے چاند کی طرح تھا جس کا کچھ حصّہ تاریک بادلوں کے اندر ہو اور کچھ حصّہ باہر! اُس نے زندگی میں پہلی بار محبت کرنے والی کسی دوشیزہ کے احساسات کو بالکل صاف اور واضح شکل میں دیکھا۔ خود اُس کے اپنے احساسات محبّت کے سمندر میں ہچکولے کھانے لگے۔ وہ مسکرایا۔ اُس نے تھیوڈورا کو اپنی جگہ خاموش پڑے رہنے کا اشارہ کیا، اور اپنی تلوار کی طرف لپکا جو بالکل قریب بوسیدہ چمڑے کے نیام میں بند، زمین پر پڑی تھی۔

ابھی وہ اپنی تلوار کے قریب بھی نہ پہنچا تھا کہ خانقاہ کا عقبی دروازہ کھلا اور چھ سات نوجوان جنگی لباس اور وزنی فولادی ہتھیاروں سے مسلح میدان میں داخل ہو گئے۔ اُس نے تیزی سے چاروں طرف دیکھنا شروع کیا۔ تھیوڈورا کسی بے نام اندیشے کی وجہ سے کمبل میں چھپ گئی تھی۔ سپاہی تیزی سے الاؤ کے اردگرد سوداگروں کے سرہانے آگئے۔ ایک ایک کو بال سے پکڑ کر اوپر اُٹھایا، اُن کے چہرے دیکھے اور پھر اُنہیں بڑی نفرت اور غصّے کے ساتھ دوبارہ زمین پر پٹخ دیا۔

تاتار یہ سب کچھ بڑی خاموشی سے دیکھتا رہا۔ سپاہی چاروں طرف ایک ایک چیز کا جائزہ لیتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ تیز تیز باتیں کرتے دوبارہ آہستہ آہستہ

خانقاہ کی طرف مُڑے۔ اچانک ایک کی نظر تھیوڈورا پر جا پڑی، جو کمبل میں لپٹی ـــ اور سہمی ہوئی بے حس و حرکت پڑی تھی۔ وہ اُس کے قریب آیا۔ جھٹکے کے ساتھ کمبل کھینچا۔ اور تھیوڈورا کا چہرہ چاند کی طرح دمکنے لگا۔ وہ دیوانہ وار چلایا۔

" اِدھر آؤ ـــ! دیکھو!! بلقان کی نواب زادی یہاں چھپی ہوئی ہے "

سارے سپاہی تھیوڈورا کی طرف بڑھے۔ دونوں بازو پکڑ کر اُسے اُوپر اٹھایا، ایک نے کہا:

" ہم کتنی دیر سے آپ کی تلاش کے لئے یہاں مارے مارے پھر رہے ہیں، ہم لوگ ہنگری سے گورنر ہنیاڈی کے بھیجے ہوئے آدمی ہیں۔ گورنر آپ کے لئے دیوانہ ہو رہا ہے "

" چھوڑ دو! مجھے چھوڑ دو!! " تھیوڈورا نے اپنے آپ کو چھڑانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا " مجھے ہنگری کے گورنر سے کیا واسطہ؟ میں اب ہنگری واپس جانا نہیں چاہتی "

" آپ کے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے نواب زادی! ہم آپ کو لینے آئے ہیں اور اپنے ساتھ ہی لے کر جائیں گے "

" میں نہیں جاؤں گی! نہیں جاؤں گی!! "

سپاہی مسکرائے۔ تاتار اپنی تلوار سنبھالے آہستہ آہستہ اُن کے قریب آیا، اور تھیوڈورا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

" ایک کمزور عورت کو تم اُس کی مرضی کے خلاف کہیں نہیں لے جا سکتے "

" اچھا جناب! " ایک سپاہی نے مسکراتے ہوئے کہا " آپ کی تعریف؟ ہنگری کے گورنر، اور نواب زادی کے معاملات میں مداخلت کرنے والے آپ کون ہیں؟"

"میں جوزیفیہ کا محافظ ہوں، اور یہ دیکھنا میرا کام ہے کہ یہاں کسی پر ناجائز سختی نہ کی جائے۔"

"تم اپنے اختیارات کو جوزیفیہ کی حفاظت تک محدود رکھو! اور ہمارے منہ آنے کی کوشش نہ کرو۔ اِس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔"

"میں کہتا ہوں اس عورت کو چھوڑ دو! اگر وہ اپنی مرضی سے تمہارے ساتھ جانا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"تم نواب زادی کو لے جاؤ۔" دستے کے سردار نے تلوار سونت کر کہا۔ "میں اِس چوکیدار سے نپٹ لیتا ہوں۔"

وہ سپاہی گھوڑوں کو گھسیٹنے لگے۔ سردار تاتار کی طرف بڑھا اور اُس کے سپاہی تماشا دیکھنے لگے۔ تاتار نے بھی تلوار لہرائی۔ ہنگری کے سردار نے اُس کے قریب آکر کہا:۔

"ابھی وقت ہے۔ مفت میں اپنی جان نہ گنواؤ!"

تاتار نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتّہ وہ وار کرنے اور روکنے کے لئے تیار ہوگیا۔ دونوں کی تلواریں ٹکرائیں اور بجلی کی طرح لپکنے لگیں۔ تاتاری نوجوان کی ہمّت اور ہوشیاری دیکھ کر چند اور سپاہی اپنے سردار کی مدد کے لئے میدان میں آگئے جنہیں دیکھ کر تاتار پہلے سے کہیں زیادہ تیزی اور پھُرتی کے ساتھ حملے کرنے لگا۔ اُس کا ایک ہاتھ مشین کی طرح حرکت کرنے لگا اور اس کی تلوار ایک ہی لمحے میں کئی بار ہنگری کی فولادی تلواروں، خودوں، زرہوں اور ڈھالوں سے ٹکرا ٹکرا جاتی۔ مگر یہ تلوار صدیوں پُرانی تھی جس پر زنگ اپنا اثر جما چکا تھا، آخرکار وہ ٹوٹ گئی۔

جب وہ نہتّا ہوگیا تو ایک سپاہی نے نیزے سے وار کیا ــــ دوسرے نے تلوار سے، اور سردار نے اپنا فولادی خود اُس کے منہ پر دے مارا۔ تاتار اِن تیز حملوں کی

تاب نہ لا سکا۔ اُس نے سنبھلنے کی بہت کوشش کی، لیکن اُس کی نگاہوں کے سا
اندھیرا چھا گیا۔ اس کا دماغ سُن ہو گیا اور وہ لڑکھڑا کر زمین پر گر گیا۔ اس کے گرتے
سردار نے قہقہہ لگایا اور پھر جوزلیفیہ کی دُنیا میں سکوُت چھا گیا۔

سردار نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ تاتار کو بھی نواب زادی کے ساتھ ہنگری ۔
جایا جائے، کیونکہ اُسے یقین تھا کہ وہ خانقاہِ جوزلیفیہ کا نہیں بلکہ تھیوڈورا کا محافظ
—— اور گورنر، نواب زادی کے محافظ کو دیکھ کر بہت خوش ہو گا۔

زخمی اور بے ہوش تاتار کو ایک گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ تھیوڈ
کی مزاحمت ختم ہو چکی تھی۔ جوزلیفیہ کا جابر طفطامیس نہ جانے کہاں چھپا ہوا تھا —— اِس
دُنیا میں ایسا کوئی شخص نہ تھا، جو تھیوڈورا کی مدد کر سکتا۔ بادشاہوں کے سر سے تاج چھین
والا تاتار اور تاتار کے ہاتھ سے تاج چھیننے والی تھیوڈورا —— دونوں قیدیوں کی حیثی
سے ہنگری کی طرف روانہ ہو گئے۔

○

ہنلیارٹی کے سپاہیوں کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ اُنہوں نے زخمی تاتار کو اپنے سا
لا کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔ وہ اس قدر طویل سفر کے قابل نہ تھا۔ اُسے جب بھی ہوش آتا و
بے بسی کے عالم میں چلّانے لگتا، اور یہ بات قافلے والوں کے لئے کسی صورت مفید نہ تھی
—— یہ لوگ اسی سبب بہت سُست رفتاری کے ساتھ ہنگری کی طرف رینگ
رہے تھے۔

ایک دن شام کے قریب جب یہ قافلہ بلغاریہ کے شمالی کوہستان میں ایک چشمے
کے کنارے پہنچا تو تھوڑی دیر کے لئے یہ لوگ رُک گئے۔ سپاہیوں نے پانی پیا، مشکیزے
بھرے اور پھر اپنے سردار کے حکم سے کوچ کرنے لگے۔ تھیوڈورا سے اس موقع پر خاموش

نہ رہا گیا۔ اُس نے سردار سے اِلتجا بھرے لہجہ میں کہا :

" زخمی کی حالت بہت خراب ہے، کیا میں اس کے زخم دھو نہ لوں ؟"

" تمہارے سر سے ابھی تک اس چوکیدار کی محبت کا سودا نہیں گیا ؟" سردار نے غضب ناک لہجے میں کہا اور پھر نفرت سے بولا ـــــ " سپاہیو! اس شخص کو یہیں پھینک دو! یہاں پہاڑی کا دامن سرسبز ہے، چشمہ ہے۔ پھلدار درخت ہیں، اور پھر موسم بھی بہت اچھا ہے۔ بے فکری سے پڑا نواب زادی کی ناکام محبت کے خواب دیکھتا رہے گا۔"

سپاہی اپنے سردار کی بات سُن کر خوش ہو گئے۔ اُنہوں نے تاتار کو کھولا اور وہیں چشمے کے کنارے پھینک کر آگے چلے گئے۔

تاتار کے زخم نہ تو مہلک تھے نہ تشویشناک۔ اگر اُسے بیدردی کے ساتھ گھوڑے کی پیٹھ سے جکڑ نہ دیا گیا ہوتا، تو شاید پہلے ہی دن اُس کی حالت سنبھل گئی ہوتی۔ اُسے سب سے زیادہ تکلیف اِس سفر سے ہوئی تھی، جس کے دوران اُس کے جسم کا کوئی بھی حصہ آزاد نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ شدّتِ درد سے نڈھال تھا۔ جب اُسے چشمے کے کنارے ٹھنڈی ٹھنڈی ریت پر پھینک دیا گیا۔ تو تھوڑی دیر بعد اُس کی حالت اپنے آپ سنبھلنے لگی۔

اُس نے آنکھیں کھولیں ـــــ شفق کی سُرخیاں چشمے کی مختصر سی بلّوری مینا میں جھانک رہی تھی اور چاروں طرف پھل اور پھولوں سے لدے ہوئے درخت عجیب بہار دکھا رہے تھے۔

اُس نے آگے بڑھ کر ایک درخت سے دو سیب توڑ لئے۔ اطمینان سے اُنہیں کھایا اور پھر چشمے کا ٹھنڈا میٹھا پانی پی کر کمر کو سیدھی کرنے لگا۔

جب وہ ذرا سا آسودہ ہوا، تو اُسے زخموں کی تکلیف محسوس ہونے لگی۔ پھر اُس

نے جیسے چونک کر اپنے اردگرد دیکھا۔ اس وقت تک وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ خانقاہِ جوزلیفیہ کی ندی کے کنارے بیٹھا ہے، مگر اب نہ جوزلیفیہ کا مانوس میدان تھا، نہ خانقاہ، نہ تھیوڈورا تھی اور نہ قافلہ۔ اوہ ـــــ ! منگری کے سپاہی، جنگ !! اُسے رفتہ رفتہ سب کچھ یاد آ رہا تھا، مگر وہ لوگ گئے کہاں ! تھیوڈورا کہاں ہے ؟ اور خود وہ کہاں ہے ؟ چاروں طرف پہاڑ ! چشمہ !! وہ تو اُس جگہ سے بالکل ناواقف تھا۔ تھکا ہوا تو تھا ہی، سوچتے سوچتے چشمے کے کنارے سو گیا۔

O

پو پھٹنے سے پہلے وہ پہاڑی شاہراہ پر گھوڑوں کے قدموں کی آواز سے بیدار ہو گیا۔ اب اُس کی طبیعت پہلے سے بہت بہتر تھی۔ وہ حیران تھا کہ یہ وہی لوگ ہیں جو اُسے اور تھیوڈورا کو جوزلیفیہ سے یہاں لائے ہیں، یا خانقاہِ جوزلیفیہ کے لوگ ہیں جو شاید طفطا میس کے حکم پر تھیوڈورا کی تلاش میں آئے ہوں۔

وہ اُٹھ بیٹھا، اور تھوڑی دیر میں یونانی سواروں کا مسلح دستہ اُس کے قریب آ گیا۔

ایک یونانی سپاہی سردار کے اشارے پر تاتار کے قریب آیا، اور اُس نے پوچھا: ـــــ

"تم نے اس طرف بلقانی سواروں کا کوئی دستہ تو نہیں دیکھا ؟"

"بلقانی سواروں کا ؟" تاتار نے دماغ پر زور دیتے ہوئے کہا "جن کے ساتھ ایک بلقانی دوشیزہ بھی تھی ؟"

"ہاں ہاں !!" یونانی سردار نے تیزی سے اُس کے قریب آ کر کہا "تم ٹھیک کہتے ہو۔ ان کے ساتھ ایک دوشیزہ بھی تھی جسے شاید وہ اپنے ساتھ لئے جا رہے

ہیں۔"

"میں تمہیں ان کے متعلق ٹھیک ٹھاک بتادوں گا مگر اس شرط پر کہ تم مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو!"

"کیوں ؟"

"اس لئے کہ ۔۔۔ تم شاید اُس دوشیزہ کو واپس لانا چاہتے ہو ؟"

"ہاں! ہاں!! ۔۔۔ ہمیں قیصر نے اُس دوشیزہ کو لانے کے لئے بھیجا ہے، لیکن اس سے تمہیں کیا مطلب ؟"

"وہ لوگ میری تجارت کا بہت سا سامان بھی اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ اگر تمہاری مدد سے مجھے وہ سامان مل جائے تو ساری عمر تمہیں دعائیں دیتا رہوں گا۔"

سردار نے کچھ سوچ کر کہا۔" ہمارے پاس کوئی فالتو گھوڑا نہیں۔ تمہیں کس طرح اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں ؟"

"کوئی پروا نہیں۔ میں کسی کے پیچھے بیٹھ جاؤں گا۔"

سردار نے اپنے ایک سپاہی کو حکم دیا۔" اُسے اپنے ساتھ بٹھالو!" ۔۔۔ اور تاتار سے مخاطب ہو کر کہا ۔۔۔" اب بتاؤ بلقانی سوار کس طرف گئے ہیں ؟"

تاتار نے جواب دیا۔" آپ میرے پیچھے آئیں!" ۔۔۔ اور اُس نے اپنے ساتھی سوار سے ایک طرف مڑنے کا اشارہ کیا۔

ابھی یہ لوگ تھوڑی ہی دُور گئے تھے کہ اُن کے سردار نے تاتار کی مشکل کو سمجھتے ہوئے اپنے سپاہی کو ایک دوسرے سوار کے ساتھ بیٹھنے کا حکم دیا ۔۔۔ اب تاتار آزادی کے ساتھ اپنے گھوڑے کو وادی کے نشیب و فراز میں بھگانے لگا۔

پچھلے پہر کے قریب اُسے بلقانی دستہ نظر آ گیا جو ذرا فاصلے پر اپنی منزل کی طرف چلا جا رہا تھا۔

وہ ایک اُونچی چٹان پر چڑھ گیا۔ جہاں سے اُس نے سارے کوہستان کا جائزہ لیا ــــ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اب کسی مقررہ جگہ پر بلقانیوں سے پہلے پہنچ جانے کے لئے کونسا راستہ اختیار کیا جائے ــــ اور یہ اُس کی خوش قسمتی تھی کہ اُسے قریب ہی ایک ایسی وادی مل گئی، جو دونوں پہاڑوں کے درمیان اسی جگہ ختم ہوتی تھی جس کی طرف بلقانی بھاگے چلے جا رہے تھے ــــ درّے سے باہر نکلتے ہی وہ ایک چٹان کے پاس رُک گیا اور یونانی سردار سے بولا:ــــ

"یہیں رُک جائیے! بلقانی دستہ تھوڑی دیر میں یہاں پہنچنے والا ہے، لیکن مجھے چھپ جانے کی اجازت دیجئے! کیونکہ میں سپاہی نہیں ــــ بلکہ ایک سوداگر ہوں۔ اگر میری قسمت میں میرا مال لکھا ہے تو آپ ضرور بلقانیوں پر فتح پائیں گے اور میں اپنا مال حاصل کر لوں گا۔ ورنہ جو آپ کی قسمت وہی میری!"

یونانی ایک چٹان کی آڑ لے کر بلقانیوں کا بے تابی سے انتظار کرنے لگے۔ تاتار ایک بہت بڑے پتھر کے ساتھ ٹیک لگا کر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر میں بلقانی سواروں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ یونانی تلواریں اور نیزے سونتنے لگے، اور جب بلقانی دستہ موڑ مڑ کر اُن کے قریب آیا تو وہ چٹان کی اوٹ سے نکل کر اُن پر پل پڑے۔ دونوں دستوں میں بھرپور جنگ شروع ہو گئی۔

تھیوڈورا یہ حال دیکھ کر ایک عمودی چٹان کے نیچے کھڑی ہو گئی۔ اس کے دل میں بار بار یہ خیال پیدا ہوا کہ کسی طرف بھاگ جائے۔ مگر رات تیزی سے سر پہ آ رہی تھی اور وہ پہاڑی راستوں سے بالکل ناواقف تھی۔ اِس لیئے کسی طرف بھاگ نہ سکی۔ حالانکہ وہ یہ بھی دیکھ رہی تھی کہ اس وقت جان بچانے کے لئے جو موقعہ ہاتھ آ چکا ہے، شاید پھر کبھی نہ آئے ــــ دونوں دستے دیوانے سانڈوں کی طرح ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے، اور کسی کو تھیوڈورا کا خیال تک نہ رہا تھا۔

متحارب دستے لڑتے لڑتے تھیوڈورا سے بہت دُور نکل گئے تھے ——— اور وہ اپنے خیالات میں کھوئی ہوئی تھی۔ اچانک اُسے یوں معلوم ہُوا جیسے چٹان کے اُوپر سے کوئی کنکر نیچے گر رہا ہو۔ اُس نے اُوپر دیکھا، کوئی شخص پتّھر کی اوٹ میں بیٹھا تھا۔ پہلے تو وہ ڈر گئی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بلقانی اور یونانی ——— دونوں قوموں کے سپاہیوں کے ہاتھ سے نکل کر کسی ایسے اِنسان کے قبضے میں آ جائے، جو اُسے آدرنہ سے بہت دُور لے جائے ——— مگر چند ہی لمحوں بعد وہ محسُوس کرنے لگی کہ اُسے پتّھر کی آڑ میں جو آنکھیں روشن نظر آ رہی ہیں ——— وہ اُس کی دیکھی بھالی آنکھیں ہیں۔ وہ پیچھے ہٹی اور لڑنے والے دونوں دستوں سے اور دُور ہو گئی۔

تاتار اب تیزی سے نیچے اُترا ——— تھیوڈورا اپنا گھوڑا اُس کے قریب لے آئی۔ دونوں مسکرائے۔ تاتار تھیوڈورا کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اُس نے تھیوڈورا کے ہاتھ سے لگامیں لے لیں، اور چٹانوں کے پیچھے نظروں سے اوجھل ہو گیا +

⭕

تاتار تھیوڈورا کو اپنے پیچھے بٹھائے، اس راستے پر تیزی سے چلا جا رہا تھا، جہاں سے تھیوڈورا کل رات گزر چکی تھی، لیکن ایک ہی رات کے عرصے نے ان راستوں ——— بلکہ سارے پہاڑی سلسلے میں کیسا عظیم انقلاب برپا کر دیا تھا۔

——— کل رات وہ ہنگری کے ان مجاہدوں کے ساتھ ہنگری ——— اپنے آبائی وطن کی طرف جا رہی تھی جو ہنیاڈی کی قیادت میں ترکوں کے خلاف کئی بار لڑ کر صلیبی مجاہدوں کے زمرے میں شامل ہو چکے تھے، جنہیں صرف چند ماہ پہلے ایک نظر دیکھ لینا ہی سعادت کا موجب تھا۔ لیکن تھیوڈورا کو اب ان سے خوف محسوس ہونے لگا تھا۔

لیکن آج ——— اس کی قسمت ایک ایسے گُمنام نوجوان کے ہاتھ میں آ گئی تھی، جسے اُس

نے زندگی میں پہلی بار جوز لیفیہ کی خانقاہ میں دیکھا تھا ـــــ تھیوڈورا کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ اُس کا نام کیا ہے ۔ کہاں کا رہنے والا ہے اور کس عقیدے سے تعلق رکھتا ہے؟ مگر اس اجنبیت کے باوجود تاتار کی موجودگی سے اُسے جو اطمینان اور خوشی محسوس ہو رہی تھی وہ آج تک اسے کہیں حاصل نہ ہوئی تھی ۔

اُسے ایک ایسا فرڈی نینڈ مل گیا تھا ، جس کے دل اور دماغ پر وہ فرمانروائی کر سکتی تھی ۔ وہ اُس کی فطرت ـــــ اُس کی حقیقت سے آگاہ تھی ۔ یہ تھیوڈورا کی خوش قسمتی تھی کہ اُسے آدرنہ پہنچانے اور ترکوں کے دارالحکومت میں دشمن سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک ایسا شخص اُس کے ساتھ جا رہا تھا جو ہنیاڈی کی طرح بہادر ، جولیس کی طرح مقدس ، قیصر کی طرح ذی شان اور زرتریوتیر کی طرح محترم اور پُر وقار تھا ۔ مگر تھیوڈورا ، ہنیاڈی پر تو حکم نہ چلا سکتی تھی ـــــ مگر اسے یقین تھا کہ تاتار میں میرے حکم سے سرتابی کی ہمت نہیں ۔

اُسے یوں معلوم ہُوا ، گویا وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہی ہے ۔ اگرچہ تاتار جوز لیفیہ کی خانقاہ کا چوکیدار تھا ۔ لیکن ایسا حسین نوجوان نہ تو اُسے بلقان میں نظر آیا تھا ، نہ یونان میں ۔ اُس کی آنکھوں میں اس بلا کی کشش تھی ، جس کے اثر سے تھیوڈورا اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی کسی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکی تھی ۔

کیا واقعی اُسے تاتار سے محبت ہو گئی تھی ! تھیوڈورا کو ـــــ ! بلقانی ازابیلا کو ایک گمنام تاتاری سے محبت ؟

اچانک گھوڑے نے ٹھوکر کھائی ۔ تھیوڈورا کو جھٹکا لگا اور وہ تاتار سے لپٹ گئی ۔ اُسے یُوں محسُوس ہوُا جیسے وہ اجنبی محسُوسات اور غیر مانوس جذبات کی ایک مکمل دنیا سے لپٹ گئی ہو ـــــ ایک آگ تھی جس کی سُرور آگیں تپش نے اُسے مسرّت کی فراوانی سے بیخود کر دیا ۔

تاتار نے گھوڑے کی لگامیں کھینچیں۔ تھیوڈورا نے اُس کے کندھے کے اُوپر سے اپنے سامنے نگاہ ڈالی۔ تاتار گھوڑے کو خانقاہِ جوزلیفیہ کی طرف موڑ رہا تھا۔ تھیوڈورا نے مخلوط جذبات میں اُلجھ کر کہا:

"ٹھیرو!"

گھوڑا رُک گیا ـــ تاتار نے پیچھے مُڑ کر دیکھا۔ اپنی اُمنگوں اور محسوسات کی رنگینی نے تھیوڈورا کے چہرے کو اس قدر حسین اور دلفریب بنا دیا تھا کہ تاتار اُسے دیر تک حیرت اور سکتے کے عالم میں دیکھتا رہا، پھر پوچھا:۔

"کیوں؟"

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

"جہاں سے ہم چلے تھے۔"

"میں وہاں واپس جانا نہیں چاہتی۔"

"تو پھر ـــ؟"

"گھوڑے کی لگام آدرنہ کی طرف موڑ دو۔"

"آدرنہ کی طرف؟"

تھیوڈورا کی نظریں تاتار کے چہرے پر تھیں۔ وہ اُس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ اُس نے منہ سے کچھ نہ کہا۔ صرف اثبات میں اپنا سر ہلایا۔

تاتار سنجیدہ ہو گیا ـــ اُس نے بھی مُنہ سے کچھ نہ کہا۔ البتہ اپنی نظریں تھیوڈورا کی حسین آنکھوں میں پیوست کر دیں۔ دونوں ـــ دیر تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے، اور پھر ـــ دونوں ایک ساتھ مسکرا اُٹھے۔ جیسے ایک دوسرے کے دل کی بات سمجھ چکے ہوں۔

تاتار نے خانقاہِ جوزلیفیہ کے راستے سے ہٹ کر اپنا گھوڑا ندی کے

کنارے آدھے سند کی شاہراہ پر ڈال دیا اور دُسس کے سُموں سے اُڑنے والا گرد و غبار بادل کی طرح خانقاہِ جوزلیفیہ پہ چھایا رہا ٭

دسواں باب

سانتا میریا

تاتار دو چھوٹی چھوٹی چٹانوں کے درمیان ایک ایسے چشمے کے کنارے رکا، جس نے آبشار کی صورت اختیار کر لی تھی۔ پہلے تو وہ خود نیچے اُترا۔ پھر تھیوڈورا کو اُترنے کا اشارہ کیا اور وہ گھوڑے کے پاس اس لئے کھڑا تھا کہ اُترتے وقت تھیوڈورا کی مدد کرے۔ مگر اُس نے دُوسری طرف چھلانگ لگا دی۔ گری، پھر سنبھل کر اُٹھ کھڑی ہوئی، اور اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے بولی :۔

"مَیں اپنے آپ اُتر سکتی ہوں۔"

تاتار نے کچھ خیال نہ کیا۔ اُس نے گھوڑے کو درخت کے ساتھ باندھ دیا۔ زین اُتاری اور تھیوڈورا کی طرف دیکھ کر کہنے لگا :۔

"رات گزارنے کے لئے یہ جگہ کیسی رہے گی ؟"

"اگر تم نے اپنے فیصلے سے پہلے میری رائے دریافت کی ہوتی تو ضرور جواب دیتی۔"

"گویا نواب زادی کو یہ جگہ پسند نہیں؟" اُس نے زین نیچے رکھتے ہوئے کہا۔
"ہے — یا نہیں!" تھیوڈورا نے پتھر کی سِل پہ بیٹھتے ہوئے کہا۔ "تم اپنا کام کئے جاؤ۔"

تاتار نے اپنے ارد گرد چاروں طرف دیکھا۔ چاند پہلے سے زیادہ بلند ہو چکا تھا۔ چاندنی کرنیں بکھیر رہی تھی۔ وہ آگے بڑھا، لکڑیاں جمع کیں، آگ جلائی۔ تھیلے میں سے گوشت نکالا اور اس انداز سے تھیوڈورا کے سامنے رکھا کہ وہ اُسے دیکھ سکے اور اُس نے دریافت کیا:

"نوابزادی کو بُھنا ہُوا گوشت بھاتا ہے نا؟"

تھیوڈورا نے گوشت کو دیکھا اور دوسری طرف مُنہ پھیرتے ہوئے کہا:

"بشرطیکہ بُھنا ہُوا ہو۔"

تاتار نے آگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "بھون لیجئے۔"

"میں —؟ نہیں! تھوڑی سی تکلیف تم کرو۔"

"میں نواب زادی سے بار بار عرض کر چکا ہوں کہ جب عورت کی خدمات میسر ہوں، تو مجھے عورتوں والے کام کرتے ہوئے گِھن آتی ہے۔"

"اور مجھے مردوں کے سامنے عورتوں والے کام کرنے سے کوفت ہوتی ہے۔" تھیوڈورا نے شوخی سے کہا۔

"بہت خوب!" تاتار نے اُٹھتے ہوئے کہا — "میں تھوڑی دُور اِدھر اُدھر گھومتا ہوں۔ آپ تنہائی میں عورتوں والے کام کر لیجئے۔"

تاتار تھیوڈورا کی طرف دیکھے بغیر ایک طرف چل دیا۔

وہ اس وقت سارے کوہستان کا تنہا مالک نہیں تو اور کیا ہے؟ کوئی ایسا ہے جو تاتار کے اِس خیال کی تردید کر سکے! اگر کسی کو شک ہو تو وہ اس کی حسین بلقانی ملکہ —

تھیوڈورا سے پوچھے، جو اس بے تاج بادشاہ کے لئے اپنی مملکت میں شکار کئے ہوئے ہرن کا گوشت بڑے پیار سے بھون رہی تھی ـــــ ملکہ! نہ جانے تاتار کا دل کیوں بلّیوں اُچھل رہا تھا۔ وہ مسکرانا چاہتا تھا۔ اگر اُسے گانا آتا تو وہ جھوم جھوم کر گاتا ـــــ گا گا کر جھومتا۔

اُس نے اپنی بانسری نکالی اور اپنے وطن کے مشہور لوک گیت کی دُھن بجانے لگا۔

اس گیت کی، جو عام طور پر شادی بیاہ اور خصوصیت کے ساتھ کسی قبیلے کی دشمن قبیلے پر شاندار فتح کے جشن پر گایا جاتا ہے۔ کوہستان کے درمیان وادی کے سکوت میں اُس کی آواز ہوا کی لہروں کے سر سرلتے ہوئے انتہائی لطیف ہیجان پر سوار ہو کر جیسے دُنیا کے چاروں کونوں تک منتشر ہو رہی تھی، جیسے ایک شہنشاہ رُوئے زمین پر اپنی فرمانروائی کا اعلان کر رہا تھا۔ حوریں اُس کی ہم نوا تھیں۔ چاند اور ستارے ناچ رہے تھے۔

یہ آواز تھیوڈورا کے کانوں سے بھی ٹکرا رہی تھی۔ تاتار کی مسرت نے اُسے غموں سے آشنا کر دیا تھا۔ کہاں وہ نواب زادی جس کی خدمت کے لئے کئی کنیزیں دست بستہ حاضر رہتی تھیں ـــــ آج وہ جنگل میں اس شخص کے لئے گوشت بھوننے پر مجبور تھی، جو کل تک خانقاہِ جوزلفیہ کا معمولی چوکیدار تھا۔ اُسے ہنگری کا شاہی محل یاد آگیا قسطنطنیہ کے حرم کا جشن یاد آگیا۔ جولین، ہنیا لمی اور قیصر مینوئل اُس کے سامنے دست بستہ حاضر تھے۔ وہ رونا چاہتی تھی، وادی کا سکوت، ستاروں کی چشمک اور چاندنی کی طنز ہر چیز اُس کی برداشت سے باہر ہوتی چلی جا رہی تھی۔

تاتار جب کافی دُور تک گھومنے کے بعد واپس آیا، تو اُسے یوں معلوم ہوا ـــــ جیسے تھیوڈورا اُس کو آتے دیکھ کر الاؤ سے ہٹ گئی ہو ـــــ آگ بدستور روشن تھی ـــــ مگر گوشت ویسے کا ویسا ہی رکھا تھا۔ اُس نے خاموشی سے ماحول کا جائزہ لیا، اور تھیوڈورا کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے کے لئے زور زور سے بھُنے ہوئے گوشت کی

خوشبو سونگھنے لگا لیکن جب ٹھیوڈورا نے اُس کی کوئی پروا نہ کی، تو وہ بھی اُسے بالکل نظرانداز کرتا ہُوا زمین پر سر رکھ کر خاموشی سے لیٹ گیا۔

O

نہ جانے یہ ماحول کا اثر تھا یا غم کی شدّت، زندگی کے گزرے ہوئے لمحات کی یاد تھی، یا تاتار نے نادانستہ اپنی بانسری کی زہریلی نے سے اُس کا دِل دُکھا دیا تھا۔ بہرحال تھیوڈورا آج اُسے بے حد ملول نظر آئی۔ اُس کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ وطن کی یاد، عزیزوں سے دُوری اور مستقبل کی غیریقینی کیفیت پر اس کا دل رو رہا ہے۔ اس نے نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ وہ شاید اب تک روتی رہی تھی۔ تاتار ایک بے کس عورت کی یہ حالت برداشت نہ کر سکا، اور تھیوڈورا کے غم کو مزاح کی نذر کرتے ہوئے بولا :-

"خالی پیٹ رہنے سے غشی کے دَورے پڑنے کا احتمال ہے۔ یہاں خود مجھے بھوک کی وجہ سے غش پر غش آرہے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ــــ !"

تاتار کچھ دیر چُپ رہ کر پھر بولا :-

"خاموش رہ کر سوچنا ایک ایسے اطمینان کی دلیل ہے جو صرف پیٹ بھر جانے کے بعد میسّر آتا ہے۔"

وہ تاتار کے جذبات و محسُوسات کی سنگینی سے تڑپ اُٹھی۔ اُس نے جل کر کہا :-

"ہاں، میں نے پیٹ بھر لیا ہے !"

"اچھا جناب ! تاتار ہنس کر اُٹھ بیٹھا۔ "تو گویا خواب میں پیٹ بھرا ہے آپ نے !"

"خواب پر ایمان رکھنا اِس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن ضرور شرمندۂ تعبیر ہو کر رہے گا۔"

"خواب کے شرمندۂ تعبیر ہونے تک زندہ رہنا ہے تو ممکن ہے۔ مگر بھوک سے زندگی کا رس خشک ہو جاتا ہے۔ بھوک سے حرکتِ قلب بند ہو جاتی ہے۔ میں نے لوگوں کو بھوک سے پاگل ہوتے بھی دیکھا ہے۔"

"مرد ہوتے ہوں گے!"

"عورتیں بھی ہو جاتی ہیں۔"

تھیوڈورا تن کر کھڑی ہو گئی۔ سنجیدگی کے غازے سے اس کا چہرہ تمتمانے لگا۔ اُس نے جذبات کی شدّت سے مغلوب ہو کر کہا:

"تم نے عورتیں دیکھی کہاں ہیں؟"

"دیکھ رہا ہوں! دیکھ چکا ہوں!!"

"شکر ہے کہ اُسے سمجھ نہیں سکے۔"

"سمجھنے کی کوشش بھی نہ کروں گا۔"

وہ دوبارہ لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ مگر تھیوڈورا اُس کے ذہن کے پردے پر اپنے نسوانی وقار کے ساتھ رقص کرنے لگی۔ وہ جس قدر تھیوڈورا سے بے نیاز ہونے کی کوشش کرتا، وہ اُسی قدر اُس کے دل و دماغ پر مسلّط ہوتی جا رہی تھی۔ اُسے واقعی تھیوڈورا سے محبت ہو چکی تھی۔ اُس نے بار بار اُٹھنے کی کوشش کی۔ اُس کی خواہش تھی کہ گوشت بھونے اور بڑی عاجزی کے ساتھ تھیوڈورا کے سامنے پیش کر دے۔ مگر اُس کی رگوں میں تاتاری خون جوش مار رہا تھا۔ اُسے موروثی طور پر بعض ایسے نظریئے ودیعت ہوئے تھے، جن کے اثر سے وہ کسی کے سامنے ــــــ جھکنے کی ذلّت برداشت نہ کر سکتا تھا۔ جو قوم آج تک خدا کے سامنے نہ جُھک سکی، اُس کا ایک فرد ــــ ایک

عام انسان ــــ ایک عورت کے سامنے کس طرح شکست تسلیم کر لیتا۔ اُسے تھیوڈورا سے محبت تھی۔ مگر ایسی محبت جو آج تک مہذب و متمدن دنیا میں ظاہر نہ ہونے پائی تھی۔ اچھوتی اور بے مثال محبت۔ وہ اپنے دل پر جبر کرنا بھی جانتا تھا۔ اُس کی محبت ایک ایسے معصوم بچے کی مسکراہٹ کی طرح تھی، جو رات کی تاریکیوں میں اُس وقت مسکرا اُٹھتا ہے جب کہ اُسے نہ ماں دیکھ سکتی ہے، نہ باپ ــــ وہ ظاہری طور پر تھیوڈورا سے بے نیاز ہو کر سو گیا۔

تاتار کے خاموش ہو جانے سے ماحول پر جو سکوت طاری ہو گیا تھا۔ تھیوڈورا اس سے خوف محسوس کرنے لگی۔ تاتار کی خاموشی سے گویا ساری کائنات خاموش ہو گئی تھی۔ تھیوڈورا کے جذبات و محسوسات کی دُنیا خاموش ہو گئی تھی۔ کیا واقعی محبت نظریات و اعتقادات کے تضاد کا نام ہے؟ وہ تو آج تک یہی سُنتی آئی تھی کہ محبت ان دو دلوں میں پیدا ہوتی ہے جن کے جذبات و محسوسات ایک سے ہوں۔ وہ سوچنے لگی۔ آخر اس میں اور تاتار میں ایسی کون سی مشترک قدر ہے، جس نے دونوں دلوں کو ایک ہی سلسلے میں پرو دیا ہے۔ کہیں اس کی اُمنگوں کی طرح اس کی محبت بھی ساری دنیا سے مختلف تو نہیں؟ اگر ایسا ہُوا تو یہ بہت بڑا ظلم ہو گا۔ اگر جولین کی ازابیلا کو تاتار سے محبت ہو گئی تو وہ اس کے خلاف بغاوت کرے گی۔ محبت اُس کی زندگی میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی، جسے ہتیار اور قیصر متاثر نہ کر سکے، اُسے دُنیا کی کوئی طاقت مرعوب نہیں کر سکتی۔

اُسے نیند کیوں نہیں آتی؟ بار بار تاتار کا خیال اُس کے دل میں طوفان کیوں برپا کر رہا ہے؟ اگر وہ بھوکا ہے تو میں نے بھی کچھ نہیں کھایا۔ اگر اُسے میری موجودگی میں عورتوں والے کام کرتے سے شرم آتی ہے، تو مجھے بھی ــــ مگر اس بیکار بحث سے کیا فائدہ؟ جو شخص لطیف جذبات سے محروم ہے، اس کے خیال کو اپنی زندگی کا بوجھ کیوں بنایا

جاتے ؟

وہ کیوں جاگ رہی ہے ؟ اُسے کس شئے کی ضرورت ہے ؟ آج دفعتاً اُس کے سکون کے خزانے کس نے لوٹ لئے ؟

اگر جولین اپنی ازابیلا کی مجبوریاں اور معذوریاں دیکھ سکتا تو اپنا سر پیٹ کر رہ جاتا ـــ خود تھیوڈورا کا جی چاہتا تھا کہ وہ جس چٹان سے سہارا لئے لیٹی ہے، اس کے ساتھ ٹکرا کر اپنا سر پھوڑ ڈالے۔ واقعی تاتار نے اس پر جادو کر دیا تھا۔ قیصر اور ہنیاڈی پر جادو کرنے والی جادوگرنی پر تاتار کا جادو چل چکا تھا۔

اور جادوگر کس بے نیازی سے سو رہا تھا۔ تاتار کا ایک ایک عضو آسودہ تھا، اور چاند کی روشنی پتّوں سے چھن چھن کر اس کے چہرے کو دلفریب بنا رہی تھی۔ تھیوڈورا اُس کے قریب آئی۔ یہ محبّت تھی یا نفرت۔ جزیرہ نما کا چوکیدار پہاڑوں سے گھری ہوئی خوفناک وادی میں سو رہا تھا اور مسیحیت کی محافظ ـــ ہنگری اور قسطنطنیہ کے تخت و تاج پر ٹھوکر مارنے والی تھیوڈورا اس کی حفاظت کے لئے جاگ رہی تھی !

یہ ظلم تھا، صریح ظلم۔ نہ جانے اُسے کس جرم کی سزا مل رہی تھی۔ اس کا دل رو رہا تھا۔ اُس کی نظریں تاتار پر مرکوز تھیں اور وہ خود فریادِ مجسّم بن کر رہ گئی تھی۔

تاتار بھوکا ہے۔ گوشت ابھی تک جوں کا توں رکھا تھا۔ وہ اُٹھی۔ ابھی تک بعض انگارے روشن تھے۔ اُس نے آگ جلائی، گوشت بھونا، تاتار کو اُٹھایا۔ اُسے بھی کھلایا، خود بھی کھایا، مگر خاموشی کے ساتھ۔ تاتار کھا کر دوبارہ لیٹ گیا اور تھیوڈورا کچھ گنگنانے لگی۔ چاند کے ساتھ ساتھ اُس کی آواز بھی بلند ہوتی چلی گئی۔ فریاد کی جو آگ نغمے میں منتقل ہو کر تھیوڈورا کی رُوح کی گہرائیوں سے نکل رہی تھی، وہ دوبارہ آگ بن کر تاتار کی رُوح کو جھلسانے لگی۔ تاتار تھیوڈورا کو یوں گاتے دیکھ کر خاموش نہ رہ سکا۔ اُسے تھیوڈورا سے ایسی محبت تھی جو کسی آئین و آداب کی پابند نہ تھی۔ وہ اُٹھ بیٹھا اور

چلّاکر کہا :۔

"مجھے بعض چیزوں سے ــ جن میں گانا بھی شامل ہے ــ سخت نفرت ہے"!

تھیوڈورا بھڑک اُٹھی۔ تاتار کی گستاخیاں حد سے بڑھتی جا رہی تھیں۔ اُس نے

چلّاکر کہا :۔

"مجھے تمہاری نفرت کی کوئی پروا نہیں ـــ میں گاؤں گی"

"میں تمہیں گانے نہ دُوں گا"

"تم میرا کیا بگاڑ لوگے ؟"

"تمہارا گلا گھونٹ دُوں گا !"

تھیوڈورا خاموش ہوگئی۔ اُس نے تاتار کو ایسی نظروں سے دیکھا، جو تمام تر محبت اور تمام تر عجز کے رُوپ میں تبدیل ہوگئی تھیں۔ اُس نے لمحہ بھر خاموشی کے بعد کہا :۔

"سچ ؟"

تاتار نے اُسے دیکھا۔ چاندنی نے تھیوڈورا کے حُسن کو نکھار دیا تھا۔ اُس کی آنکھوں سے محبّت کے سوتے پھوٹ رہے تھے۔ اور تاتار سوچ رہا تھا۔ یہ کیسی عورت ہے ؟ سر سے پاؤں تک محبت ہی محبت۔ واقعی اُس نے آج تک عورت دیکھی ہی نہ تھی، اور اگر دیکھی بھی تھی تو سمجھ نہ سکا تھا۔ خصوصیّت کے ساتھ تھیوڈورا کو سمجھنا اُس کی استعداد سے باہر تھا۔ وہ اُس کی نظروں کی تاب نہ لا سکا، اور اُسے جواب دیئے بغیر آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔

تھیوڈورا نے آہستہ سے کہا :۔

"تم بڑے ظالم ہو۔ مجھے شروع ہی سے ظالم دکھائی دیتے تھے۔ تمہارا ہاتھ پکڑ کر میں نے بڑی غلطی کی ہے۔ ایسی غلطی، جس پر عمر بھر پچھتاتی رہوں گی"

"مجھے افسوس ہے"

"ابھی کہاں — تم عمر بھر — افسوس کرتے رہو گے۔ میں دعا کرتی ہوں، تم عمر بھر افسوس کرتے رہو۔"

O

صبح تاتار کی آنکھ جلدی کھل گئی۔ وہ اُٹھ بیٹھا۔ اُس نے تیزی سے اپنے اردگرد نگاہ ڈالی۔ بھیوڈورا چٹان کے نیچے سو رہی تھی۔ میٹھی نیند کے اس عالم میں وہ کتنی حسین نظر آتی تھی۔

گزشتہ رات کے واقعات ایک ایک کر کے اس کے ذہن میں اُبھرنے لگے۔ اُس نے بھیوڈورا سے زیادتی کی تھی۔ اُسے ندامت سی محسوس ہونے لگی۔ وہ بھیوڈورا سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔ وہ اس کے پاؤں پڑ کر اس سے رحم کی درخواست کرنا چاہتا تھا۔ بھیوڈورا نے اُسے جو محبت آمیز بددعا دی تھی، اُس کے الفاظ تاتار کے کانوں میں گونجنے لگے۔ وہ اُٹھ بیٹھا، اور بھیوڈورا کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ صبح کے تازہ دم جھونکے بھیوڈورا کے سنہری بالوں کو پریشان کر رہے تھے، اور مشک بار زلفوں کی اس برہمی نے اُس کے حُسن کا وقار بامِ عروج پر پہنچا دیا تھا۔

گھوڑا تاتار کو دیکھ کر ہنہنانے لگا۔ وہ سمجھتا تھا، جیسے اُس کا سوار سفر کے لئے تیار ہو رہا ہے۔ وہ اپنے سوار کو یقین دلانا چاہتا تھا کہ مَیں بھی آگے بڑھنے کے لئے بےتاب ہوں۔ وہ زور زور سے زمین پر پاؤں مارنے لگا۔

بھیوڈورا گھوڑے کی ہنہناہٹ اور تیز تیز ٹاپوں کی آواز سے گھبرا کر جاگ اُٹھی۔ نیند نے اس کی طبیعت بحال کر دی تھی اور ذلت کے واقعے کا کوئی اثر محسوس نہ ہوتا تھا۔ وہ تاتار کو اپنے سرہانے بیٹھا دیکھ کر شوخی سے مسکرانے لگی۔ صبح صادق کی فرحتوں میں بھیوڈورا کی مسکراہٹ تاتار کو ایک ایسا پیغام دے رہی تھی جسے سمجھ کر وہ مسکرایا۔ دونوں نے ایک

دوسرے کو دیکھا۔ دونوں کی نظریں جھک گئیں اور دونوں کے چہروں پر جو مسکراہٹ کھیل رہی تھی، وہ جوان ہوتی چلی گئی۔

تاتار سوچنے لگا، وہ کس سے معافی مانگے؟ کس سے رحم کی درخواست کرے؟ کیوں کرے، اس کا موروثی کوہستانی وقار تڑپ اُٹھا۔ اُس کے خاندان نے تو چین، ایران اور توران کے شہنشاہوں سے بھی رحم کی درخواست نہ کی تھی، وہ ایک عورت سے کیوں معافی مانگے؟

وہ اُٹھا، اور گھوڑے کی طرف بڑھا۔ اُس نے گھوڑے کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ تھیوڈورا کو آسودہ خواب دیکھ کر اُس کے دل میں محبت بھرے جذبات کا جو طوفان اُٹھا تھا، وہ اس کا رُخ گھوڑے کی طرف موڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کے وہ محسوسات جو تھیوڈورا کے قدموں میں تسکین تلاش کرنا چاہتے تھے۔ اُنہوں نے اب اپنے اظہار کا ایک اور ذریعہ ڈھونڈ لیا تھا۔

اُس نے گھوڑے کو پانی پلایا۔ تھیوڈورا تیار ہو چکی تھی۔ جب تاتار اپنا بکھرا ہوا سامان سمیٹ رہا تھا، تھیوڈورا زین کی طرف بڑھی، جسے دیکھ کر تاتار گھوڑے کے قریب آ گیا۔ اس نے تھیوڈورا کے ہاتھ سے زین لیتے ہوئے کہا:

"آپ کیوں تکلیف کرتی ہیں۔ یہ غلام کس لئے ہے؟"

تھیوڈورا نے کنکھیوں سے تاتار کو دیکھا۔ شاید وہ یہ کہنا چاہتی تھی کہ کل رات والا سبق بہت ہے، جسے عمر بھر یاد رکھوں گی۔ مگر اُس نے مسکرا کر کہا:

"مل جل کے ہونے والا کام بہت اچھا ہوتا ہے۔"

"سچ؟" تاتار نے گھوڑے پر زین کستے ہوئے کہا۔

اور تھیوڈورا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

زین کسنے کے بعد تاتار نے میدان کے اس حصے پر ایک اُچٹتی سی نگاہ ڈالی جہاں

اُس نے اپنی زندگی کی سب سے سُہانی، حسین اور پُر مسرت رات گزاری تھی۔ اُس نے سرسری طور پر اپنے مختصر سے سامان کا جائزہ لیا، اور پھر تیزی سے اپنا کمربند ٹٹولا۔ بانسری نکالی۔ اُسے دیکھا اور دوبارہ کمربند میں اُڑس لیا۔ تھیوڈورا نے ایک طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا:۔

"مَیں تو یہ سمجھی تھی جیسے تم اپنا پیش قبض ڈھونڈ رہے ہو۔"

"اکیلا پیش قبض زندگی بھر کے لئے کافی نہیں ہے، کبھی کبھی نازک سہاروں کی بھی بڑی ضرورت پیش آجاتی ہے۔"

تھیوڈورا نے چونک کر تاتار کو دیکھا، وہ جس حسین نوجوان کو محض ایک درشت قسم کا تاتاری محسوس کرکے افسوس کرتی تھی۔ اُس کا دل لطیف جذبات سے خالی نہ تھا۔ وہ زندگی کے نازک سہاروں سے واقف اور اُنہیں استعمال کرنا جانتا تھا۔ کسی سرور آگیں خیال نے تھیوڈورا کے محسوسات میں چٹکی لی۔ اُس نے لمحہ بھر کے لئے اپنی آنکھیں بند کیں۔ وہ اِس خیال کی لذت سے لطف اُٹھانا چاہتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ لُطف۔ اُس کی ساری زندگی طوفانی تھی، اُسے آج تک سکُون کا ایک ثانیہ بھی نصیب نہ ہُوا تھا۔ اُس کے پیچھے شکست خوردہ بلقان اور سارے یورپ کی کچلی ہوئی فوجی قوت دم توڑ رہی تھی۔ اور اس کے سامنے آدرنہ تھا ——جہاں اس دم توڑتی ہوئی قوت کی تجہیز و تکفین کے انتظامات ہو رہے تھے۔

قسطنطنیہ اور آدرنہ کے درمیان زندگی اور مسرت خواہ مخواہ اُس کی ٹھوکروں میں آگئی تھی۔ اور اُسے ٹھکرانا اس کے بس میں نہ تھا۔ وہ آخر ایک عورت تھی۔ حسین اور جوان عورت! اُسے خوشی تھی کہ اس وقت تک اُس کے ذہن میں نہ تو ہنیاڑی کا دُھندلا سا عکس موجود تھا نہ قیصر کا۔ رہا تاتار —— تو یہ ایک عام آدمی تھا۔ اُس کی مایوس خوشیوں کا حامل! وہ ضرورت کے وقت اُس سے خوشیاں حاصل کر سکتی تھی، اور اپنی مرضی سے ہاتھ کے ہلکے سے اشارے پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی نظروں —— اپنے دل —— اپنے دماغ

کی دنیا سے نکال بھی سکتی تھی، تاتار — ایک کھلونا تھا، تھیوڈورا کی دردناک فرصتوں کا کھلونا، اور اُسے یہ کھلونا عزیز تھا۔

سچ پوچھو تو اِس بھری پُری دنیا میں — جذبات و محسُوسات اور حسن و شباب کی دنیا میں تھیوڈورا کے پاس اپنے عظیم مقصدِ حیات اور حقیر صحرائی کھلونے کے علاوہ اور تھا ہی کیا! وہ اس سے کھیل سکتی تھی، وہ اُسے توڑ بھی سکتی تھی۔

تاتار ایک بے ضرر بچے کی طرح تھیوڈورا کے سامنے مسکرا رہا تھا۔ اُس نے ایک ہاتھ میں لگام اور دوسرے میں رکاب تھام رکھی تھی۔ وہ تھیوڈورا کو سوار ہونے کا اشارہ کر رہا تھا۔ اور تھیوڈورا اپنے مقصدِ حیات کی تکمیل کے اس انتہائی دشوار گزار اور خطرناک راستے میں تاتار ایسے بندۂ بے دام پر کامل فتح پانے کی خوشی سے جھومنے لگی۔

اُس نے سوار ہونے سے پہلے تاتار کو دیکھا۔ ایک صبیح کوہستانی چہرہ جو زندگی کے اندیشوں اور شکوک کے منحوس داغوں سے بالکل صاف تھا۔ جسے اُمنگوں اور دلولوں کی سُرخی نے وہ حُسن و رعنائی عطا کی تھی، جس سے یونان کے عظیم فنکاروں کے سنگین مجسّمے اور غیر فانی کاغذی شاہکار بھی محروم تھے۔

عجیب بے اختیاری کے عالم میں تھیوڈورا کی نظریں اس طرح تاتار کی نظروں میں پیوست ہو رہی تھیں جس طرح بلند پہاڑی ندّی نالے چنگھاڑتے ہوئے سمندر کی گہرائیوں میں معدُوم ہو جاتے ہیں۔

تھیوڈورا کو محسُوس ہونے لگا، گویا اُس کا سارا وجُود، اُس کا حُسن و شباب، اُس کی اُمنگیں، اس کے ارمان اور بذاتِ خود اُس کا مقصدِ حیات درختوں پہ بارش کے قطروں کی طرح ٹپ ٹپ نیچے گرنے کے بعد تاتار کی آنکھوں میں ایک طوفانی سمندر اور ایک ہولناک سیلاب میں بتدریج معدُوم ہوتا چلا جا رہا ہے۔ کارڈینلوں کا تقدّس، ہنیاٹیوں کی جانبازی اور قیصروں کا جاہ و جلال ان آنکھوں میں غوطے کھا رہا تھا۔ موت اور حیات

کے درمیان آخری غوطے ـــ تھیوڈورا سوچنے لگی :۔

کیا تاتار واقعی ایک ایسا کھلونا ہے جس سے وہ کھیل سکتی ہے ؟ جسے وہ توڑ سکتی ہے ؟ اُس کے ذہن کے دُھندلے پردے پر رات کے واقعات کی مبہم یاد اُبھرنے لگی تھی، جو وحشی نوجوان کل رات اس کا گلا گھونٹنے کے امکانات ظاہر کر رہا تھا۔ وہ اس وقت غلام کی طرح رکاب تھامے اس انتظار میں تھا کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو۔ یہ تاتار کون تھا ؟ تھیوڈورا کے ذہن میں آگ ہی تو سُلگ اُٹھی۔ اُس نے سوچنا چھوڑ دیا، اُس کی نظریں جُھک گئیں، اور اس کے دل سے ایک خاموش آہ نکلی۔ جس کا دھواں ایک باریک پردے کی طرح اُس کے اور تاتار کے درمیان حائل ہو گیا۔

تاتار تھیوڈورا کو شک کی نظروں سے گھورتا ہوا کہہ رہا تھا :۔

"نواب زادی ! ـــ سوار ہو جائیے۔ ہمیں بہت دُور جانا ہے ۔"

○

دوپہر کے وقت تھکان، بھوک، پیاس اور گرمی کی شدت سے نڈھال ہو کر تھیوڈورا نے دریا کے کنارے ایک گھنے درخت کے نیچے تاتار کو رُک جانے کا اشارہ کیا۔ دونوں نیچے اُترے۔ تھیوڈورا نے اپنے آپ کو سبزے پر گرا دیا۔ تاتار نے گھوڑا باندھا، کھانا نکالا، اور اس کے سامنے رکھ دیا، اور پھر مشکیزہ لے کر دریا کی طرف بڑھا، تھیوڈورا لیٹے لیٹے اُسے دیکھ رہی تھی۔

جب وہ تھیوڈورا کے قریب آیا، تو اُس نے پانی کے لئے ہاتھ بڑھایا اور ذرا دیر آرام کرنے کے بعد جو کچھ اُن کے پاس موجود تھا، اُسے کھانے لگے۔ تھیوڈورا کا جی چاہتا تھا کہ رات یہیں بسر کی جائے۔ وہ بہت تھک چکی تھی۔

کھانے کے دوران تھیوڈورا کی نظریں شمال مغربی کوہستان کی چوٹیوں پہ لگی ہوئی

تھیں۔ اچانک اُسے پہاڑ کے دامن میں فلک بوس مینار اور گنبد دکھائی دیئے، جن پر سورج کی کرنیں نچھاور ہو رہی تھیں۔ اُس نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ ذرا دیر پہلے وہ جو خستگی محسوس کر رہی تھی، وہ کافور ہو گئی۔ تاتار حیرت سے تھیوڈورا کو دیکھ رہا تھا، جہاں تھیوڈورا کی نظریں مرکوز تھیں۔ وہاں اب تاتار کی نظریں بھی پہنچ چکی تھیں۔ اُس نے تھیوڈورا کے کندھے کے اُوپر سے دیکھتے ہوئے کہا :

"آدرنہ !"

تھیوڈورا نے تاتار کو دیکھا اور کہا ——"آدرنہ ؟"

تاتار کھانا نظر انداز کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ تھیوڈورا نے پوچھا :

"کیوں ؟"

"چلئے —— منزل ہماری راہ دیکھ رہی ہے۔"

وہ بھی کھڑی ہو گئی۔ منزل کو اس قدر قریب دیکھ کر ان دونوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ تھیوڈورا نے گھوڑے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا :۔

"اگر یہ آدرنہ ہے تو چلو ! ہم شام سے پہلے پہلے وہاں پہنچ جائیں گے۔"

○

آدرنہ اگرچہ بہت دُور تھا مگر اُنہوں نے چلنا شروع کر دیا —— وہ بالکل تازہ دم معلوم ہوتے تھے۔ اُن کی رفتار بہت تیز تھی۔ گھوڑا اُن کی اُمنگوں کا ساتھ دے رہا تھا۔

آدرنہ کے مضافات سے مویشیوں کے گلّے شہر کی طرف جاتے ہوئے جس قدر گرد و غبار اُڑا رہے تھے، وہ کہر کی طرح شہر کے اِرد گرد چھا رہا تھا۔ کوہستان کے پس منظر میں آدرنہ کے مرمریں گنبد و مینار روشنی کے میناروں کی طرح چمکنے لگے تھے۔ دونوں شہر کے قریب پہنچ گئے۔

تاتار آدرنہ کے قلعے کی کوہ قامت دیواریں اور اُونچے اُونچے بُرج دیکھ چکا تھا، اور محویت کے عالم میں ان کی طرف بڑھ رہا تھا، لیکن تھیوڈورا نے اُچک کر اُس کے ہاتھ سے لگام لے لی۔ گھوڑا رُکا اور چاروں طرف شہر کو مختلف زاویوں سے دیکھنے لگی۔ تاتار اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد تھیوڈورا نے آدرنہ کے باہر شہر سے کسی قدر دُور شمالی کونے میں ایک عمارت کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے کہا:۔

"ہمیں اُدھر جانا ہے۔"

تاتار نے کچھ سوچ کر کہا "نواب زادی! اس سے پہلے بھی آدرنہ تشریف لا چکی ہیں؟"

تھیوڈورا نے محسوس کیا۔ تاتار بڑے تجربہ کار ناخنوں سے اُس کا دل کُرید رہا ہے۔ اُس نے اُس کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا:۔

"نہیں ــــ! لیکن مجھے جس جگہ قیام کرنا ہے، اُس کا دُھندلا سا نقشہ میرے ذہن میں موجود ہے ــــ"

"اور میں آپ کی ذہنی صلاحیتوں کی داد دیتا ہوں" تاتار نے عقیدت سے جھکتے ہوئے کہا۔

تھیوڈورا نے اُس کی داد و تحسین کا کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ اُس نے ہنسنے کی ناکام کوشش کی اور پھر وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

تاتار نے گھوڑے کو اس پگڈنڈی پر ڈال دیا جو تھیوڈورا کی بتائی ہوئی عمارت کی طرف جا رہی تھی۔

آدرنہ کے مضافات جنّت کی طرح سرسبز و شاداب تھے۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے آگے بڑھے۔ جب وہ اِس عمارت کے قریب پہنچے، جس کی طرف تھیوڈورا نے اشارہ کیا تھا، تو تاتار اُسے غور سے دیکھنے لگا۔ یہ ایک بہت بڑی ــــ قلعہ نما پتھریلی عمارت

تھی، جس کے چاروں طرف دُور دُور تک باغات کا سلسلہ پھیلا ہُوا تھا، اور باغات کے درمیان بَل کھاتی ہوئی کئی ندّیاں خاموشی سے بہہ رہی تھیں ـــــ اِن ندیوں پر پختہ اور خوب صورت پُل بنے ہوئے تھے جنہیں نہ صرف تاتار حیرت اور تعجّب سے دیکھ رہا تھا۔ بلکہ تھیوڈورا بھی مرعوب نظر آتی تھی۔ آدرنہ کے مضافات کے سامنے قسطنطنیہ اور بوڈا کے شاہی محل اور شاہی باغات کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے۔ بے شک آدرنہ اس وقت یورپ کا حسین ترین شہر تھا۔

"سانتامیرینا!"

تھیوڈورا کے لب ہلے۔ اگرچہ اُس نے یہ نام بہت آہستہ لیا تھا۔ مگر اُسے تاتار سُن چکا تھا۔ یہ قلعہ نما عمارت بھی سان کرسٹینا اور خانقاہ جوز لیفیہ کی طرح ایک خانقاہ تھی۔ خانقاہ سانتامیرینا! ـــــ یہ نام تاتار کے ذہن کی لوح پر نقش ہوگیا۔

جب وہ آخری پُل پار کرنے کے بعد سانتامیرینا کے کشادہ میدان میں پہنچے تو کئی راہب اور ننیں اپنے مخصوص ڈھیلے ڈھالے لباسوں میں باہر نکل آئیں۔ وہ تھیوڈورا کو اور تھیوڈورا اُنہیں مُسکرا مُسکرا کر دیکھنے لگی۔

جب تھیوڈورا نے اپنا گھوڑا خانقاہ کے سامنے صدر دروازے پر روکا تو سانتامیرینا کا بشپ سیاہ لباس پہنے برآمدے میں سے جھانکنے لگا۔ وہ تھیوڈورا کو دیکھ کر باہر نکل آیا۔ جس قدر راہب اور ننیں برآمدے کے سامنے جمع ہو چکی تھیں۔ اُنہوں نے ایک طرف ہٹ کر بشپ کے لئے راستہ چھوڑ دیا۔ بشپ کو دیکھ کر تھیوڈورا تیزی سے نیچے اُتری۔ بشپ نے تھیوڈورا کے قریب پہنچ کر ایک مخصوص انداز میں اپنا ہاتھ اُٹھایا۔ جسے دیکھ کر بشپ بھی مسکرایا اور تھیوڈورا بھی۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف بڑھے اور بڑے تپاک سے ہاتھ ملایا۔

تاتار گھوڑے کی لگام تھامے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

بشپ نے تھیوڈورا کو خانقاہ میں داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ وہ دروازے پر رُکی۔ برآمدے میں قدم رکھنے سے پہلے جھکی۔ ہاتھ سے اپنے کندھے اور سینہ چھُو کر صلیب کا نشان بنایا۔ اور پھر اندر داخل ہو گئی۔

بشپ نے خانقاہ کی اندرونی دُنیا میں قدم رکھتے ہی تھیوڈورا سے پہلی بار بات کی۔

"نواب زادی! آپ نے خوب انتظار دکھایا!"

تھیوڈورا نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ "بہت لمبا اور تھکا دینے والا سفر تھا مقدس باپ!"

"ہاں ۔۔۔! قسطنطنیہ سے آدرنہ بہت دُور ہے۔"

"مگر میں تو یوڈا سے آدرنہ آئی ہوں۔"

"اوہ ہاں ۔۔۔!" بشپ نے کسی قدر متاثر ہوتے ہوئے کہا۔ "واقعی ۔۔۔ آپ تو بہت دُور سے آرہی ہیں۔"

جب تھیوڈورا بشپ کے کمرے میں داخل ہوئی تو ایک حسین نوجوان جو اپنے خدوخال کے اعتبار سے رومی معلوم ہوتا تھا۔ تھیوڈورا کے استقبال کے لئے تڑپ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی نظریں تھیوڈورا کے چہرے پر تھیں۔ بشپ نے نوجوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تھیوڈورا سے کہا:۔

"کلیسا کی اس جماعت کا قائد جو آدرنہ میں آزادی کی پُرامن جنگ لڑ رہی ہے۔"

تھیوڈورا جھکی، اور مصافحے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا جسے رومی نوجوان نے بڑی بے تابی سے تھام لیا۔ بشپ نے کہا:۔

"نواب زادی تھیوڈورا ۔۔۔ جو آزادی کی اس خاموش جنگ میں نئی روح پھُونکنے

آئی ہیں!"

رومی نوجوان نے بڑی ہوسناک بے باکی کے ساتھ تھیوڈورا کا ہاتھ چوما اور جھکتے ہوئے کہا:۔

"مجھے عرسطوس کہتے ہیں"

بشپ نے تھیوڈورا کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا" عرسطوس نے اپنی فطری ذہانت اور خداوند یسوع مسیحؑ کی برکت سے آدرنہ میں ایسا محفوظ اور بلند مقام حاصل کر لیا ہے کہ دشمن اُس کی طرف بُری نظر سے دیکھنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا۔ یہ اُس حربی مدرسے کے ناظم ہیں جسے نوجوان سلطان محمد نے جدید ترک فوج کی تربیت کے لیئے بالکل حال ہی میں تعمیر کرایا ہے۔ اب آپ کو عرسطوس کے ساتھ مل کر کام کرنا ہوگا"

تھیوڈورا نے ایک بار پھر عرسطوس کو دیکھا اور عرسطوس نے کہا:۔

"میرے پاس اس قدر وقت نہیں کہ آپ سے تفصیل کے ساتھ بات چیت کر سکوں۔ میں یہاں آزادی سے آجا نہیں سکتا۔ ایک مرتبہ آپ کے متعلق دریافت کرنے کے لیئے آیا تھا۔ اور دوسری مرتبہ آج پھر بڑی مشکل سے یہاں تک پہنچا ہوں۔ میرا یہاں آنا جانا خطرے سے خالی نہیں۔ ہاں ـــــ ہم آدرنہ میں ایک دوسرے سے آزادی کے ساتھ مل سکتے ہیں، اور آئندہ ہماری مُلاقات آدرنہ ہی میں ہوگی، جس کی تفصیلی ہدایات بشپ کی طرف سے بہت جلد آپ کو دی جائیں گی۔

اِس وقت میرا سب سے بڑا کام یہ دریافت کرنا تھا کہ آپ پہنچ گئی ہیں یا نہیں۔ آپ کو آدرنہ میں دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوئی۔ ابتدائی طور پر میں آپ کو یہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ یہاں بڑی احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ کام کرنا ہوگا ـــ ہاں ـــ! میں پوچھ سکتا ہوں، نواب زادی کے ساتھ وہ دوسرا شخص کون ہے؟"

"میرا خدمت گار"

"مگر اب نواب زادی کو "اپنی خدمت آپ کرو" کے اصول پر عمل کرتے ہوئے کل صبح سے پہلے پہلے اپنے خدمت گار کو رخصت کرنا ہوگا"۔

تھیوڈورا نے اپنے جذبات پر قبضہ بحال رکھتے ہوئے کہا "کہاں؟"

"یہیں کہیں"۔ عرطیوس نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ نواب زادی کو اپنے خدمتگار پر ہر طرح بھروسہ ہوگا!"

"آپ کا خیال درست ہے"۔ تھیوڈورا نے جلدی سے کہا۔

"تو پھر گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اُسے ترک فوج میں شامل ہو جانے کا مشورہ دیجئے! سلطان نے اِن دنوں فوج میں جس توسیع کا منصوبہ تیار کیا ہے، اُسے اس میں فوراً بھرتی کر لیا جائے گا"۔

تھیوڈورا ــــ تاتار کے متعلق دوسروں کے منہ سے ایسی باتیں سُننا برداشت نہ کر سکتی تھی، اور پھر عرطیوس کو تاتار کے متعلق اِس طرز پر سوچنے کی کیا ضرورت ہے! وہ میرا خدمت گار ہے۔ اُس کے متعلق مجھے سوچنا چاہیئے۔

تھیوڈورا اپنا دل ٹٹولنے لگی۔ کیا اُسے عرطیوس کی نسبت تاتار زیادہ عزیز ہے۔ کہیں وہ اپنی کمزوری چھپانا تو نہیں چاہتی۔ تاتار کے ذکر سے عرطیوس کہیں اس کے جذبات و محسوسات کی دُنیا میں کسی چور دروازے سے جھانکنے کی کوشش تو نہیں کر رہا تھا!

اب اس کی یہ خواہش تھی کہ کسی طرح یہ موضوع بدل دیا جائے۔ اُس نے جلدی سے ترک فوج میں توسیع، جدید قسم کے جنگی ساز و سامان کی تیاری اور ــــ آدرنہ کے خوب صورت مقامات کی باتیں شروع کر دیں، اور یہ سلسلۂ کلام دیر تک جاری رہا۔

شام کے دُھندلکے رات کی تاریکی سے بدلنے لگے۔ عرطیوس نے رخصت طلب کی تو تھیوڈورا کو پہلی بار تاتار کا خیال آیا جسے وہ خانقاہ کے برآمدے کے سامنے چھوڑ

آئی تھی ۔ وہ عرطیوس کو رخصت کرتے برآمدے تک اُس کے ساتھ آئی ـــ چاروں طرف تاتار کو دیکھا۔ مگر وہ موجود نہ تھا۔ تھیوڈورا کو یوں محسوس ہُوا جیسے اُس کی زندگی سانتا میرینا کی طرح خاموش اور تاریک ہو گئی +

O

عرطیوس مسکراتا ہُوا رخصت ہو گیا۔

تھیوڈورا شب سے پوچھنا چاہتی تھی کہ تاتار کہاں ہے ؟ مگر تاتار کا نام لیتے وقت اس کی زبان لڑکھڑائی ـــ محبت کا سمندر موجزن ہو کر اُس کی رگوں سے پھُوٹتا محسوس ہُوا۔ حیا کی سُرخی نے اُس کے رخساروں کو لالے کے پھُول کی طرح سُرخ بنا دیا اور ایک مبہم سا اور اجنبی سا خطرہ ماحول سے اچانک سر نکال کر اُس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے لگا۔

کہیں اُس کی کمزوری ظاہر نہ ہو جائے۔ وہ جس راز کو اپنے دل میں چھُپائے ـــ جگر کے خون سے پروان چڑھا رہی تھی، وہ فاش نہ ہو جائے! سینٹ پیٹر کی راہبہ، جولین کی تڑپتی ہوئی تمنا، ہتیاڑی کی ازابیلا، قیصر کے خوابوں کی ملکہ کو ـــ خانقاہ جوزلیفیہ کے ایک معمولی چوکیدار سے محبت ہو گئی ؟"

اسے زندگی میں پہلی بار اپنی مجبُوری اور اپنی بے کسی کا احساس ہُوا، اور اس احساس کا حقیقی قدردان تاتار تھا۔ وہ اِس دنیا میں اجنبی تھی، جسے صرف تاتار پہچانتا تھا۔ ساری دُنیا اُس کی زبان سمجھنے سے محرُوم تھی۔ صرف تاتار ہی سمجھ سکتا تھا۔ وہ اس وقت کہاں ہے! تھیوڈورا اُسے پکارنا چاہتی تھی ـــ پُکارتے پُکارتے دم توڑ دینا چاہتی تھی ـــ

وہ برآمدے میں پتھر کے بُت کی طرح خاموش اور بے حِس کھڑی تھی، جیسے سانتا میرینا

کالبشپ حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ آخرکار اُس نے تھیوڈورا کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:۔

" نواب زادی! گھبرایئے نہیں۔ سُلطانہ مریانہ کا پتہ ضرور معلوم ہوجائے گا۔ شاہی محل میں نہ سہی آدرنہ میں تو موجود ہے۔ وہ ایک مرتبہ پھر اپنے لوگوں میں شامل ہوں گی۔ اور عمر بھر ہمارے ساتھ رہیں گی۔"

" عمر بھر ——— !" تھیوڈورا آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی — " عمر بھر ———!! میں اُسے ایک لمحے کے لئے بھی اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دوں گی۔"

گیارھواں باب

سپاہی سُلطان

سانتا میریناکے منتظم نے تاتار کو تھیوڈورا کا خدمت گار سمجھ کر سرائے میں بھیج دیا تھا جہاں وہ آدھی رات تک تھیوڈورا کا انتظار کرتا رہا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ ضرور آئے گی۔ اُس نے تھیوڈورا کے انتظار میں شام کا کھانا بھی نہ کھایا۔

سانتا میرینا کا ماحول خانقاہِ جوزیفیہ سے بہت ملتا جلتا تھا۔ وہی بادام اور اخروٹ کے جھنڈ، اور اُن کے قریب بہتی ہوئی ندی ــــ اُس نے ندی کے کنارے درختوں کے جھنڈ میں الاؤ روشن کیا، اور تھیلے میں جس قدر گوشت باقی بچ گیا تھا، اُسے نکال کر تھیوڈورا کی راہ دیکھتا رہا ــــ مگر وہ نہ آئی۔

سانتا میرینا کی پہلی رات اس نوجوان کی زندگی کی ایک ایسی رات تھی جس کے دوران اُسے محسوس ہوا، گویا اُس کی نیند رُوٹھ گئی ہے۔ وہ سوچنے لگا: کیا واقعی اُسے تھیوڈورا سے محبت ہوگئی ہے! وہ کون ہے؟ ایک ایک خانقاہ میں اس طرح کیوں پھر رہی ہے! اور یہاں کیا کرنے آئی ہے؟ وہ ان باتوں پر جس قدر غور کرتا، اتنا ہی پریشان ہو

اور پیچیدگیوں میں اُلجھتا چلا جاتا ــــ جو دوشیزہ اپنے حسن و شباب کی وجہ سے کل تک ایک بھولی بھالی کوہستانی لڑکی نظر آتی تھی، وہ اب اُس کے لئے ایک پُراسرار عورت بن گئی تھی ــــ انتہائی دلچسپ عورت!

ساری رات اُس کے خیالات، محسوسات، جذبات اور تصوّرات کی نئی دریافت شدہ دنیا میں جو انقلاب برپا رہا، پَو پھٹنے سے پہلے وہ ختم ہو چکا تھا، اور اُس کی ساری کائنات میں ایک لطیف سکوت اور ایک متکلّم خاموشی کے سوا اور کچھ موجود نہ تھا۔ وہ اُٹھا۔ الاؤ راکھ کے ڈھیر میں منتقل ہو چکا تھا۔ تاریکی آہستہ آہستہ نُور کے سمندر میں ڈوبتی چلی جا رہی تھی۔ نسیمِ سحر نے پتّوں کو خوابِ راحت سے جگانا شروع کر دیا تھا۔ چاروں طرف زندگی بیدار ہو رہی تھی۔

وہ درخت کے تنے کے سہارے بیٹھ گیا۔ اپنی بانسری نکالی، اور اپنے دیس کے کسی مخصوص لوک گیت کی دُھن بجانے لگا ــــ یہ رات بھر کے انتظار یا محبّت کی ناکامی کا ردِّ عمل تھا۔ وہ اِس دُھن میں کھو جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ان تمام اسباب کو بھول جانا چاہتا تھا جن سے مجبور ہو کر وہ اپنی خاموشی کو بانسری کی سُریلی آواز میں سمو رہا تھا ــــ اُس نے تھیوڈورا سے محبت کر کے ایسی غلطی کی تھی، جس کی تلافی کے لئے ساری عمر ناکافی نظر آتی تھی۔

صحرائے گوبی کے خوش باش اور بے فکر نوجوان کو نہ جانے کیا ہو گیا تھا ــــ وہ بانسری کی دُھن میں اس قدر کھویا ہوا تھا کہ اُسے تھیوڈورا کے آنے کی خبر تک نہ ہوئی۔ وہ دیر تک تاتار کے قریب بیٹھ کر بانسری کی آواز سُنتی رہی۔ اور پھر جب وہ محسوس کرنے لگی کہ خود اُس کی آنکھوں سے بھی آنسو نکلنے والے ہیں، تو اپنی کمزوری پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر کے مسکراتے ہوئے کہا:۔

"اوہ ــــ! تم یہاں چھپے بیٹھے ہو؟ میں تمہیں خانقاہ میں ڈھونڈتی رہی۔"

تاتار نے اپنے قریب بھیوڈورا کی آواز سُن کر بانسری کو ہونٹوں سے ہٹا لیا مگر اُسے
دیکھے بغیر کہا:

"جیسے تم مجھے ساری رات ہی ڈھونڈتی رہی ہو"

بھیوڈورا نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ تاتار نے گردن موڑ کر اُسے دیکھا۔ اس نے
یہ رات جس کشمکش اور بے چینی میں گزاری تھی۔ اس کا دُھندلا سا سایہ ابھی تک اس کے
صبیح چہرے پر بخوبی دیکھا جا سکتا تھا۔ خصوصیت کے ساتھ اُس کی آنکھیں سُرخ تھیں۔
سیاہ پلکوں کی چلمن کے پار اُسے یہ آنکھیں نہ صرف سوجی ہوئی بلکہ بھیگی بھیگی سی بھی محسوس
ہوئیں جنہیں چھپانے کے لئے اُس نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا اور تاتار کی توجہ کسی
اور طرف مبذول کرتے ہوئے کہا:۔

"آج رات میں تمہیں دیکھنے نہ آسکی ۔ مجھے افسوس ہے"

"یہ کس قسم کی عورت تھی؟" وہ سوچنے لگا: اگر وہ آج رات اُسے دیکھنے نہ آئی تو بھی
افسوس ظاہر کرنے کی کیا ضرورت! کہیں اُسے کسی نے روک نہ لیا ہو! یہ سوچتے ہی تاتار نے
کہا:

"کیا راہب نے روک لیا تھا؟"

تاتار کو یوں محسوس ہوا، گویا اُس کا جملہ جلتا ہوا نشتر تھا، جس کی نوک نے بھیوڈورا
کے جسم میں پیوست ہوتے ہی اُسے تڑپا دیا ــــ اُس نے تیزی سے تاتار کو دیکھا جن آنکھوں
کی بھیگی ہوئی سُرخی رات بھر کی بے چینی اور اضطراب کی غماز محسوس ہو رہی تھی، وہ اب غصّے
سے چمکنے لگیں۔ اُس نے چلّا کر کہا:۔

"اگر میں خود نہ رُک جاؤں تو مجھے روکنے والا کوئی پیدا نہیں ہوا"

"اور خود کیوں رُک گئی تھیں؟"

بھیوڈورا کی آنکھیں یکایک دُھندلا گئیں۔ نہ بے چینی اور اضطراب کی سُرخی موجود تھی

نہ غیض و غضب کی آگ، بلکہ اندیشے کے بادل تیزی سے چھانے لگے۔ جیسے اُس نے اپنی مخصُوص اور معصوم شوخی کی نذر کرتے ہوئے کہا :۔

"تمہاری ہر بات کا جواب دینا ضروری تو نہیں"!

تاتار کا دل دو ایک بار تیزی سے دھڑکا، اور پھر جیسے ایک دم بیٹھ گیا ـــــ وُہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر نہ جانے کیوں خاموش رہا۔ جس نوجوان نے ایسے ماحول میں پرورش پائی تھی جہاں مصلحت کے سوا زندگی کی اور تمام قدروں پر زور دیا جاتا تھا، نہ جانے اُس نے مصلحت کا سبق کیسے پڑھ لیا ـــ! اگرچہ وہ خاموش تھا۔ مگر تھیوڈورا کی باتوں کے خلاف خاموش احتجاج نے اُس کا چہرہ سُرخ کر دیا۔ اُس کی آنکھیں غبار آلُود تھیں اور اُس کے اعصاب کھنچاؤ کی وجہ سے پھڑکنے لگے تھے۔ تھیوڈورا خاموشی سے تاتار کو دیکھتی رہی۔ شاید اس نے تاتار کے دل اور دماغ کی درمیانی کشمکش محسوس کر لی تھی، اور اُسے دُور کرنے کے لئے موضوع بدلتے ہوئے کہا :۔

"ہم آدرنہ پہنچ چکے ہیں!"

تاتار کا دل ایک مرتبہ پھر زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی، کیا کہنا چاہتی تھی؟ اُس نے لقمہ دیتے ہوتے کہا :۔

"ہاں ـــ! پھر؟"

"تم شہر چلے جاؤ! اور اپنے لئے ایسی نئی دُنیا بساؤ!! جس میں ـــ"

وہ خاموش ہو گئی۔ تاتار کو دیکھا اور کافی سوچ بچار کے بعد آہستہ آہستہ کہا :۔

"اس نئی سلطنت میں تمہارے پنپنے کے امکانات بہت روشن ہیں۔ اگر میری مانو تو ترک فوج میں شامل ہو جاؤ ـــ!"

نہ جانے وہ اور کیا کہنا چاہتی تھی مگر تاتار نہ سُن سکا۔ اُس نے تیزی سے کہا :۔

"کیوں؟"

"اِس لئے کہ تمہیں تاجداروں کے سر سے تاج چھیننے میں لطف محسوس ہوتا ہے"۔
وہ کچھ سوچنے لگا۔ مگر ساتھ ہی تھیوڈورا کو بھی کچھ سوچنے کا موقعہ نہ دینا چاہتا تھا ـــ
دونوں جو کچھ سوچ رہے تھے، اُنہیں معلوم تھا سیدہ نظر آتا تھا گویا ایک کا دل کتاب کی طرح دوسرے کے سامنے کھُلا ہُوا ہے۔ اور دونوں کی کوشش یہ تھی کہ کوئی دوسرے کے دل کے حالات معلوم نہ کر سکے۔ دونوں ایک دوسرے سے بدظن تھے۔ صرف محبّت کے ایک کچے دھاگے نے وقتی طور پر دونوں کو ایک دوسرے سے وابستہ کر رکھا تھا۔ مگر یہ دھاگا بہت ہی کمزور تھا۔ کسی وقت ـــ ایک معمولی سا ہیجان اُسے توڑ سکتا تھا، اور دونوں یہ چاہتے تھے کہ اپنے اپنے جذبات کے منہ میں لگام دے دیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ذرا سی حماقت ایسا ہیجان پیدا کر دے، جس سے محبّت کا یہ کمزور رشتہ ٹوٹ جائے۔ چنانچہ تاتار نے مسکراتے ہوئے کہا :۔

"کہیں تم نے سچ مچ میرے ہاتھ سے بھی تو یہ تاج چھیننے کا فیصلہ نہیں کر لیا؟"
"کچھ کہا نہیں جا سکتا" تھیوڈورا نے بھی اپنے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے کہا:
"تاتار ـــ!" اُس نے پہلی بار اُسے اُس کے نام سے جو حقیقت میں اُس کا نام نہیں تھا ـــ پکارا، اور تاتار نے یُوں محسوس کیا جیسے اُس کے دل کا بربط تھیوڈورا کے ہاتھ میں ہے، اور وہ اپنی بے قرار اُنگلیوں کے ساتھ اُس کا ایک ایک تار چھیڑ رہی ہے۔

تھیوڈورا کہہ رہی تھی۔ "تاتار! پہلے تم تاجداروں کے سر سے تاج چھیننے کے قابل تو بنو۔ کیا خبر، شاید تم اپنے ہاتھ سے یہ تاج میری ٹھوکروں میں ڈال دو اور اگر تم نے مجھے بھُلا دیا، تو شاید پھر مَیں اُسے تمہارے ہاتھ سے چھیننے کے اِمکانات کا جائزہ لینے پر مجبور ہو جاؤں"۔

دونوں مسکرانے لگے، اور جب اُنہیں معلوم ہُوا کہ دونوں کی مسکراہٹ مصنوعی ہے تو تاتار نے کہا :" تھیوڈورا! تم اچھی طرح جانتی ہو میں تمہیں بھُلا نہ سکوں گا"۔

اس کی آنکھیں تھیوڈورا کی آنکھوں میں ڈوب گئیں۔ وہ شرمائی، سمٹی، جھجکی اور کہا:
"ہم دونوں ایک دوسرے کو بھول نہیں سکتے۔ میں سانتا مرینا میں ہوں۔ تم یہاں آ سکتے ہو اور ـــ میں شہر میں تمہیں دیکھنے آسکتی ہوں۔"
" تاتار کی یہ آخری کوشش تھی کہ تھیوڈورا سے آخری سوال کا جواب لینے کے لئے اس کے لب ولہجے میں جو اشتیاق اور پریشانی پوشیدہ ہے' اس پر ظاہر نہ ہو ـــ اُس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا:۔
"تم سانتا مرینا میں کب تک قیام کرو گی؟"
"کب تک!" تھیوڈورا نے اپنی پریشانی چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا ـــ "کب تک کا مطلب؟ میں تو یہاں رہنے کے لئے آئی ہوں۔ میرا مطلب ہے خانقاہ میں ـــ میں عمر بھر یہاں رہوں گی!"
تاتار جیسے کچھ سوچ کر ـــ کوئی فیصلہ کرنے کے بعد تیزی سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی تھیوڈورا بھی کھڑی ہو گئی ـــ تھیوڈورا مسکرا رہی تھی، تاتار سنجیدہ تھا اور اس فرق واختلاف کی ذمہ داری ان دو مختلف تہذیبوں اور تمدنوں پر تھی جن کے سائے میں یہ دونوں پروان چڑھے تھے ـــ اِن میں سے ایک صحرائے گوبی کے خانہ بدوش قبائل کا تاتاری نوجوان تھا، جو آج تک تہذیب، ثقافت اور تمدن کا مفہوم تو کجا اُن کے نام تک سے بھی آشنا نہ تھا۔ اور دُوسری طرف ستارا کے نواب کی اکلوتی صاحبزادی تھیوڈورا تھی، جس نے ایک شاہی محل میں آنکھ کھولی۔ کوہستانِ بلقان کے دامن میں کھیلی، کلیسا میں صلیب کے زیرِ سایہ تربیت حاصل کی اور ہنگری اور قسطنطنیہ کے شاہی محلات میں جوان ہوئی۔

تاتار ـــ ایک سیدھا سادہ صحرائی نوجوان' اس وقت جرأت وشجاعت اور ایثار ووفا کے پیکر میں ڈھل چکا تھا، اور تھیوڈورا سراپا حسن اور مکمل جمال، کلیسائی

سازش کے آخری ہتھیار کی حیثیت اختیار کر چکی تھی ـــ جو کچھ تاتار کے دل میں تھا، وہ فوراً اُس کی زبان پر آجاتا مگر تھیوڈورا کے دل میں کچھ اور تھا اور زبان پر کچھ اور ـــ تاتار نے شہر کی طرف جانے سے پہلے تھیوڈورا پر الوداعی نظر ڈالی اور کہا:۔

"کہیں ایسا نہ ہو کہ میں تمہیں دیکھنے کے لئے آدرنہ سے سانتامیریا آؤں اور خانقاہ کا راہب مجھے تمہارے پاس آنے سے روک دے"!

"ہرگز نہیں! ہرگز نہیں!! تم اُن سے صاف صاف کہہ سکتے ہو کہ تمہیں نوابزادی تھیوڈورا سے ملنا ہے۔ تم سانتامیریا کے ہر شخص کو آدرنہ سے آنے والے مہمانوں کے انتظار و استقبال کے لئے چشم براہ پاؤ گے"۔

تھیوڈورا کی گفتگو میں اگرچہ اپنائیت کا گہرا رنگ تھا۔ لیکن تاتار مطمئن نہ ہوا۔ اُس نے اب تھیوڈورا کی باتوں پر غور کرنا چھوڑ دیا تھا ـــ اس حُسن و جمال کے پیکر کی ہر ایک بات پہیلی تھی، اور وہ اُنہیں بوجھنے کے لئے تیار نہ تھا۔

جب وہ سلام کرتا ہُوا آدرنہ کی طرف جانے لگا تو تھیوڈورا نے عجیب انداز کے ساتھ اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُسے روک لیا اور شرماتی لجاتی اُس کے پہلو میں آ گئی۔ تھوڑی دیر کے لئے للچاتی ہوئی نظروں سے تاتار کے کمر بند میں پھنسی ہوئی بانسری کو دیکھتی رہی اور پھر اُسے نکالنے کے لئے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ بڑھایا اور جب تاتار کو، جو غور سے اُس کی ہر ایک حرکت کا جائزہ لے رہا تھا، یہ یقین ہو گیا کہ وہ بانسری لینا چاہتی ہے، تو اُس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا:۔

"نوابزادی اسے کیا کریں گی؟"

"اپنے پاس رکھوں گی"۔

"نہیں! نہیں!! یہ حقیر تحفہ آپ کے قابل نہیں"۔

"اگر تم خود اُسے میرے حوالے نہ کرو گے، تو پھر میں اُسے زبردستی چھین لوں گی"!

"نہیں نواب زادی! تاتار نے اس کے ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوتے کہا:
"بانسری تو نہیں، البتہ آپ میرے ہاتھ سے تاج ضرور چھین سکیں گی۔"
تھیوڈورا کے ہاتھ پر تاتار کی گرفت لمحہ بہ لمحہ مضبوط ہوتی چلی گئی۔ غالباً یہ اُس کی کسی اندرُونی نفسیاتی کش مکش کا ردِ عمل تھا، جسے وہ بڑے صبر و سکون کے ساتھ دیکھ اور محسُوس کر رہی تھی۔ مگر اب تاتار بھی خانقاہِ جوزیفیہ کا عام چوکیدار نہ تھا بلکہ ـــــ' وہ کون تھا؟ اُسے اچانک کیا ہو گیا تھا؟ تھیوڈورا دنگ رہ گئی اور اپنی حیرت چھُپانے کے لئے وہ جیسے چیخ اُٹھی:

"چھوڑ دو! چھوڑ دو!! میرا ہاتھ چھوڑ دو!!! تم نے تو میری کلائی توڑ دی۔"
تاتار نے گھبرا کر تھیوڈورا کو چھوڑ دیا۔ اُس نے اپنی کلائی دیکھی۔ تاتار کے ہاتھ کی فولادی گرفت سے وہاں نشان پڑ گیا تھا، اور اُس کی چاروں اُنگلیوں کے نشان چوڑیوں کی طرح دُور سے نظر آتے تھے۔ وہ اس جگہ کو سہلاتے سہلاتے خانقاہ کی طرف بڑھی ـــــ وہ کہہ رہی تھی:-

"بدتمیز! اُجڈ!! گنوار!!!"

O

اگرچہ وہ آدرنہ کے کشادہ بازاروں اور صاف ستھری گلیوں میں ہر ایک عمارت کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا، مگر اُس کا ذہن آدرنہ میں نہ تھا۔ شاید وہ اُسے گوشت کے تھیلے اور گھوڑے کی طرح سانتا میریا ہی میں چھوڑ آیا تھا۔ تھیوڈورا کے پاس ـــ تھیوڈورا ـــ جو ہنگری سے براستہ قسطنطنیہ، آدرنہ آئی تھی اور اتنے طویل سفر میں اُس نے کہیں ایک رات قیام کیا تھا، اور کہیں چند لمحے ـــ آخر وہ آدرنہ کیوں آئی تھی؟
دوپہر کے وقت آدرنہ کی شہری زندگی سستانے لگی۔ خود اُس کا اپنا ذہن اور جسم

چُور چُور ہو چکے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ صبح سے اِس وقت تک بے مقصد گھومتے گھومتے اُسے بھوک نے بیتاب کر دیا تھا۔ اور اب وہ آرام کرنے کے لئے کسی موزوں سایہ دار جگہ کی تلاش میں تھا، جہاں پانی بھی ہو اور ـــ اگر ہو سکے تو کھانا بھی۔

چلتے چلتے اچانک ایک آواز بلند ہوئی جسے سُنتے ہی آدرنہ کی ساری شہری زندگی کا نظام جیسے تھم گیا ـــ سامنے مسجد کے بلند مینار کے اُوپر سے مؤذّن ظہر کی نماز کے لئے نوجوان ترک قوم کو طلبِ زر کے جھمیلوں سے لمحہ بھر کے لئے بے نیازی کی دعوت دے رہا تھا۔ لوگ تیزی سے مسجد کی طرف بڑھنے لگے اور بازار خالی ہو گیا۔

راہگیر اور دوکان دار اپنے اپنے کاروبار چھوڑ کر مسجد میں جمع ہونے لگے اور تاتار اُنہیں حیرانی سے دیکھنے لگا۔ وہ اپنی بھوک، پیاس اور ماندگی بھُول چکا تھا۔ اُس کے لئے یہ نظارہ بالکل نیا تھا۔ اس کا بچپن ایسے معاشرے میں گزرا تھا جو خدا کے تصوّر سے نا آشنا تھا۔ اور جب اُس نے ہوش سنبھالا تو چوکیدار کی حیثیت سے جوزیفیہ کی خانقاہ میں آ گیا۔

وہ صبح و شام گھنٹے کی آواز سُنتا تھا، مگر اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کیوں بجایا جاتا ہے۔ البتہ اُس کے دل میں یہ تجسّس ضرور کروٹیں لینے لگا تھا: کہ اس کا مقصد کیا ہے؟

اُسے خانقاہ کے اندر جانے کی اجازت نہ تھی مگر اس کا ذوقِ تجسّس یہ پابندی قبول نہ کر سکا اور آخر اُس نے تاک جھانک شروع کر دی۔ اُس نے مسیحیوں کو مصلوب پیغمبر کے سامنے اور کنواری ماں کے قدموں میں بار بار جھکتے دیکھا۔ مگر وہ اِن بُتوں کے سامنے اُن کی عبادت کا مفہوم نہ سمجھ سکا۔ رفتہ رفتہ خانقاہ کے بعض درد مند مبلّغ اُسے مسیحیّت کی تبلیغ کرنے لگے۔ مگر وہ باپ بیٹے اور رُوح القدُس کی تثلیث کے فلسفے اور بتوں کے سامنے عبادت کا مفہوم سمجھنے سے محروم رہا۔

مسلمانوں اور اسلامی تعلیمات کے متعلق اُسے جو کچھ معلوم تھا وہ انتہائی ناقص اور بالکل

غلط تھا۔

آج زندگی میں پہلی بار وہ مسلمانوں کو خدا کے حضور سربسجود دیکھ رہا تھا۔ نہ بُت تھا نہ صلیب۔ نہ باپ نہ بیٹا۔ نہ روح القدس کا پتہ تھا۔ نہ کنواری ماں کا نشان۔

اور جب نماز کے بعد مسلمانوں نے الحاح و زاری کے ساتھ دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے تو تاتار کا دل ڈوب ڈوب گیا۔ نہ جانے خدا اور اُس کی عبادت کا یہ تصوّر اُسے کیوں متاثر کرنے لگا ۔۔۔ وہ مسجد کی دیوار کا سہارا لئے انہماک کے ساتھ اللہ والوں کو اللہ کے حضور جھکتے دیکھ رہا تھا۔

نماز ختم ہوئی۔ لوگ مسجد سے باہر نکلے۔ آدرنہ، جیسے نیند سے بیدار ہو گیا ۔۔۔ ایک نمازی جس کی نظریں مسجد کے صحن ہی سے تاتار پر مرکوز تھیں۔ اس کے قریب آیا اور پوچھا:۔

"تم کون ہو؟"

تاتار اپنے آپ کو چھپا نہ سکا۔ اُس نے جلدی سے کہا:۔

"تاتار!"

"تاتار ۔۔۔! تمہیں آدرنہ آئے کتنا عرصہ ہوا؟"

"یہ پہلا دن ہے۔"

"کس غرض سے آئے ہو؟"

"قسمت آزمانے!"

"کہاں ٹھہرے ہو؟"

"کہیں نہیں۔"

"کھانا؟"

"ابھی تک نہیں کھایا۔"

"تو پھر میری دعوت فوراً قبول کرو!" اُس نے تاتار کا بازو تھامتے ہوئے کہا۔ "میرے

"ساتھ چلو!"

تاتار خاموشی سے اُس کے ساتھ چلنے لگا۔ ترک اُسے اپنے گھر لے آیا۔ جو کچھ گھر میں موجود تھا، اُس کے سامنے رکھ دیا۔ اور کھانے کے دوران اُس نے مسیحیوں کے ساتھ ترکوں کی باہمی کشمکش کی ساری تاریخ دُہرانی شروع کر دی۔ اُس نے کہیں بھی مبالغے سے کام نہ لیا کیونکہ یہ زیادہ وہ واقعات تھے جنہیں تاتار پہلے ہی سے سُن چکا تھا، اور ترک نے آخر میں کہا:۔

"اگر میری بات مانو، تو ایک دن ضائع کئے بغیر ترک فوج میں شامل ہو جاؤ۔ وہ تمام قسمت آزما نوجوان جن کے دل اُمنگوں اور اُمیدوں سے آباد ہیں، ترک فوج کے علاوہ اور کہیں ترقی نہیں کر سکتے ـــ معاہدۂ زیجلدین کی ناکامی کے بعد ہم نے عہد کیا ہے کہ آئندہ مسیحی دنیا کو ایسا موقعہ نہ دیں گے کہ ہمیں اُن کی طرف سے پیش ہونے والی شرائط پر صلح کی درخواست کرنی پڑے ـــ نوجوان ترکوں نے قسم کھائی ہے کہ یا تو وہ اپنی سرحدوں کو بالکل محفوظ کر کے دم لیں گے یا اس تحفظ کے لئے سرحدوں پر شہید ہو جائیں گے۔"

تاتار خاموشی سے اُس کی باتیں سُنتا رہا۔ اس ترک کی مہمان نوازی، بے تکلفی اور جرأت نے اُسے مسحور کر لیا۔ وہ تو آدرنہ میں قسمت ہی آزمانے آیا تھا ـــ اُس نے اپنے میزبان کے سامنے سر جھکا دیا۔ یہ دیکھ کر وہ خوش ہو گیا اور کہا:۔

"تم آج کی رات تو مہمان کی حیثیت سے میرے ساتھ بسر کرو! کل صبح سویرے میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں گا۔ اگر چاہو تو تھوڑی دیر آرام کر لو۔ پچھلے پہر میں تمہیں آدرنہ کی چھاؤنی کی سیر کراؤں گا۔ جہاں سے کل تم نئی زندگی شروع کرنے والے ہو۔"

ترک، فتوحات اور پیش قدمی کی ایک ایسی طویل شاہراہ پر گامزن تھے جس کے ڈانڈے

اُفق سے جا ملے تھے۔ ظاہر ہے کہ اِس عظیم الشان سفر کے لئے ایک قابلِ لحاظ فوجی قوت کی ضرورت تھی۔

عثمان سے لے کر مراد دوم تک کے عہد تک ـــــ تقریباً دو سو سال کے دَوران ترک سلاطین نے فوج پر خاص توجہ دی تھی۔ اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ ترک سپاہی نہ صرف ایشیا بلکہ یورپ بھر میں اپنی بے مثال تربیت اور تنظیم کے باعث بڑی شہرت رکھتے تھے۔

لیکن اب کچھ عرصے سے ترک فوج میں ایسے بلقانی اور یونانی مسیحیوں کی اکثریت ہو گئی تھی، جو مختلف اسباب کی بنا پر یہاں جمع ہو گئے تھے ـــــ ان میں سے کچھ تو ایسے تھے جو ترکوں کی کامیاب یلغاروں کے نتیجے میں گرانقدر مالِ غنیمت سے ہاتھ رنگنا چاہتے تھے اور کچھ وہ تھے جنہیں واقعی شجاعت و بسالت کے جوہر دکھانے کی آرزو تھی۔

ـــــ یہی وہ لوگ تھے جو بسا اوقات عثمانیوں کے لئے اِبتلا و آزمائش کا موجب بن جاتے تھے ـــــ

ترکوں کی فتوحات کا دائرہ خالص مسیحی اکثریت کے یورپی علاقوں میں پھیل رہا تھا۔ اور مفتوح یونانی و بلقانی ترکوں کی طاقت و قوت کے پیشِ نظر غیر مشروط طور پر ان کے ساتھ تعاون کر رہے تھے اور ہر میدان میں اُن کا ساتھ دے رہے تھے۔ لیکن ـــــ جب بھی یورپ کے کسی کونے سے مسلمانوں کے خلاف جہاد کا نعرہ بلند ہوتا۔ کوئی نہ کوئی مسیحی قبیلہ بغاوت کر دیتا۔ ایسے مواقع پر ترک سپاہ کے مسیحی تیغ آزماؤں کی وفاداری متزلزل ہو جاتی اور فوج میں بھی تعصب کی یہ آگ بھڑک اُٹھتی۔

نوجوان ترک سلطان محمد ثانی اِس پیچیدہ فوجی کمزوری سے آگاہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے تعصب اور بغاوت کی آگ کو جنگی ماحول میں ہمیشہ کے لئے بجھا دینے کی تدبیریں سوچ رکھی تھیں ـــــ اس کی سب سے اہم تدبیر یہ تھی کہ ترک فوج میں مسلمان سپاہیوں کی قلت کو بتدریج ختم کیا جائے۔ اور اِس کے ساتھ ہی ساتھ تمام حربی مدارس کے نصاب

میں مذہبی تعلیم کو لازمی قرار دے دیا جائے، تاکہ غیر مسلم سپاہ اسلامی نظریات و عقائد کی روشنی میں زندگی کے بلند ترین مقاصد سے آشنا ہو جائے ۔۔۔!

سلطان مُراد کو محمد ثانی کا یہ منصوبہ پسند آگیا۔ اور اس منصُوبے کی کامیابی کے لئے فوج میں از سرِ نو اصلاحات جاری کر دی گئیں *

O

تاتار اپنے مہربان، ترک میزبان کا دل ہی دل میں شُکر گزار ہو رہا تھا جس نے آدرنہ کی سیر کے دوران اُسے بہت سی اچھی اچھی قیمتی اور مفید باتیں بتادی تھیں ۔۔۔

اتنی عظیم الشان فوجی چھاؤنی دیکھ کر جب وہ اپنے میزبان کی طرف حیرت زدہ ہو کر تکنے لگا تو اُس نے بتانا شروع کیا :۔

" جب سلطان مُراد ۔۔۔ ایشیا کی بغاوت دبانے کے بعد دوبارہ قسطنطنیہ کی طرف متوجہ ہُوا تو قیصر نے خراج کی ایک معقول رقم پیش کرتے ہوئے امن کی درخواست کی جسے منظور کر لیا گیا ۔۔۔

لیکن سلطان مُراد نے وہ تمام علاقہ اپنی سلطنت میں شامل کر لیا جو اس وقت تک قسطنطنیہ کے مضافات کی حیثیت سے قیصر مینوئل کے قبضے میں تھا ۔۔۔ اور اب قسطنطنیہ کی فصیلوں کی اندرونی آبادی کے سوا، تمام کی تمام بازنطینی سلطنت ۔۔۔ سلطنتِ عثمانیہ میں مدغم ہو چکی تھی۔

سلطان مراد نے ازراہِ ترحم خسروانہ، اس کے علاقے کے عوض قیصر کا سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا تاکہ وہ اپنے خوشامدی درباریوں، دربار اور شاہی محافظ دستے کے اخراجات پُورے کر سکے"!

تاتار اتنی دُور کی سیاست تو ابھی سمجھتا نہ تھا، اِس لئے اُس نے ایک سوال کیا :

"کیا ترکوں اور عیسائیوں کے درمیان وجہِ اختلاف صرف قسطنطنیہ ہے ؟"

"ہاں صرف قسطنطنیہ !" ـــــ وہ کہنے لگا :

"یہ قسطنطنیہ کا دربار ہی تھا جو ہر سال ترکوں کی سرحد پہ بدامنی کا باعث بنتا اور جب ترک اِس سرحدی بدامنی کی طرف متوجہ ہوتے تو یونانی فوجیں قسطنطنیہ کی فصیلوں سے نکل کر آدرنہ تک بڑھ آنے کی کوشش کرتیں !"

اور پھر وہ خود بخود کہنے لگا :

سلطان محمدؐ سوچتا : "ترک کب تک قیصر سے معمولی خراج لیتے اور اُسے زکوٰۃ دیتے رہیں گے ؟"

ـــــ قیصر کو دس برس میں جس قدر سالانہ رقم دی جائے گی ، اگر اُسے ترک سپاہ اور جنگی ساز و سامان پر خرچ کیا جائے تو عثمانیوں کو کبھی بھی کسی خطرہ سے دوچار نہ ہونا پڑے گا ـــــ !"

اِس خیال کا آنا تھا کہ اُس نے ورنا کی فتح کے بعد ترک فوج میں توسیع اور اسلحہ میں اصلاح کا پروگرام بنایا ـــــ

اور اُس نے اپنی تمام تر معلومات اور تجربات سے مکمل طور پر فائدہ اُٹھانے کے لئے اپنی پوری توجہ جنگی مقاصد کی تکمیل کی طرف موڑ دی !

"اِس کے علاوہ" ـــــ وہ کہنے لگا :

"چونکہ وہ خود نوجوان تھا ، اس لئے آسانی سے نوجوان سپاہیوں اور سرداروں میں گھُل مِل گیا ـــــ

اِن مشقوں کے دوران بھی جو سپاہی اُس کی نظروں میں آجاتا ، وہ بہت جلد اُس سے مراسم بڑھاتا اور کبھی یہ پرواہ نہ کرتا کہ معاشرے میں سپاہی کا مقام کیا ہے ! وہ جانتا تھا کہ سلطانی تخت و تاج کی حفاظت کے لئے ہمیشہ گمنام اور خاموش سپاہی ہی قربانی دیتے ہیں

اِس لئے وہ اُنہیں فیاضی اور انعام و اکرام سے مالا مال کرتا رہتا۔

اور پھر جب تاتار نے خود اُس فوجی چھاؤنی میں ایک بالکل نئی زندگی کا آغاز کیا تو اُسے یُوں معلوم ہونے لگا ــــ گویا یہاں کے لئے وہ ذرا بھی اجنبی نہیں۔ اب اُس کی حیثیت جوزیفیہ کی خانقاہ کے چوکیدار کی سی نہ تھی بلکہ وہ معاشرے کا ایک ایسا فرد تھا جسے ترک سپاہی اور افسر بھی نظر انداز نہ کر سکتے تھے۔

○

قیصر مینوئل کے بعد نوجوان قیصر پیلیولوگس ــــ قسطنطینِ اعظم کے آخری جانشین کی حیثیت سے مشرقی سلطنت کی مسندِ اقتدار پر بیٹھا۔

کارڈینل جولین اس تبدیلی سے حد درجہ خوش تھا ــــ قیصر مینوئل کے سامنے تو اُس کی ایک نہ چلتی تھی، وہ قدم قدم پر گرتی ہوئی سلطنت کا مفاد سامنے رکھتا اور جولین کے متعصبانہ جذبات اُسے کسی وقت بھی مُشتعل نہ کر سکتے، مگر ــــ اب قسطنطنیہ کی حکومت ایک ایسے نوجوان کے ہاتھ میں آگئی تھی جسے وہ آسانی سے اپنا ہمنوا بنا سکتا تھا۔ جس کے جذبات کو بڑی آسانی سے ہوا دی جاسکتی تھی ــــ اور جسے قسطنطینِ اعظم کی شوکت و حشمت کے نام پر ہمیشہ اُبھارا جاسکتا تھا۔

تخت نشین ہوتے ہی قیصر پیلیولوگس نے جولین کے اشاروں پر ترکوں کے ساتھ اس معاہدے کی توثیق کردی جو سلطان مُراد اور قیصر مینوئل کے درمیان طے پایا تھا ــــ مگر ساتھ ہی چپکے چپکے جنگی تیاریاں بھی شروع کردیں۔

جولین نے سب سے پہلے ہنیاڈی سے رابطہ قائم کیا کہ ــــ جب پیلیولوگس سلطنتِ عثمانیہ پر یلغار شروع کردے تو وہ بھی ٹھیک اُسی وقت کوہستانی بلقان کے تمام جنگجو قبائل کو جمع کر کے ترکوں پر بھرپور حملہ کردے۔

اُس نے نئے قیصر کے ذہن میں یہ بات اچھی طرح بٹھادی تھی کہ ــــ سلطان محمدؒ اپنی ناتجربہ کاری کی وجہ سے دونوں محاذوں پر جنگ کی نگرانی نہ کرسکے گا اور جس طرح تیمور نے انگورہ میں عثمانی سلطنت کا خاتمہ کردیا تھا ــــ یورپ میں اُسی طرح، سلطان محمدؒ کی سلطنت کو نیست و نابُود کردیا جائے گا۔

اِدھر سلطان محمد بھی ان جنگی تیاریوں سے غافل نہ تھا ــــ اُسے وہ وقت بھی اچھی طرح یاد تھا۔ جب سلطان بایزید یلدرم قسطنطنیہ کی فصیلوں کے پار دیکھ رہا تھا، اور اُسے تاتاریوں کے سیلاب کو روکنے کے لئے انگورہ جانا پڑا تھا۔

کچھ عرصہ بعد اُس کے باپ ــــ سلطان مُراد کو بھی ایشیا میں بغاوت کی بھڑکتی ہوئی آگ بجھانے کے لئے اُس وقت قسطنطنیہ کے محاصرے سے ہاتھ اُٹھانے پڑے، جب کامیابی اُس کے قدم چُومنے والی تھی۔

قسطنطنیہ دراصل ایک کانٹے کی طرح اُس کے دل میں کھٹک رہا تھا۔ اور حالات نے قسطنطنیہ کی فصیلوں کو ترک اقتدار کے موجزن سمندر کا ساحل بنادیا۔ اب ــــ اس ساحل سے عثمانیوں کا ٹکراؤ ناگزیر تھا۔

ترکوں کے سامنے دو ہی راستے تھے ــــ قسطنطنیہ پر قبضہ کرکے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بدامنیوں اور فتنہ فساد کی یہ جڑ کاٹ دی جائے یا ــــ نوجوان قیصر کے دربار میں ترکوں کی تخریب و تباہی کا جو منصُوبہ پروان چڑھ رہا تھا، اُس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے جائیں۔

غیرت مند باپ کا غیور بیٹا ــــ سُلطان محمدؒ، اپنے مدِمقابل قیصر پلیولوگس کے ساتھ آخری معرکہ کے لئے حربی تیاریوں کو ہر دوسرے کام پر ترجیح دینے لگا۔

سلطان کے قائم کردہ حربی مدارس میں نہ صرف مسلمانوں کی مذہبی معلومات میں اضافہ ہونے لگا بلکہ مسیحیوں کو بھی اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہونے کا موقعہ ملا۔

جب فوج کے دستے اپنے اپنے مقررہ وقت پر قواعد کے میدان سے علم حاصل کرنے کے لئے مدرسوں کی طرف جاتے۔ تو سلطان چھپ چھپ کر اُن کے اُٹھنے والے قدموں کے انداز، اِن کے چہروں، ان کی باتوں اور اُن کے طور واطوار سے اُن کی دلی کیفیت کا صحیح جائزہ لینے کی کوشش کرتا ـــــ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کتنے غیر مسلم سپاہی اِس تعلیم میں دلچسپی لیتے ہیں اور کتنے صرف تنظیم کا تقاضا پُورا کرتے ہوئے آنکھوں پر پٹی باندھے ہوئے ساتھیوں کا ساتھ دے رہے ہیں۔

تاتار بھی انہی دستوں میں تھا اور وہ ہمیشہ اپنے طور و اطوار کی نمایاں کشش کے زیرِ اثر نوجوان سلطان کی توجّہ اپنی طرف مبذول کر لیتا ـــــ

خدا بہتر جانتا ہے کہ نوجوان سلطان نے نئی ترک فوج کا منصوبہ تاتار ایسے نوجوان کو قیصروں کے سر سے تاج چھیننے کی تربیت دینے کے لئے تیار کیا تھا، یا تاتار ایسے نوجوان کی موجودگی نے سلطان کو اس قسم کے منصوبے سوچنے کا موقعہ فراہم کیا تھا۔ بہرحال اِس حقیقت سے اِنکار نہیں کیا جاسکتا کہ سلطان نے جس قسم کے سپاہی تیار کرنے کے لئے یہ منصوبہ بنایا تھا۔ تاتار بالکل اسی قسم کا سپاہی بن رہا تھا۔ شایدُ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُس کی رگوں میں چنگیز اور ہلاکو کا خون موجزن تھا۔ اُس نے گوبی کے ویران ریگستان میں اپنے اسلاف کی زندگیوں کے جو افسانے سُنے تھے، ان افسانوں میں جس قسم کے شاندار کردار اور افسانوی ماحول کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ تاتار اُن عظیم کرداروں ـــــ اس افسانوی ماحول میں اس طرح رچ گیا تھا جیسے نگینہ انگوٹھی میں، ـــــ ہیرا تاج میں!

آدرنہ کی نئی چھاؤنی کا وسیع میدان اس کی جولانگاہ تھا۔ اُس نے جس قسم کی آب دار فولادی تلواروں کو خواب میں بھی نہ دیکھا تھا، وہ اب اس کے ہاتھ میں تھیں ـــــ طویل نیزے

رنگین سرسراتے ہوئے ریشمی پرچم، انگارے کی طرح سُرخ ڈراؤنی آنکھوں والے مہیب اور اپنے نتھنوں سے آگ کے شعلے نکالنے والے مضبُوط اور قد آور گھوڑے ہر لمحہ اس کا انتظار کر رہے تھے۔

ایک نوجوان ــــ پُر اُمید، بلند عزم اور جذباتی سلطان کی قدر دان اور ہر شے کی رُوح تک اُتر جانے والی عقابی نظریں اُسے مستقل طور پر گھُورتی ہوئی محسوس ہوتیں۔

اب اُسے بیداری میں بھی کچھ نئے نئے خواب نظر آنے لگے تھے۔ جیسے اپنے وقت کے جابر تاجدار اُس کے سامنے بھاگ رہے ہوں۔ اُن کے سنہری تاج، اِن تاجوں میں جڑے ہوئے ــــ جگمگاتے ہوئے ہیرے اُس کے برق رفتار گھوڑے کے سمُوں تلے روندے جا رہے ہوں۔ اور وہ اِن تاجداروں کی گردن میں ہرنوں کی طرح کمند ڈالنے کے لئے اپنے گھوڑے کی زین سے رسیاں کھول رہا ہو۔

○

صحرائے گوبی کے ناتجربہ کار اور لامذہب نوجوان کے دل کو ــــ جو کاریگر کے ہاتھوں سے نئے ڈھلے ہوئے شیشے کی طرح شفّاف اور بے داغ تھا ــــ اسلامی تعلیمات نے صیقل کر دیا۔

ایک خدا ــــ ایک کتاب ــــ ایک پیغمبرؐ کے عالمگیر آفاقی اور لاثانی عقیدے نے ساری کائنات کو ایک کھُلی ہوئی ابتدائی کتاب کی طرح اُس کی نظروں کے سامنے رکھ دیا تھا۔

اُسے ساری کائنات ایک ایسی مشاورتی حکومت کے زیرِ فرمان نظر آتی تھی، جس میں قیصروں، شہنشاہوں اور جولیئنوں کے شخصی پندار اور مذہبی تقدّس کا گرد و غبار ــــ تک دکھائی نہ دیتا تھا۔ رُوئے زمین پر خدا کی حکومت کے اِنتہائی سادہ تصوّر نے گویا اُسے رُوئے

زمین کا محافظ بنا دیا تھا۔ جہاں ترک سلطان کے علاوہ جو زمین پر خدا کے احکام کے مطابق مستقل امن و مساوات اور اسلام کے بے نظیر سیاسی اور معاشی انصاف و سچائی کی ترویج و ترقی میں کوشاں تھا۔۔۔ کوئی پاپائے روم، کوئی ہنیاڑی، کوئی جولین، کوئی ولاڈی سلاس اور کوئی قیصر نظر نہ آتا تھا۔

مگر وہ کسی وقت بھی تھیوڈورا کو نظر انداز نہ کر سکا۔۔۔ وہ اُسے نظر انداز کر ہی نہ سکتا تھا۔ نئی زندگی اور نئی تعلیمات کی روشنی میں تھیوڈورا کے ساتھ اس کا دوہرا رشتہ ہو گیا تھا! سیاسی اور فوجی علم نے اُس کے تصورات، اُس کے تخیلات اور اُس کے قلب و نظر میں جو وسعت پیدا کر دی تھی۔۔۔ اس کے تحت تھیوڈورا محض ایک انتہائی حسین بلقانی دوشیزہ ہی نہ تھی بلکہ یورپ کی فوجی قوت کی پُراسرار نمائندہ بھی۔ وہ تاتار کی محبت بھی تھی اور زندگی بھی۔ اُس کا مستقبل بھی تھی اور قسمت بھی۔

وہ جن تاجداروں کے تاج چھیننے کے لئے اپنے ہاتھ دن رات مضبوط کر رہا تھا۔۔۔ تھیوڈورا وہی تاج تاتار کے ہاتھوں سے چھیننے کے لئے ایک ظالم اور بے رحم جادوگرنی کی طرح پہلے سے زیادہ پُراسرار بنتی چلی جا رہی تھی۔ جب تاتار توحید کی روشنی میں اپنے گرد و پیش عمل میں آنے والے واقعات کا جائزہ لیتا۔ تو تھیوڈورا اسے تثلیث کی علمبردار۔۔۔ صلیب بردار دکھائی دیتی۔

ذہنی الجھن کی اس تاریکی میں اچانک تھیوڈورا کا معصوم چہرہ نئی صبح کے چمکدار پیامبر اور روشن ستارے کی طرح اس کی گذشتہ زندگی کے ویران اُفق پر ٹمٹمانے لگتا۔ اور اس بدنصیب دوشیزہ کی غمزدہ زندگی اُس کی اپنی ناکام زندگی سے گلے مل کر رونا شروع کر دیتی۔۔۔

نہ جانے وہ کون سے حالات تھے جن سے تنگ ہو کر تھیوڈورا ہنگری اور قسطنطنیہ سے ادرنہ کی طرف پناہ کی تلاش میں آئی تھی؟ ہنیاڑی اور قیصر نے اُسے اپنے اپنے طور پر

ہنگری اور قسطنطنیہ کی شاہی محلّات کی شمع بنانے کے لئے جو کوششیں کی تھیں، تاتاران سے پُوری طرح آگاہ تھا۔ تیم تھیوڈورا کا معصوم و سوگوار چہرہ ایک ہی جھلک میں تاتار کی ساری ہمدردیاں خرید لیتا۔ وہ محسُوس کرتا۔ گویا اس کی ساری زندگی تھیوڈورا کی امداد و اعانت کی خواہش میں محض ایک ایسی آہ بن کر رہ جاتی ہے، جو انتہائی مجبُوری اور مایُوسی کے عالم میں اُس کی رُوح کی گہرائیوں سے نکل کر آدرینہ کی چھاؤنی کی گہما گہمی میں تحلیل ہو جاتی۔

اور اِس سے پہلے کہ وہ محبّت کے اس سرکش اُڑن گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی ساری زندگی اُس کی مُنہ زوری کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا۔ اُسے فوراً اپنے فرض کا احساس ہوتا، وہ فرض جسے اصلاحی تعلیمات اور سلطان محمّد کی سپاہیانہ جدّوجہد نے اس پہ عائد کر دیا تھا۔

محبت اور فرض کی اِس اذیت ناک کشمکش میں سلطان محمّد کی پُرکشش شخصیت روشنی کے مینار کی طرح اس کی آنکھوں میں سما جاتی، اور —— تاریکی کے عمیق سمندر میں ڈوب کر زندگی کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے والا تاتار، اپنی قسمت کی لگام اس سلطان کے نوجوان ہاتھوں میں دے دیتا، جس نے اپنی تخت نشینی کے ابتدائی دَور میں اپنے دادا سلطان محمّد اوّل کی حکمتِ عملی —— امن اور استحکام —— پر عمل درآمد شروع کیا تھا۔

جس کی ساری توجّہ فوج پر مرکوز ہو گئی تھی۔ جسے یقین تھا کہ عنقریب وہ اپنی حکمتِ عملی کے جس دوسرے زینے پر چڑھنے والا ہے، اُسے اس وقت تک کامیابی کے ساتھ طے نہیں کیا جا سکتا، جب تک کہ ترک فوج ہر طرح سے اعتماد کے قابل نہ ہو۔ وہ خود نہ صرف ایک ترقی یافتہ سپاہی تھا بلکہ سامانِ حرب کا قدر دان بھی —— وہ اپنے عہد میں سارے یورپ کا ممتاز انجینئر تھا، اور مدافعانہ یا جارحانہ —— دونوں قسم کی جنگ کے لئے نئے اور ترقّی یافتہ ہتھیاروں کی تیاری اُس کی زندگی کا محبُوب مشغلہ تھا۔

○

دریا کی کامیاب جنگ کے بعد وہ سمندر کی ساکن اور خوابیدہ سطح کے نیچے ——اس طوفان کو دیکھ رہا تھا جسے وجود میں لانے والی تیز اور تند ہوائیں ابھی تک چلنا شروع نہ ہوئی تھیں۔

وہ سوتے سوتے اکثر اُٹھ بیٹھتا اور سوچنے لگتا —— "اس سلطنت کی سرحدیں کس طرح محفوظ رکھی جا سکتی ہیں؟"

—— اور پھر حفاظت کے ان منصوبوں میں اس کی نیند اُڑ جاتی۔ صبح ہو جاتی، اور مؤذن ساری کائنات کو پیغام دیتا —— اللہ اکبر —— اللہ اکبر! "بیشک اللہ سب سے بڑا، برتر اور توانا ہے۔" اور جب مؤذن کہتا: "نماز نیند سے بہتر ہے۔" تو اُسے اپنی شب بیداری کے احساس سے ایسی لذّت نصیب ہوتی کہ اسی خوشی سے بے خود ہو کر اُس کا سر خدا کے حضور جھک جاتا۔ وہ نہایت الحاح کے ساتھ دُعا مانگتا:——

"یا اللہ! مجھے ان دشمنوں پر غلبہ عطا فرما —— جو تیرے دشمن ہیں۔ اُنہیں اتنا موقعہ نہ دے کہ تیرا نام لینے والوں کو مٹا دیں۔ تُو خوب جانتا ہے کہ وہ ظالم اور مکّار ہیں۔"

اور اکثر ایسا ہوتا کہ روتے روتے اُس کی آواز رُندھ جاتی، اور سوائے بے ترتیب سسکیوں کے اور کچھ سُنائی نہ دیتا —— عام طور پر بوڑھا سلطان مُراد اپنے بیٹے کی اس فریاد کو سُن کر تڑپ اُٹھتا۔ اگرچہ اُس کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ وہ اپنے نوجوان بیٹے کو جو سلطانِ وقت تھا، روتا ہوا نہ دیکھے۔ مگر بعض اوقات وہ مجبور ہو جاتا۔ چپکے سے سلطان محمد کے کمرے میں داخل ہوتا۔ اس کے سر پر ہاتھ رکھتا، اُسے سینے سے لگا لیتا اور

کہتا :۔

"محمدؐ! تمہاری یہ عاجزی اور بے قراری بہت جلد رنگ لائے گی! تم وہ معرکہ سر کرو گے جو تمہارے باپ اور دادا سے سر نہ ہو سکا —— میں دیکھ رہا ہوں کہ سرکارِ دو عالمؐ کی پیشین گوئی کے پُورا ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ صبر سے کام لو محمدؐ! اللہ تمہارے دشمنوں کو اس طرح ذلیل و خوار کرے گا کہ تاریخ تا ابد ان کا ماتم کرتی رہے گی۔"

بارھواں باب

ترکی قہوہ

عرسطوس اور تاتار کو سانتا میریا سے گئے کئی دن ہو چکے تھے۔ اور پھر ان کی کوئی خبر نہ آئی تھی۔ تھیوڈورا عرسطوس کے لئے اگر بے چین تھی تو اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ سلطانہ مریامیہ اور اس کے بیٹے کے حالات معلوم کرنا چاہتی تھی۔

مگر اُس کے دل میں تاتار کے لئے کیوں تڑپ تھی؟ اُسے تاتار سے کیا واسطہ؟

اُسے جوزفیفیہ سے آدرنہ پہنچنے کے لئے ایک موزوں سہارے کی ضرورت تھی اور اب جبکہ وہ آدرنہ پہنچ چکی تھی، اُسے مزید کسی سہارے کی ضرورت نہ تھی ــــ وہ اگر سانتا میریا کے باہر آدرنہ سے آنے والی سڑک پر ندی کے کنارے پہروں بیٹھی رہتی ــــ تو اس کا یہ مطلب تو نہ تھا، کہ اُسے تاتار ہی کا انتظار ہے۔ اگر پچھلے دو ماہ سے اُس کی بے چینی بڑھ گئی تھی اور اس کی نیندیں ویران ہو چکی تھیں تو اس سے تاتار کا کیا تعلق؟

وہ تاتار کے خیال کو اپنے دل سے بھلانے کی جس قدر کوشش کرتی، وہ اسی قدر اُجاگر اور واضح ہوتا جاتا ــــ صحرائے گوبی کے ظالم جادوگر کا جادو چل چکا تھا۔

شکر ہے، وہ اس کے ساتھ آدرنہ نہیں گئی۔ ورنہ اُسے کسی ترک آفندی کے ہاتھ بیچ چکا ہوتا۔ تاتاریوں سے وفا کی کیا اُمید؟ اس قوم نے آج تک کس سے وفا کی! ظالم اور بے رحم تاتار! کم بخت نے آخری بار میری کلائی کس طرح شکنجے میں کس لی تھی! اگر میں اپنا ہاتھ چھڑا نہ لیتی تو ہڈی سُرمے کی طرح پس گئی ہوتی۔ اس کا دل اتنا سخت کیوں ہے؟

"کیا ہر کامیاب سپاہی کا دل سخت ہونا چاہیئے؟ وہ سپاہی ہے، بہادر اور حسین بھی۔ اس کا دل اتنا سخت نہیں۔ وہ رونا بھی جانتا ہے، رو سکتا ہے ــــ اس رات چاروں طرف پہاڑوں سے گھری ہوئی وادی میں جس کی بل کھاتی ہوئی ندیوں اور بے قرار آبشاروں کو چاندنی نے بہشت کی طرح حسین اور دلفریب بنا دیا تھا۔ تاتار کی بانسری کی دُھن کس قدر روح نواز معلوم ہوتی تھی۔ وہ جو بات اپنی زبان سے نہ کہہ سکتا تھا، اُسے بانسری کے ذریعے کہہ رہا تھا۔ اپنی محبت کا اعتراف کر رہا تھا!"

"اُسے مجھ سے محبت ہے!" تھیوڈورا سوچنے لگی۔ "وہ بہادر بھی ہے اور محبّ بھی۔ اگر میں بھی اُسے اپنی محبت کا یقین دلا دُوں تو وہ اپنی قسمت پر ناز کرنے لگے گا۔ جو کام ہنیاڈی اور عریلیوس سے نہ ہو سکا، تاتار اُسے آسانی سے تکمیل تک پہنچائے گا۔ اُس نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر مجھے ہنیاڈی کے سپاہیوں سے بچانے کی کوشش کی تھی، وہ مجھے بلقانی اور یونانی ظالموں کے ہاتھ سے بچا کر آدرنہ تک لے آیا تھا۔ وہ آدرنہ میں بھی میری مدد اور حفاظت کر سکتا ہے۔

میں نے اُسے رخصت کرتے وقت اِنتہائی بداخلاقی کا ثبوت دیا ہے۔ جب وہ مجھے بھیگی آنکھوں سے الوداع کہہ رہا تھا، میں اُسے گالیاں دے رہی تھی ــــ "بدتمیز، اُجڈ، گنوار ــــ!"

"مجھے اُس سے معافی مانگ لینی چاہیئے۔ وہ ترک فوج میں شامل ہو چکا ہوگا۔ اس کا مستقبل ترک قوم کے ماضی کی طرح روشن اور شاندار ہے۔ مسیحیت نے آدرنہ میں ترکوں

سے آزادی حاصل کرنے کے لئے جو جنگ شروع کر رکھی ہے، تاتار اس کا انتہائی موزوں قائد بن سکتا ہے۔ اگر وہ تاتار کو اپنے اعتماد میں لینے کے قابل ہو گئی تو اسلام کے خلاف مسیحیت کی کامیابی یقینی ہے"۔

O

سورج بلند ہونے کے بعد ایک عجیب اشتیاق سے اپنی کرنیں تھیوڈورا کے چہرے پر مرکوز کر رہا تھا۔ گنجان درختوں کے گھنے پتوں سے چھن چھن کر آنے والی شعاعیں اُس کے حسین چہرے پر مرکوز ہو رہی تھیں۔

وہ اُٹھی اور سانتا میرینا کی طرف چل دی۔

جب وہ صدر دروازے پر پہنچی تو اُس نے دیکھا، راہب تیزی سے اس کی طرف آ رہا تھا۔ ایسا نظر آتا تھا جیسے وہ اُسے ہی ڈھونڈ رہا ہو، جیسے وہ اُسے کوئی خوشخبری سنانے آ رہا ہو ـــــ جیسے تاتار آگیا ہو ـــــ بادشاہوں کے تاج چھیننے والا تاتار ـــــ تھیوڈورا کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

لیکن ـــــ بلقان کی یہ سراپا بہار دوشیزہ اپنے حسن سے بھی زیادہ معصوم اور بھولی بھالی تھی۔ اُسے یہ معلوم ہی نہ تھا کہ جس تاتار کے خیال سے وہ اس قدر بے چین ہے، وہ سانتا میرینا کے دروازے سے کئی بار ناکام اور مایوس لوٹ چکا ہے۔ اور پھر جس شخص کے بارے میں اُس نے سانتا میرینا کے راہب کے سامنے کسی اہمیت کا اظہار نہیں کیا۔ اس کے لئے بھلا راہب اس قدر مستعدی کا ثبوت کیوں دینے لگا ـــــ!

تھیوڈورا فکر و خیال میں غرق، آہستہ آہستہ دروازے کے اندر داخل ہو گئی۔ راہب اس کے پاس آگیا اور سلام کرتے ہوئے بولا:۔

"میں تو ابزادی کو بڑی دیر سے ڈھونڈ رہا ہوں"۔

تھیوڈورا نے مسکرا کر اُس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا:

"کیوں، خیریت تو ہے؟"

"ہاں! عرلیطوس نے آپ کو آدرنہ بُلایا ہے۔"

"اُس نے بہت دیر کے بعد پیغام بھیجا؟"

"آپ کا خیال درست ہے۔ مگر ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ ہم دشمن کے گھر میں ہیں، اور ہمیں ہر ممکن احتیاط بروئے کار لانی ہوگی۔"

"خیر ـــ فرمایئے! مجھے کب تک آدرنہ پہنچ جانا چاہیئے؟"

"فوراً ـــ! اس لئے کہ آپ شہر سے ناواقف ہیں۔ عرلیطوس ٹھیک دوپہر کے وقت آپ سے مُلاقات کرے گا ـــ اور اس تک پہنچتے پہنچتے آپ کو بہت دیر ہو جائے گی۔"

"وہ مجھ سے کہاں ملنا چاہتا ہے؟"

"آپ اس کا غم نہ کریں۔ آپ کو عرلیطوس تک پہنچانا سانتا میرینا کے لوگوں کا کام ہے۔ دیکھئے عرلیطوس نے آپ کو آدرنہ کے اس کتب خانے میں بُلایا ہے جو حقیقت میں یونانی کتب خانہ ہے۔ میں اپنے آدمی کے ساتھ آپ کو اس کتب خانے تک پہنچا دیتا ہوں۔ اس کے بعد کتب خانے کے منتظم جانیں، آپ جانیں اور عرلیطوس۔"

○

شارع ارطغرل کا یونانی کتب خانہ یونانی طرز کی ایک قدیم عالی شان عمارت میں واقع تھا جو شخص سانتا میرینا سے تھیوڈورا کے ساتھ آیا۔ وہ یہاں رُک گیا ـــ اُس نے سر جھکا کر تھیوڈورا کو کتب خانے میں داخل ہو جانے کا اشارہ کیا، اور خود رخصت ہو کر شارع ارطغرل کی بھیڑ میں نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

تھیوڈورا کتب خانے کی دہلیز پہ رُک گئی۔ اُس نے اندر جھانک کر دیکھا۔ بہت بڑا کتب خانہ تھا۔ جس میں بہت سے لوگ موجود تھے۔ بعض کتابوں میں کھوئے ہوئے تھے۔ بعض بڑی بڑی الماریوں میں سے اپنی پسند کی کتابیں نکال رہے تھے اور بعض لوگ اپنی پسندیدہ کتابیں حاصل کرنے کے بعد باہر جا رہے تھے۔ وہ سوچنے لگی۔ غالباً پندرھویں صدی کے یورپ میں اتنا بڑا کتب خانہ اور کہیں نہ ہو۔ مگر اُسے یہ دیکھ کر اور بھی خوشی ہوئی کہ یہ خالص یونانی کتب خانہ تھا۔ جس کے منتظم بھی یونانی ہی تھے۔

وہ آگے بڑھی اور ——— اُس آبنوسی میز کا رُخ کیا جس کے پیچھے کرسی پر ایک ایسا بوڑھا یونانی بیٹھا تھا جو اپنی وضع قطع سے افلاطون کا ہم عصر دکھائی دیتا تھا۔

جب تھیوڈورا اُس کے قریب آئی تو وہ اُسے دیکھ کر ایک دم کھڑا ہو گیا ———

تھیوڈورا اُسے حیرت سے دیکھنے لگی تو وہ بھی انہی نظروں سے اُسے پہچاننے کی کوشش کرنے لگا۔

لمحہ بھر پہلے اُسے دیکھ کر بوڑھے یونانی کو جو خوشی ہوئی تھی، وہ اب ختم ہو چکی تھی ——— شاید آنے والی صورت، اُس کے خیالوں سے مختلف نکلی تھی، اِس لئے وہ دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

فیلسوف یونانی کے حُلیے اور وضع قطع سے لطف اُٹھانے کے بعد تھیوڈورا جب دوبارہ سنجیدہ ہو گئی تو اُسے خیال آیا: سانتا میرینا کے راہب نے اُسے کچھ ہدایات دی تھیں! وہ سنبھلی اور اُس کا ہاتھ تیزی سے اُس چھوٹی سی طلائی صلیب کی طرف بڑھا، جو باریک سنہری زنجیر کے ذریعے اُس کے گلے میں لٹک رہی تھی۔

اُس نے صلیب کو باہر نکالا اور اُسے دائیں ہاتھ میں پکڑ کر ہلانے لگی۔ بوڑھے یونانی نے بڑی دیر کے بعد سر اُٹھایا تو دیکھا، تھیوڈورا صلیب کو برابر اُچھال رہی تھی۔ اس اشارے کو وہ بخوبی سمجھتا تھا۔ تیزی سے اُٹھا، تھیوڈورا کے قریب آیا اور بڑی عقیدت سے جھک کر

کہا :—

"کہیئے — میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں ؟"

تھیوڈورا گھبرا گئی۔ اُس نے جلدی سے کہا :—

"مَیں سانتا میرینیا سے یہاں آئی ہُوں"۔

"کتابوں کے لئے — ؟" اُس نے تھیوڈورا کی بات کاٹ کر کہا۔ "مجھے معلوم ہے مَیں جانتا ہوں۔ کہیئے — آپ کو کون سی کتاب چاہیئے ؟"

"مَیں — مَیں — !"

"اِدھر آیئے"۔ یونانی تھیوڈورا کا ہاتھ پکڑ کر اُسے ایک بہت بڑی الماری کی طرف کھینچ لے گیا۔ "میں سب کچھ جانتا ہوں، گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ کو جس موضوع کی کتابیں چاہئیں وہ سب کی سب اس کتب خانے میں موجود ہیں — آیئے — پسند کیجئے"۔

تھیوڈورا سخت حیران تھی۔ آخر اس کتب خانے میں کیا رکھا ہے ؟ عرسطیوس کہاں ہے ؟ ممکن ہے کتب خانے کا منتظم اس کے متعلق کچھ جانتا ہو، ممکن ہے عرسطیوس ابھی یہاں نہ آیا ہو۔ شاید بوڑھا یونانی اُسے باتوں میں لگا کر وقت گزار رہا ہے۔ تا کہ عرسطیوس یہاں آجائے، اور —"

"یہ دیکھئے"۔ یونانی نے ایک کتاب نکال کر کہا۔ "یہ کتاب آج صبح جدید حربی مدرسے کے ناظم لوٹا گئے ہیں۔ کہتے تھے اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے۔ وہ تو اُسے خریدنا چاہتے تھے، مگر ہم ایسی نادر کتابیں بیچ کر کتب خانے کا وقار برقرار نہیں رکھ سکتے۔ نہ جانے ابھی مزید کتنے عرصے تک یہ کتب خانہ چلانا ہوگا"۔

"جدید حربی مدرسے کے ناظم" کا نام سُن کر تھیوڈورا چونکی۔ کیونکہ اس ناظم کا نام عرسطیوس تھا۔ اُسے تسلی ہوئی کہ وہ صحیح جگہ پر صحیح آدمی کے پاس پہنچ چکی ہے۔ اُسے

یہیں عرلیطوس کا انتظار کرنا ہوگا۔ مگر یہ جگہ موزوں نہ تھی۔ اس ملاقات کے لئے ایسا کتب خانہ ہرگز محفوظ مقام نہ تھا، جہاں دوسری کئی قوموں کے لوگوں کے علاوہ خود ترک کتب بین بھی موجود تھے اور کون کہہ سکتا تھا کہ یہاں تھیوڈورا اور عرلیطوس کی قسم کے ترک نوجوان بھی موجود ہوں۔

"دیکھئے ——!" یونانی نے ایک کونے میں خالی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہاں تشریف رکھئے۔ اور اس کتاب کو اُلٹ پلٹ کر خوب غور سے دیکھئے۔ شاید آپ کو وہ تمام معلومات مل جائیں جن کے لئے آپ سانتا میرینا سے شارع ارطغرل آئی ہیں۔ اور اگر آپ کو یہ کتاب پسند نہ آئی تو اور بھی سینکڑوں کتابیں موجود ہیں۔ گھبرائیے نہیں یہی آدرنہ کا وہ کتب خانہ ہے جہاں ——!"

تھیوڈورا بوڑھے یونانی سے بچنا چاہتی تھی۔ کہیں یہ سٹھیایا ہوا فیلسوف کوئی ایسی بات نہ کہہ دے جو اس کے حق میں بُری ثابت ہو۔ وہ کتاب لے کر کونے میں چلی گئی، اور کرسی پر بیٹھ کر ورق اُلٹنے پلٹنے لگی۔ اُس کی نظر اچانک کاغذ کے ایک چھوٹے سے پُرزے پر پڑی۔ جس پر یہ لکھا تھا:۔

"کتب خانے سے نکل کر دوبارہ شارع ارطغرل میں آجائیے۔ مشرق کی طرف ایک سو گز کے بعد دائیں ہاتھ ایک کشادہ گلی آتی ہے —— شارع سراج آفندی —— جس میں ایک بہت بڑی دکان واقع ہے جہاں یونانی ثقافت کے انتہائی قدیم نمونے بکتے ہیں۔ یہیں میرا انتظار کیجئے۔"

اگرچہ خط کے نیچے لکھنے والے کا نام نہ تھا مگر اُسے یقین ہوگیا کہ یہ عرلیطوس کا لکھا ہوا خط ہے —— عرلیطوس واقعی آدرنہ میں آزادی کے جہاد کا موزوں ترین قائد تھا۔ وہ کس قدر محتاط اور دُور اندیش تھا۔ حقیقت میں کامیابی کے لئے اسی قسم کی دُور اندیشی کی ضرورت تھی، تھیوڈورا محسوس کرنے لگی، گویا آدرنہ میں جب تک عرلیطوس موجود ہے،

اُسے کوئی خطرہ نہیں۔

"کیا اُسے یہ خط کتاب ہی میں چھوڑ دینا چاہیئے ؟" — اس کے سوا اور کیا چارہ تھا ؟"

"اور اگر یہ کتاب کسی تُرک کے ہاتھ میں آگئی تو ! تو کیا ہوگا ؟" — کوئی شخص کسی شخص کو صرف مُلاقات کے لئے شارع سراج آفندی کی کسی دُکان میں بُلا رہا تھا، کون کس کو بُلا رہا تھا، کس غرض کے لئے بُلا رہا تھا، کوئی معلوم نہ کر سکتا تھا، اور پھر یہ افلاطون کی عمر اور حُلیئے کا شخص کس مرض کی دوا تھا ؟ وہ ایسی کتابیں کسی اَور کے ہاتھ میں کب جانے دے گا ؟

تھیوڈورا نے خط کتاب میں رکھ کر اُسے بند کر دیا اور وہاں سے اُٹھی۔ بوڑھا یونانی بے تابی سے اُس کے پاس پہنچا۔ تھیوڈورا نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کتاب اُس کی طرف بڑھائی۔ لیکن یونانی نے کتاب لینے سے پہلے کہا :۔

"کیوں — آپ کو اس کتاب میں سے کچھ نہیں ملا ؟"

"نہیں۔ بڑے کام کی کتاب ہے۔ مجھے جو چند ایک حوالے دیکھنے تھے، دیکھ لئے۔"

"تو پھر اسے اپنے پاس رکھئے۔" یونانی نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔ "یہ قدم قدم پر آپ کو کام دے گی۔ سچ پوچھئے، تو ایسی معلوماتی کتاب کے بغیر آپ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتیں۔"

تھیوڈورا کچھ سوچنے لگی۔ یونانی نے کہا :۔

"آپ کو جب کبھی موقعہ ملے، اِسے لوٹا دیجئے، کسی کے ہاتھ بھجوا دیجئے — کسی معقول آدمی کے ہاتھ جو ایسی نادر کتاب کی قدر دانی کا اہل ہو۔"

تھیوڈورا شکریہ ادا کرتی ہوئی کتب خانے سے باہر نکلی۔ بوڑھا یونانی مُسکرا مُسکرا

کر اُسے دیکھتا رہا۔ اُس کی اُنگلیاں عجیب بے اختیاری کے عالم میں اپنی گھنی، لمبی، اُلجھی ہوئی داڑھی کے بال سُلجھا رہی تھیں ●

○

شارع سراج آفندی اگرچہ آدرنہ کا ایک حصّہ تھا مگر انتہائی پُر اسرار حصّہ ـــــ یہ ایک علیحدہ دُنیا تھی۔ قہوہ خانوں، ہوٹلوں، حماموں اور عجیب و غریب دکانوں کی دُنیا ـــــ تھیوڈورا نے اس وقت تک آدرنہ میں شارع سراج آفندی سے زیادہ کشادہ، نظر فریب اور پُر سکون بازار اور کوئی نہ دیکھا تھا۔

اُسے یونانی ثقافت کے قدیم اور نادر نمونے بیچنے والی دکان ڈھونڈنے میں بالکل تکلیف نہ ہوئی۔ سارے بازار میں یہ اپنی قسم کی ایک ہی دکان تھی۔ دوسری تمام دکانوں سے اُونچی اور کشادہ جس کا بیرُونی وسیع حصّہ ان قدیم مجسّموں سے آراستہ تھا، جو ٹرائے اور سپارٹا کے کھنڈروں سے دستیاب ہوئے تھے۔

تھیوڈورا دکان کی سیڑھیوں کے سامنے رُک گئی۔ اور اُس کی اندرونی دُنیا پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ دکان کا نوجوان یونانی مالک سامنے بیٹھا تھا جس کے اردگرد تین ترک اور ایک متوسط طبقے کا یونانی نوجوان بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ مالک نے تھیوڈورا کو دیکھتے ہی اپنے دوستوں سے کہا:

"ایسی موٹی اسامی سے کاروبار کئے مدّتیں گزر گئیں۔ اب تم لوگ کھسکو اور مجھے اطمینان سے کام کرنے دو۔"

سب کی نظریں تھیوڈورا کی طرف اُٹھیں، جو نظریں جھکائے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ ایک شخص نے کہا:۔

"ہمیں بھی حسن و شباب کے ایسے اچھوتے پیکر کو دیکھے جیسے صدیاں گزری

ہوں۔ تم اپنی جیب گرم کرو۔ اور ہمیں آنکھیں سینکنے دو۔ اب تو یوں معلوم ہوتا ہے، گویا ہماری جمالیاتی حِسّ مُردہ ہو گئی ؟"

تھیوڈورا دوکان کے اندر داخل ہو گئی، وہ چاروں اس کے استقبال کے لیئے سرو قد کھڑے ہو گئے۔ تھیوڈورا نظروں کے ان بے باک تیروں سے گھبرا سی گئی۔ اُس نے ہر چند مدافعت کی کوشش کی۔ مگر اس کے قدم ڈگمگانے لگے۔ دکان کے مالک نے تھیوڈورا کی یہ حالت دیکھ کر اپنے دوستوں سے کہا :۔

"آپ لوگ تشریف لے جایئے۔ میں نے عرض کر دیا نا ! جو چیزیں آپ کو چاہئیں وہ اس وقت دستیاب نہ ہو سکیں گی"۔

"مگر دیکھئے بھول نہ جایئے"۔ ایک نوجوان نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"بھُول جاؤں تو پھر اس کاروبار کا کیا فائدہ ؟"

اس کے سب دوست عجیب رازدارانہ ہنسی ہنستے ہوئے رخصت ہو گئے۔ اب تھیوڈورا بھی سنبھل چکی تھی۔ اُس نے تھیوڈورا کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا :۔

"بڑی علم دوست معلوم ہوتی ہیں آپ ! کیا نام ہے اِس کتاب کا ؟"

تھیوڈورا نے اس وقت تک کتاب کے نام پر کوئی توجہ نہ دی تھی۔ وہ جس قدر علم دوست تھی، اُسے معلوم تھا۔ وہ ایک اجنبی کے منہ سے یہ فقرہ سُن کر جھینپ سی گئی اس نے کتاب والا ہاتھ اُٹھایا۔ کتاب کے اُوپر لکھا ہُوا نام دکان دار دہرانے لگا۔

"سکندر مقدونی، رُوئے زمین پر حکومت کرنے کا خواب دیکھنے والا پہلا یونانی فاتح"۔

تھیوڈورا نے اپنا ہاتھ نیچے کر لیا۔ وہ حیران تھی۔ دکاندار کتاب کا نام کیوں دوہرا رہا تھا ؟ دکان دار مسکرایا اور کہا :۔

"اگر سکندر کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو جاتا، تو تیری اور ـــــ آپ کی طرح کے کئی لوگ بڑے اطمینان اور فراغت سے اپنی زندگیاں بسر کرتے"۔

دکان دار نے بڑے واضح الفاظ میں اپنا تعارف کرایا تھا۔ تھیوڈورا خاموشی سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ عرسطیوس سے ملاقات کا وقت سر پر آ گیا تھا۔ دوپہر تپ رہی تھی وہ سوچنے لگی:۔

"نہ جانے عرسطیوس سے یہیں ملاقات ہو گی یا کہیں اور جانا پڑے گا"۔

"یہاں آپ کے کام کی کوئی چیز نہیں"۔ دوکاندار نے وہ پردہ ہٹاتے ہوئے کہا۔ جس پر یونانی مصوری کے بہترین شاہکار زندۂ جاوید بن کر دیکھنے والوں سے خراجِ عقیدت وصول کر رہے تھے"۔ اِدھر آئیے"۔

تھیوڈورا نے ڈرتے ڈرتے دوکاندار کا تعاقب کیا۔ پردے کے پیچھے دیواروں پر کچھ اور نقش دکھائی دے رہے تھے۔ دُکاندار نے دیوار کے ایک حصے پر ہاتھ رکھا، تو دروازہ کھُل گیا۔ تھیوڈورا حیران تھی کہ وہ کہاں آن پھنسی ہے۔ دوکان دار نے تیزی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا:۔

"فوراً اندر تشریف لے جائیے"۔

جب تھیوڈورا اندر داخل ہوئی، تو شروع شروع میں اُس کی آنکھوں نے اُس کا ساتھ نہ دیا۔ مگر اُسے عرسطیوس کی مانوس آواز سُنائی دینے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا:۔

"آ جائیے نواب زادی! آ بھی جائیے۔ بڑی بے چینی سے آپ کی راہ دیکھ رہا ہُوں"۔

تھیوڈورا کی آنکھیں ابھی تک اِس تاریکی سے ہم آہنگ نہ ہو سکی تھی، جو اِس کمرے میں طاری تھی۔ مگر اِس تاریک اجنبی دُنیا میں عرسطیوس کی آواز سُن کر وہ خوش ہو گئی اور آہستہ آہستہ اُس کی آواز کی طرف بڑھی۔

عرلطیوس زور سے ہنسا، اور ساتھ ہی تھیوڈورا نے محسوس کیا جیسے اس کا ہاتھ عرلطیوس کے ہاتھ میں آگیا ہو۔ وہ اس لمس کے احساس سے لرز اُٹھی۔ عرلطیوس کی یہ بے تکلفی اُسے ہرگز پسند نہ آئی۔ اُس شخص نے تھیوڈورا کو خاص طور پر ایسے پُراسرار ماحول میں کیوں بُلایا تھا؟ اس کی آنکھیں جس تاریکی کے اندر جھانکنے کی کوشش کر رہی تھیں، بالکل وہی تاریکی اب اس کے ذہن پر طاری ہوگئی۔ عرلطیوس کے قہقہے کی صدائے بازگشت ابھی تک اس تاریکی میں بھٹک رہی تھی۔

آہستہ آہستہ تھیوڈورا کی آنکھیں اس تاریکی سے مانوس ہونے لگیں۔ عرلطیوس کے لمس سے تھیوڈورا کے خون کی گردش میں جو اچانک غیر متوقع ہیجان پیدا ہوا تھا عرلطیوس اس کا مدّوجزر محسوس کر رہا تھا۔ اُس نے تھیوڈورا کا ہاتھ چھوڑ دیا اور دونوں ایک چھوٹی سی میز کے اِرد گرد رکھی ہوئی کرسیوں کے قریب پہنچ چکے تھے —— تھیوڈورا ایک کرسی پر بیٹھ گئی، عرلطیوس دوسری پر، سارا ماحول جس قدر تاریک اور ویران تھا، اس سے کہیں زیادہ خاموش بھی۔ عرلطیوس تھیوڈورا کے دل کی تیز تیز دھڑکن سُن سکتا تھا۔ اُس نے خاموشی کا پردہ چاک کرتے ہوئے کہا:-

ہمیں ایک دوسرے سے ملے جیسے صدیاں گزر چکی ہوں۔ میں نے آج آپ کو ویسے ہی بُلا لیا۔ یہ ضروری نہیں کہ جب تک ہم "کاروباری" قسم کی بات چیت کرنے کے قابل نہ ہوں، ایک دوسرے سے مُلاقات ہی نہ کریں، ہمیں ایک دوسرے کے قریب رہنا چاہیئے۔"

تھیوڈورا خاموش تھی۔ وہ سوچ رہی تھی۔ عرلطیوس نے اگرچہ مسیحیت کی عظمت کے لئے اپنی زندگی انتہائی بلند مقصد کی خاطر وقف کردی۔ مگر پھر بھی وہ مرد ہے ہینیاڑی، قیصر اور خانقاہِ جوزلیفیہ کے راہب کی طرح مرد۔ خود غرض —— ہوس پرست مرد!

اُس کا ذہن اپنے آپ تاتار کی طرف منتقل ہوگیا اور پھر وہ بھی اُنہی کی طرح مرد

تھا۔ مگر اُن سے کس قدر مختلف۔ تھیوڈورا نے تنہائی میں اُس کے ساتھ نہ صرف سارا سارا دن بلکہ مسلسل کئی کئی راتیں بسر کی تھیں۔ مگر اُس نے اس دوران اپنی غرض اور ہوس کو اپنے مردانہ وجود کے ایسے حصے میں چھپا دیا تھا کہ اگرچہ تھیوڈورا اُس کی ایک ایک نس ٹٹول چکی تھی۔ مگر اُس کا کہیں نشان نہ ملا۔ واقعی ـــــ تاتار بہت مختلف تھا۔ تاجداروں کے سر سے تاج چھیننے والا تاتار ـــــ کل تک خانقاہِ جوزیفیہ کا ایک معمولی چوکیدار، ہر اُس شخص سے مختلف تھا۔ جس سے تھیوڈورا کو زندگی میں واسطہ پڑا تھا۔

تاتار کا خیال آتے ہی تھیوڈورا کی حالت بدلنے لگی۔ جسے عرطوس حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے موضوع بدلتے ہوئے کہا :۔

" وہ آپ کا خدمتگار کہاں ہے ؟"

تھیوڈورا نے جلدی سے اپنے محسوسات وجذبات کے منہ میں لگام دی۔ اور آہستہ سے کہا :۔

" اُسے رخصت کر دیا "

" رخصت کر دیا ـــــ ! کہاں ؟"

" یہیں ـــــ آدرنہ میں "

" کیوں ؟"

" تمہی نے تو کہا تھا کہ اُسے ترک فوج میں شامل ہو جانے پر مجبور کروں !"

" تو کیا وہ فوج میں شامل ہو گیا ؟" عرطوس کی آواز اُس کی دلی بے چینی اور پریشانی کی آئینہ دار تھی۔

" ہاں !"

" فوج میں بھرتی ہو جانے کے بعد وہ آپ سے ملنے آیا تھا ؟

" نہیں !"

"تو پھر آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ فوج میں ہے ۔۔۔ ؟"

"مجھے یقین ہے" تھیوڈورا نے اُس کی بات کاٹ کر کہا۔ "اُس نے آج تک جس چیز کی خواہش کی، اُسے حاصل کر کے دم لیا ہے۔"

"بہت خُوب!" عرلطیوس کی آواز بدل رہی تھی۔ "تو گویا اس حساب سے وہ بہت بڑا آدمی ہے۔"

تھیوڈورا خاموش رہی۔

"ایسے کام کے آدمی کو اپنے ہاتھ سے کھو کر آپ نے بہت بُرا کیا۔"

تھیوڈورا نے اُسے تیزی سے دیکھا اور خاموش رہی۔

"مجھے صرف ایک نظر دیکھ تو لینے دیا ہوتا۔"

تھیوڈورا حیران تھی۔ عرلطیوس ۔۔۔ تاتار کے ذکر میں اس قدر اُلجھ کیوں رہا ہے؟ کہیں تھیوڈورا نادانستگی کے عالم میں اپنی کمزوری ظاہر تو نہیں کر بیٹھی۔ بہرحال اس نے قدم قدم پر خاموشی کا سہارا لیا۔

عرلطیوس نے کہا ۔۔۔ "اس کا نام؟"

"تاتار!" تھیوڈورا خاموش نہ رہ سکی ۔۔۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ عرلطیوس اُس کی خاموشی سے مشکوک ہو رہا ہے۔

"تاتار!" عرلطیوس نے دل کھول کر قہقہہ لگایا، اور پھر جیسے خُود ہی کچھ سوچ کر سنجیدہ ہو گیا ۔۔۔ "تاتار! اوہ، تو گویا نوابزادی کو اپنی خدمت کے لئے کوبلقانی یا یونانی خدمتگار پسند نہ آیا؟ آپ آدرنہ تک ایک تاتاری نوجوان کے ساتھ آئیں، اور اب اُسے آزاد چھوڑ دیا، تاکہ وہ سارے آدرنہ میں آپ کی آمد کے افسانوں کا چرچا کرتا پھرے؟"

عرلطیوس بہت دُور نکل گیا تھا۔ اور اُس کی باتیں اس قدر بے ہُودہ نہ تھیں کہ انہیں

آسانی سے نظر انداز کر دیا جاتا۔ وہ محسوس کرنے لگی کہ عرطیوس کو تسلی دینا ضروری ہو گیا ہے
" وہ میرا خدمتگار ہے۔ میں اُسے اچھی طرح جانتی ہوں۔ اُس میں اتنی ہمت نہیں
کہ مجھے نقصان پہنچائے۔"

" تو یہ بات ہے۔" عرطیوس کی آواز کرخت اور اُس کا لہجہ انتہائی حقارت آمیز تھا
" آپ کو اپنے حُسن و شباب کے متعلق ہر قسم کی خوش فہمی کا حق حاصل ہے۔ مگر اس
شخص کے متعلق آپ کو رائے قائم کرنے کا کوئی حق نہیں، جو شعور کی اس آخری منزل
تک پہنچ جانے کے باوجود کسی قسم کے اخلاقی اور مذہبی ضابطے کا پابند نہیں۔ کیا آپ اسے
اتنا بڑا انسان سمجھتی ہیں کہ وہ آپ کے حُسن و جمال ___ آپ کے لطیف احساسات
اور نازک جذبات کی قدر کر سکے؟ مذہب و اخلاق کی پابندیوں سے آزاد تاتار صرف
ایسے حیوانی شعور کا مالک ہے جسے محض روٹی کا لالچ دے کر خریدا جا سکتا ہے۔ یہ آدرنہ
ہے نواب زادی ___! جس کا ایک ایک ذرّہ سلطان محمّد کی نظروں میں ہے۔ اور تاتار
ایسی مچھلیاں پکڑنے کے لئے ساری سلطنت میں مشّاق اور تجربہ کار شکاریوں نے
جال پھیلا رکھے ہیں۔"

اُس نے خاموش ہو کر تھیوڈورا کو دیکھا۔ جس کا چہرہ کسی انجانے خوف کی وجہ سے
زرد پڑ گیا تھا۔ اُس کی آنکھیں بالکل بے نُور ہو گئی تھیں۔ وہ جس ماحول میں ذرا دیر پہلے
نہ صرف اپنے آپ کو اجنبی محسوس کر رہی تھی، بلکہ جہاں پہنچ کر وہ خوفزدہ تھی۔ اب اسی
اب اسی ماحول سے وہ آہستہ آہستہ مانوس ہونے لگی تھی۔ اس کی نظریں غیرارادی طور پر عرطیوس
کی طرف اُٹھیں جن میں عاجزی اور بیچارگی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ عرطیوس نے موقعے سے فائدہ اُٹھایا۔
وہ اُس کی طرف جھکا۔ تھیوڈورا کا گرم جواں سانس اُسے تسکین پہنچانے لگا۔ اُس نے بالکل سرگوشی کے انداز میں کہا:
" میں آپ کو اس قدر خوفزدہ نہیں دیکھ سکتا نواب زادی! میرے ہوتے ہوئے
آپ کو غم اور اندیشے کی ضرورت نہیں۔ البتہ جہاں تک ممکن ہو سکے احتیاط اور دور اندیشی

کو نظر انداز نہ کیجئے۔ آپ کو معلوم ہے کہ تاتار ترک فوج کا ایک رُکن بن چکا ہے۔ سپاہی ترقی کے لئے اپنی جان کی قربانی دینے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ کہیں ترقی کے لالچ میں وہ ہمارا راز فاش نہ کر دے۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ آپ آدرنہ میں اُسے ڈھونڈنے کی کوشش کریں۔ اور جب ایک مرتبہ آپ اُس سے مُلاقات کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو پھر دوستی کے اس فرض اور مصنوعی رشتے کو ٹوٹنے نہ دیں۔ اوّل تو ہمیں اُسے دولت کا لالچ دے کر خرید لینا چاہیئے۔ لیکن اگر وہ خریدا نہ جا سکا، تو پھر اُسے راستے سے ہٹانا پڑے گا۔ لیکن یہ سب کچھ صرف اس وقت ممکن ہو سکتا ہے، جب کہ اُسے آپ پر پورا پورا اعتماد ہو۔ یاد رکھئے، آدرنہ میں سلطانہ مریامہ کے کمسن بیٹے کے علاوہ ہمارا دوسرا شکار تاتار ہے۔"

عرطیوس اپنی حکمتِ عملی سے تھیوڈورا کے اعصاب پر سوار ہو چکا تھا۔ اُس نے تھیوڈورا کو تسلّی دی۔ یہ قدرتی امر ہے کہ بزدل سے بزدل انسان بھی زیادہ عرصے تک خوف کی کشیدگی میں مبتلا نہیں رہ سکتا۔ خوشی اور غم، بھوک اور پیاس اور سردی اور گرمی کی طرح خوف بھی ایک بالکل عارضی اثر ہے۔ اب تھیوڈورا کی حالت معمول پر آ چکی تھی۔ اُس نے کہا:۔

"مَیں تاتار کو اپنے اعتماد میں لینے کی کوشش کروں گی۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ میرے ہاتھ سے نکل کر جا نہیں سکتا۔"

"مجھے بھی یقین ہے۔" عرطیوس نے جواب دیا۔ "تاتار تو تاتار، اگر آپ چاہیں تو ان سرکردہ ترک افسروں کو بھی اپنے خیالات کی زنجیروں میں جکڑ سکتی ہیں جو سلطان محمدؐ کے مشیر ہیں۔ اگر آپ سچ پوچھیں تو مَیں آپ کو مشورہ دُوں گا کہ اپنی ان فطری صلاحیتوں سے فائدہ اُٹھائیں جو مقدّس باپ نے صرف اپنی آسمانی بادشاہت کے تحفّظ کے لئے آپ کو عطا کی ہیں ۔۔۔ سانتا میرینا کی پُرسکون خانقاہ میں بیٹھے رہنے سے کوئی کام نہ ہوگا۔

نہ جانے ترک اس قدر محتاط کیوں ہو گئے ہیں۔ اُنہوں نے سلطانہ مریامہ کو کسی ایسی جگہ پہنچا دیا ہے جہاں سے ماں بیٹے کی ہوا بھی نہیں آتی۔ میں نے آپ کو آدرنہ آنے کی دعوت ہی اِس لئے دی ہے کہ آپ شہر میں بے تکلف آمد و رفت جاری رکھیں۔ زیادہ سے زیادہ دوست بنائیں، اور ان سے ہر قسم کی معلومات کریدیں۔ آپ مریامہ کا سراغ لگانے میں بہت جلد کامیاب ہو جائیں گی۔"

"میں تمہاری ہدایات پر عمل کروں گی۔"

"لیکن ذرا احتیاط سے۔"

تھیوڈورا مسکرائی، عرسطوس بھی مُسکرانے لگا۔ دونوں اُٹھے۔ عرسطوس نے کہا:۔

"آپ جس راستے سے آئی ہیں، اسی طرف سے واپس جائیے۔ دیکھئے! سنیچر کے دن میں دوپہر کے وقت اسی جگہ آپ کا انتظار کروں گا۔ سنیچر تک خدا حافظ!"

"خدا حافظ!"

"نواب زادی ـــــ!" عرسطوس چلّایا۔ "یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ آدرنہ میں کسی پر بھروسہ نہ کیجیئے گا۔"

○

آدرنہ کے صاف ستھرے کشادہ بازاروں میں عالی شان عمارتوں کے سائے اس طرح بچھ گئے تھے جیسے کسی حُور نے آئینے پر اپنا سایہ ڈال دیا ہو۔ آدرنہ نے مشرقی یورپ کی صنعت اور تجارت میں جو بلند مقام حاصل کر لیا تھا، ترک تاجر اور صنّاع اُسے بڑی سادگی کے ساتھ ظاہر کر رہے تھے۔ دکانوں اور بازاروں میں یکساں بھیڑ رہتی تھی جہاں یورپی اقوام کے علاوہ آرمینیا، جارجیا، بلخ، بخارا، ایران، چین، شام اور مصر کے تاجر دھڑا دھڑ مال خرید رہے تھے ـــــ ترک شہری اور فوجی افسر بھی اپنے بچوں کے ساتھ پھیری والوں

سے کھلونے خریدتے نظر آتے تھے۔

اس بین الاقوامی شہر میں کہیں کہیں اپنی رنگین وردی میں ملبوس ترک فوجی بھی اپنے بیتاب گھوڑوں پر سوار دکھائی دیتے تھے، لوگ خرید و فروخت یا سیر تماشے میں مصروف تھے — مگر تھیوڈورا کی نظریں ان سواروں پر مرکوز ہو ہو جاتیں، شاید اُسے تاتار نظر آ جائے۔ وہ اس وردی میں کتنا سجتا ہوگا؟ وہ باقاعدہ سپاہی بن کر کس قدر بدل گیا ہوگا؟ تھیوڈورا کے دل کی گہرائیوں سے ایک اجنبی سی حسرت سطح پر اُبھرنے کی کوشش کرتی جسے وہ فوراً دبا دیتی۔ اُسے اب تاتار کے نام سے خوف اور نفرت سی ہونے لگی تھی۔ جب خیال آتا — سوچتی، مسکراتی، روتی، تڑپتی اور سہم جاتی۔ یہ نفرت تھی یا محبت! وہ سوچتے سوچتے تھک جاتی، اور پھر سوچنا چھوڑ دیتی۔

تاتار کو دیکھنے — اس سے اچانک ملنے کی ناکام کوشش سے تھک جانے کے بعد وہ آدرنہ کے بازاروں اور گلیوں کی چہل پہل سے نکل کر سڑکوں پر نکل آئی تھی — ظاہری طور پر اُس نے سانتا میرینا لوٹ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مگر اس کے قدم غیر ارادی طور پر کسی اور طرف اُٹھ رہے تھے۔ وہ اُفق تک پھیلی ہوئی سڑکوں کے سکوت اور طوالت سے گھبرا کر بازار کے ہنگاموں میں اطمینان ڈھونڈنے آ جاتی، اور بازار کے ہنگاموں سے تھک کر پھر سڑکوں پر گھومنے لگتی — اُسے کس کی تلاش تھی؟ — اُس کا کیا کھو گیا تھا؟

اچانک گھوڑوں — کئی گھوڑوں کی ٹاپوں نے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ تھیوڈورا نے مڑ کر دیکھا، ایک ایسی بگھی اُڑتی ہوئی چلی آ رہی تھی جس کی مثال نہ تو ہنگری میں تھی، نہ قسطنطنیہ میں — اُس کے آگے آٹھ یک رنگے گھوڑے جُتے ہوئے تھے، جن کے سازوں کی چمک نے عجیب سماں پیدا کر دیا تھا۔ بگھی پر حریر و دیبا کے پردے لٹک رہے تھے۔ تھیوڈورا سوچنے لگی۔ یہ سلطان کی بگھی ہوگی۔ وہ رُک گئی۔ شاید اُسے

سلطان نظر آجائے۔ وہ ورنا کے فاتح کو دیکھنے کے لئے ترس رہی تھی۔ بگھی ہوا کی طرح اُس کے قریب سے گزر گئی۔ وہ سوچنے لگی۔ اگر اس میں سلطان سوار ہوتا تو لوگ اس کے سامنے جُھک جُھک گئے ہوتے۔ سلطان آخر رعایا سے چُھپ کر کیوں گزر جاتا ؟ شاید یہ کسی امیر یا وزیر کی بگھی ہو!

اُس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ پہلے تو اُس کی توجہ صرف بگھی پر مرکوز تھی اور اُسے تاتار کی نسبت سُلطان کو دیکھنے کا زیادہ شوق تھا۔ اچانک اُسے تاتار نظر آ گیا جو شاید اُسے دیکھ کر بھیڑ میں چُھپ جانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا ــــ لیکن نہ جانے کیوں وہ تھیوڈورا کی نظروں سے اوجھل نہ ہو سکا۔ دونوں بے اختیاری کے عالم میں ایک دوسرے کی طرف بڑھنے لگے۔ تھیوڈورا زیادہ دیر صبر نہ کر سکی، وہ ابھی تاتار سے دُور ہی تھی کہ چِلائی:۔

"تاتار!"

تاتار تیزی سے اس کے قریب پہنچا۔ جُھکا اور کہا:۔

"نوا ــــ"

مگر وہ نواب زادی کہتے کہتے رُک گیا۔ اِس کے اردگرد ہزاروں آدمی آ جا رہے تھے۔ وہ تھیوڈورا کا نام نہ لے سکا، اور خاموشی کے ساتھ اُس کے سامنے جُھک گیا۔

تھیوڈورا سوچنے لگی: عرسطوس کے اندیشے بالکل غلط تھے۔ تاتار اُسے نقصان پہنچا کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ وہ یہ معلوم کر کے خوش ہو گئی کہ تاتار پر اُس کے حُسن کا جادُو ابھی تک قائم ہے۔ تاتار جُھکا ہوا مسکرا رہا تھا۔ اُس کے جُھکنے کا انداز کتنا پیارا تھا۔ اب اُس نے عورتوں کے سامنے جُھکنا بھی سیکھ لیا تھا ــــ تاتار بدل چکا تھا۔ تھیوڈورا کا دل ڈوبنے لگا۔ تاتار نے اُسے سہارا دینے کے لئے اپنا ہاتھ پیش کیا۔ جسے اُس نے تھام لیا، اور دونوں سڑک کے کنارے پہنچ کر کھڑے ہو گئے۔ دونوں خاموش تھے۔

تھیوڈورا کو اُس کا اپنا دل ملامت کر رہا تھا۔ اُس نے عرسطوس کی فضول باتوں کو

خواہ مخواہ اہمیت دی تھی۔

اِدھر تاتار تھیوڈورا سے یوں غیر متوقع ملاقات کے لئے تیار نہ تھا۔ اُس نے پہلی بار تھیوڈورا کو اس وقت دیکھا تھا، جب وہ عزیلیوس سے رخصت لے کر باہر نکلی تھی ــــ تاتار نے آج سے بہت عرصہ پہلے عزیلیوس کو سانتا میرینا سے نکلتے دیکھا تھا۔ مگر چونکہ رات تھی، وہ اُسے پہچان نہ سکا۔ اُسے یقین تھا کہ تھیوڈورا سے تنہائی میں پہلی ملاقات کرنے والا شخص یورپ کا ایجنٹ ہے، جو آدرنہ میں "چراغ تلے اندھیرا" کا مصداق بنا ہوا ہے۔

اُس نے جب تھیوڈورا کو آدرنہ کے کوچہ و بازار میں بے مقصد پھرتے دیکھا تو یہی سمجھا کہ وہ اس ایجنٹ سے ملنے آئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ چوری چوری اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ وہ اس ایجنٹ کو دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کا مکان دیکھنا چاہتا تھا، مگر اب تھیوڈورا اُسے دیکھ چکی تھی۔ اس لئے مجبوراً وہ اُس کے پاس آگیا۔ دونوں اپنے اپنے دل کا چور چھپائے ہوئے تھے۔ دونوں ندامت کے احساس میں ڈوبے جا رہے تھے۔

تاتار نے محسوس کیا کہ ہر آنے جانے والے کی نظریں اُن پر اُٹھ جاتی ہیں، یوں شارعِ عام پر ایک دوسرے کے سامنے خاموش کھڑے رہنا ٹھیک نہ تھا۔ اُس نے تھیوڈورا کو باتوں میں لگاتے ہوئے کہا:۔

"آدرنہ کی سیر ہو رہی ہے؟"

"ہرگز نہیں! میں تمہیں دیکھنے آئی تھی۔"

تاتار بجھ سا گیا۔ تھیوڈورا اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ پر رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر اُس کی آواز بالکل کھوکھلی تھی۔ جس کا احساس اُسے خود بھی ہو گیا تھا۔ کیونکہ بات پوری کرتے ہی اُس کی آنکھیں جھک گئیں۔ تاتار نے کہا:۔

"آپ مجھے کہاں دیکھنے آئی ہیں؟"

"میرے آدرنہ آنے کا یہی مقصد ہے"۔

"مَیں تو شہر سے بہت دُور نئی چھاؤنی میں رہتا ہوں"۔

"کچھ بھی ہو۔ مگر دیکھو۔ میں نے تمہیں آخر ڈھونڈ ہی لیا نا؟"

"تھیوڈورا!" تاتار نے بالکل سرگوشی کے سے انداز میں اُس کا نام لیا "اگر تم واقعی مجھ سے ملنے آئی ہو، تو پھر چلو۔ مَیں جہاں رہتا ہُوں وہاں اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کریں گے"!

تاتار کا یہ خیال تھا کہ تھیوڈورا اُس سے جان چھڑانے اور عرسطیوس سے ملنے کے لئے کوئی معقول عذر پیش کرے گی۔ مگر تھیوڈورا نے اُس کی توقع کے بالکل خلاف کہا:۔

"نہیں! اس وقت مجھے سانتا میرینا لوٹ جانا چاہیئے۔ مَیں پھر کسی دن آؤں گی، تو وہ جگہ ضرور دیکھوں گی جہاں تم رہتے ہو۔ اس وقت اگر تم چاہو تو سانتا میرینا تک میرا ساتھ دے سکتے ہو"۔

تاتار تھیوڈورا کی بات سُن کر حیران رہ گیا۔ وہ واقعی واپس جا رہی تھی۔ تو کیا وہ اس ایجنٹ سے ملنے نہیں آئی؟ شاید وہ اس سے مُلاقات کر چکی ہو۔ بہرحال وہ آہستہ آہستہ سب کچھ معلُوم کر لے گا۔ اس وقت تھیوڈورا کے ساتھ جانا غنیمت تھا۔ چنانچہ دونوں آہستہ آہستہ سانتا میرینا کی طرف چلنے لگے۔

○

تاتار تھیوڈورا سے اور تھیوڈورا تاتار سے سب کچھ معلوم کر لینا چاہتی تھی ــــ وہ تاتار کو سوال کرنے کی مُہلت ہی نہ دیتی۔ تاتار سمجھ رہا تھا کہ تھیوڈورا اُس سے کوئی راز چھُپا رہی ہے اور وہ اِس قدر بے صبر نہ تھا کہ تھیوڈورا کو خواہ مخواہ اپنے متعلق شک میں ڈال دیتا۔ اُسے یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ یہ راز معلوم کرنے میں کامیاب ہو ہی جائے گا۔

دونوں اس وقت سڑک کے کنارے ایک ایسے چھوٹے سے ہوٹل کے سامنے سے گزر رہے تھے جس میں اُبلتے ہوئے پانی سے بھرے ہوئے سماوار چمک رہے تھے، اور قہوے کی مہک سارے ماحول میں رچی بسی تھی۔ تاتار نے تھیوڈورا کا ہاتھ تھام کر کہا:۔

"چلو! تمہیں ترکی قہوہ پلاؤں۔"

تھیوڈورا تاتار کی اس بے تکلّفی پر حیران تھی۔ واقعی وہ اب پہلا تاتار نہ تھا — ترک فوج میں شامل ہونے کے بعد اُس کی دُنیا ہی بدل گئی تھی۔

دونوں ہوٹل میں داخل ہو گئے۔ تاتار نے قہوے کی فرمائش کی۔ اور وہ ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ تھیوڈورا نے کہا:۔

"کہو اب تمہاری فوجی زندگی کیسے گزر رہی ہے؟"

"نہ صرف اچھی — بلکہ شاید تمہاری توقعات سے بھی کہیں بہتر!"

"شروع شروع میں تو بڑی سختی ہوتی ہوگی؟"

"میری ابتدائی تربیت کا دَور گزر چکا۔" تاتار نے بڑے فخر سے کہا۔ "تمہیں شاید یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ مَیں نے ایک سال کا نصاب صرف تین مہینوں میں ختم کیا۔ نہ صرف ختم کیا، بلکہ کامیابی سے مکمّل کیا۔ مَیں نے وہ اعزاز حاصل کر لیا ہے جو شاید ترک فوج کی ساری تاریخ میں یادگار رہے گا۔"

"وہ کیا؟"

"مَیں تین ہزار سپاہیوں میں سب سے اوّل درجے پر رہا۔"

"کِس چیز میں؟"

"بھئی ابتدائی تربیت میں — تیر، تلوار، نیزے بازی، کمند اور سواری کے علاوہ اور کیا ہوتا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے تم ان سب چیزوں میں تین ہزار سپاہیوں پر سبقت لے گئے؟"

"صاف ظاہر ہے، میں نے غلطی کی۔ اگر توپ سے ذرا بھی واقفیت حاصل کر لی ہوتی، تو اس میں بھی سب سے اوّل رہتا۔"

"کیوں بنتے ہو؟" تھیوڈورا نے اُسے چھیڑتے ہوئے کہا۔ "جیسے میں نے یہ چیزیں یا ان کے کرتب کبھی دیکھے ہی نہیں۔ کسی ایک فن میں اوّل آتے تو مان بھی لیتی۔"

ہوٹل والا قہوہ لے کر آ گیا۔ تھیوڈورا نے پیالیوں میں ڈالا اور جب ہوٹل کا ملازم واپس چلا گیا، تو اُس نے کہا:۔

"اگر تم واقعی اوّل آئے تو پھر تمہیں انعام بھی ملا ہو گا؟"

"اوہ! وہ تو تم نے اب تک سُنا ہی نہیں ۔۔۔ اِسی انعام کو تو میں ترکوں کی فوجی تاریخ کا سب سے بڑا اعزاز کہہ رہا ہوں۔"

"وہ کیا ۔۔۔؟ تمہیں کون سے عثمانی صوبے کی گورنری مل گئی؟"

"جی ہاں! اس اعزاز کے مقابلے میں تو سارے یورپ کی حکومت ہیچ ہے۔"

تھیوڈورا نے پیالی ہاتھ سے رکھ دی ۔۔۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اُس نے تاتار کو دیکھا، جس کی آنکھیں صبح کے تارے کی طرح روشن تھیں۔ وہ کہہ رہا تھا:۔

"یہ انعام خود سلطانِ معظم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے تقسیم کئے تھے اور جب میں اِسے لینے کے لئے آگے بڑھا، تو اُنہوں نے مجھ سے ہاتھ ملایا، شاباش دی، اور انعام دیتے وقت کہا:۔

"ہم نے تم ایسے سپاہیوں سے کئی توقعات وابستہ کر لی ہیں ۔۔۔ اگر تم ان پر پُورے نہ اُترے تو یہ نہ صرف تمہاری بلکہ ہماری بھی بدقسمتی ہو گی۔"

تھیوڈورا نے اپنی حیرت چھپانے کے لئے جلدی سے کہا:۔

"تو گویا تم نے سلطان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟ سلطانِ معظم سے ہاتھ بھی ملایا ہے؟"

"ہاں! ہاں — ! میں نے اُن سے باتیں بھی کیں۔"

"تاج تھا اُن کے سر پہ؟"

"تاج — ؟" تاتار کی نظریں تیزی سے تھیوڈورا کا چہرہ ٹٹولنے لگیں۔ "نہیں! ہاں! تم اُسے تاج کہہ سکتی ہو۔ مگر ایسا تاج نہیں جس کی طرف ہاتھ اُٹھ سکیں — بلکہ ایسا تاج جس کے سامنے بہادر سے بہادر نوجوان بھی جھک جاتے ہیں۔ دل جھک جاتے ہیں۔ رُوحیں سجدہ کرنے لگتی ہیں!"

تھیوڈورا چائے ختم کرتے ہی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ اب تاتار کے سامنے بیٹھنے کے قابل نہ تھی۔ اُس نے کہا:۔

"تاتار چلو۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔"

"چلو — چلو!" تاتار نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "غم نہ کرو۔ میں سانتا میرینا تک تمہارا ساتھ دوں گا۔"

تھیوڈورا نے اب تاتار سے کوئی اور سوال پوچھنے کی جرأت نہ کی۔ مگر تاتار اپنے آپ کہہ رہا تھا: "میں افسروں کی تربیت گاہ میں بھیج دیا گیا ہوں۔ مجھے نیزہ باز سوار اور تیر انداز پیادے کی نسبت توپ خانے کی خدمت پسند آئی ہے۔ اگر میں کامیاب ہو گیا تو براہِ راست اس توپ خانے کی کمان سنبھال لوں گا، جو اب تیزی سے تیار ہو رہا ہے۔"

"اس کام کے لیے تمہیں کتنا عرصہ تربیت لینی پڑے گی؟"

"اوہ! اس میں بہت عرصہ لگے گا۔ کاش! مجھے توپ سے تھوڑی بہت واقفیت ہوتی تو یہ عرصہ بہت ہی مختصر ہو جاتا۔"

تھیوڈورا سانتا میرینا کے پہلے پُل پر پہنچ کر رُک گئی۔ اور پوچھا:۔

"پھر بھی تمہارے اِس کام میں کتنا عرصہ لگ جائے گا؟"

"لوگ تو تین سال کہتے ہیں۔"

"اور تمہارا کیا خیال ہے؟" تھیوڈورا کی نظریں سانتا میرینا کے اُونچے مینار پر بنی ہوئی صلیب پر پڑ چکی تھیں۔

"غالباً دو سال — بلکہ اس سے بھی کم۔"

"تو گویا تم دو سال سے بھی کم عرصے میں بہت بڑے افسر بن جاؤ گے۔ تاتار — مجھے بھول تو نہ جاؤ گے؟"

تاتار نے تھیوڈورا کو دیکھا اور پھر اپنے سامنے سانتا میرینا کے میدان کو۔ جس کے عقب میں کلیسا اور اُس کا مینار سر نکال رہا تھا۔ وہ باتوں باتوں میں کہاں آ گیا تھا۔ اُس نے تھیوڈورا کو دیکھا اور کہا — "بلکہ یوں کہو کہ تم — مجھے بھول تو نہ جاؤ گی؟"

تھیوڈورا نے کوئی جواب نہ دیا۔ شام کے دُھندلکے فضا میں رینگ رہے تھے۔ اس نے تھیوڈورا کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لئے اور کہا:۔

"تھیوڈورا جواب دو۔ تم خاموش کیوں ہو؟"

"اپنے دل سے پُوچھو۔"

"ضرور پُوچھوں گا۔ اب یہ بتاؤ کہ کب آ رہی ہو؟"

"سینچر — نہیں نہیں،" تھیوڈورا کی آواز لرزنے لگی۔ "اتوار کے دن۔"

"اور میں تمہارا کس جگہ انتظار کروں؟"

"اسی ہوٹل میں جہاں تم نے مجھے ترکی قہوہ پلایا ہے۔"

"کس وقت؟"

"پچھلے پہر۔"

"یاد رکھنا!"

"تم بھی یاد رکھنا۔"

"تو پھر اتوار کے پچھلے پہر تک خدا حافظ۔"

"خدا حافظ!"

تھوڑی دور اسانتا میرینا کی بل کھاتی ہوئی سڑک پہ تاتار کی نظروں سے دور ہوتی چلی گئی۔ اور وہ اُسے پُل کے اُوپر کھڑا ہو کر دیکھتا رہا، حتیٰ کہ شام کے دُھندلکوں میں وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

تیرھواں باب

سکندر مقدونی

جب ورنا کا فاتح ــــ سلطان مُرادؔ تین دن کی مختصر علالت کے بعد شاہی محل میں بستر پر پڑا دم توڑ رہا تھا ــــ اس کا جواں سال بیٹا سلطان محمد اس وقت ہنگری کے ایک ایسے مسیحی انجینئر کو شرفِ ملاقات بخش رہا تھا جس نے ایک نئی توپ کا خاکہ تیار کیا تھا ــــ جسے عملی جامہ پہنانے کے لئے روپے کی ضرورت تھی اور یورپ کے بادشاہ یہ روپیہ خرچ کرنے کو تیار نہ تھے۔

اس انجینئر ــــ لاکو بتش کو ایک دوست نے آدرنہ کے دربار کا راستہ دکھایا تھا کیونکہ اس وقت مغرب و مشرق میں علوم و فنون کے فیاض قدردان صرف ترک ہی تھے۔

سلطان مراد کو یقین تھا کہ سلطان محمد نے اپنے باپ دادا کے تلخ ترین تجربوں کی روشنی میں آدرنہ کے تخت پر بیٹھتے ہی قسطنطنیہ کی تسخیر کے منصوبے تیار کرنے شروع کر دئے تھے ــــ بلکہ یہ ایک ایسی دیرینہ حسرت تھی جسے بایزید یلدرم اپنے سینے

سے لگائے عدم آباد کو روانہ ہو چکا تھا۔ اور دم توڑنے والا سلطان بھی کبھی اپنی اس حسرت کو نظر انداز نہ کر سکا۔

جب وہ آخری ہچکیاں لے رہا تھا ـــــ چند مشیروں نے سلطان محمدؔ کو طلب کرنے کا مشورہ دیا۔ مگر اس وقت سلطانِ وقت جس ضروری کام میں مصروف تھا، مرنے والے کو اس کی نزاکت و اہمیت کا صحیح احساس تھا۔ اُس نے جواب دیا:۔

''سلطان کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ تم نہیں جانتے ہیں اُسے جو آخری وصیّت کرنے والا ہوں، وہ ابھی سے اُس کی تکمیل کے لئے راستہ ہموار کر رہا ہے''۔
یہ کہہ کر اُس نے باسفورس اور مارمورا کے سمندروں کا نقشہ طلب کیا، جن کے درمیان قسطنطنیہ آباد تھا ـــــ اُس نے حکم دیا کہ اس سارے خطّے کو سُرخ رنگ دیا جائے۔
مشرقی سلطنت کے مسیحی دارالحکومت کی تسخیر کے لئے بایزید یلدرم نے سمندر کے کنارے پر جو دو بُرج تعمیر کئے تھے۔ مُراد نے اُن کے ساتھ دو اور بُرج بھی بنائے تھے ـــــ وہ چاہتا تھا کہ نوجوان سلطان قسطنطنیہ کے محاصرے سے پہلے ان چار بُرجوں کے درمیان مناسب مقامات پر دو اور بُرج کھڑے کر دے ـــــ اور اُس نے ان موزوں مقامات پر نشان لگوا دیئے۔

اور جب اُس کی مرضی کے مُطابق نقشے میں ترمیم واضافے کا کام ختم ہو گیا، تو اُس نے نقشہ غور سے دیکھا اور مسکرایا ـــــ قسطنطنیہ اُس کے ہاتھ میں تھا ـــــ دونوں سمندر اُس کے ہاتھ میں تھے۔

اُس نے نقشہ پھیلایا اور اپنے منہ کے قریب کیا۔ اب اُس کی آنکھیں بند ہونے لگیں ـــــ کھُلا ہُوا نقشہ اُس کے سرد سینے پر گر گیا اور اس طرح ورنا کے فاتح کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

جب سلطان نے لاکو بیش کو اپنے دار المطالعے میں چھوڑ کر سلطان مُراد کی خواب گاہ کا رُخ کیا۔

اِس وقت قسطنطنیہ اور بلغراد کا محاصرہ کرنے والا شیر ہمیشہ کے لیئے خاموش ہو چکا تھا۔

اُسے یوں محسُوس ہُوا گویا لاکو بیش کسی سازش کے ماتحت آدرنہ بھیجا گیا تھا، اور اس سازش کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ آخری وقت میں اپنے باپ کی وصیت سے محروم ہو جائے۔

اُسے لاکو بیش اور اُس کا خاکہ اِس پھن پھیلائے ہوئے سانپ کی طرح نظر آنے لگا۔ جس نے اُس کی آنکھوں کے سامنے سلطان مُراد کو ڈس لیا تھا۔

وہ اندر داخل ہُوا۔ شاہی طبیب، مشیر اور دوسرے سب لوگ سلطان مراد کی طرح خاموش تھے۔ وہ اپنے باپ کے سرہانے پہنچ کر رُک گیا۔ اُس کے سینے پر پھیلے ہوئے نقشے کا کونا سلطان مُراد کے منہ تک آ گیا تھا۔ اُس نے نقشہ اُٹھایا ـــــ قسطنطنیہ اُسے مُراد کے خوُن میں تر نظر آیا، اور جب اُس کی نظر چار بُرجوں کے درمیان دو نئے نشانوں پر پڑی تو اُس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی ـــــ وہ اپنے باپ کی آخری وصیت پڑھنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

سلطان محمّد کے حکم پر تجہیز و تکفین کی تیاریاں شروع ہو گئیں ـــــ مرحوم کی خواہش تھی کہ اُسے بروسہ میں اپنے باپ کی قبر کے نزدیک اس مسجد کے سائے میں دفن کیا جائے جہاں اُس نے گوشہ نشینی کے کچھ ایام گزارے تھے۔

مرحوم سلطان کا جنازہ یورپ سے ایشیا میں اس طرح لایا گیا، جیسے وہ زندہ ہے ـــــ سلطان مُراد کی موت کو چھُپانے کی کوشش کی گئی تھی ـــــ

اور جب سلطان محمد گیلی پولی سے اِس جہاز میں سوار ہُوا، جس میں سُلطان مُراد کی لاش

ایشیا لے جائی جارہی تھی۔ تو اُس نے عہد کر لیا تھا کہ اگر وہ اپنے باپ کو دفن کرنے کے بعد دوبارہ اَدرنہ پہنچ سکا تو ــــ اس کا سب سے پہلا کام قسطنطنیہ کا محاصرہ ہو گا۔

○

شہری حکام نے اگرچہ بیحد کوشش کی تھی کہ سلطان مراد کی موت سے عثمانی سلطنت پر رنج و غم کا جو پہاڑ ٹوٹا ہے، آدرنہ کی شہری زندگی پر اس کا سایہ نہ پڑے، مگر اتنے بڑے سانحے کو چھپانا کسی کے بس کی بات نہ تھی ــــ جب اُفق پر روشنی اور تاریکی کا باہمی کھیل شروع ہوتا ہے تو اندھا بھی دن اور رات کا فرق محسوس کر لیتا ہے۔

آدرنہ میں عرلطیوس کے ساتھ مشرقی کلیسا کی ایک پوری جماعت کام کر رہی تھی، جس میں تھیوڈورا کی پُر اسرار خدمات نے نئی رُوح پھونک دی تھی، اور ــــ بوڑھے زمانہ ساز، مصلحت اندیش قیصر مینوئل کی جگہ نوجوان قیصر پیلیولوگس اور جولین کے دلی تعصب ــــ مذہبی جنون نے اِس مکروہ تحریک کو عروج پر پہنچا دیا تھا۔

سانا میریا سے قسطنطنیہ تک خانقاہوں کا جال پھیلا ہُوا تھا جو اگرچہ ظاہری طور پر عبادت گاہیں تھیں، جن میں مسیحی درویش اور ولی دفن تھے۔ مگر حقیقت میں یہ جنگی چوکیاں تھیں جہاں راہبوں کے نام پر برق رفتار تازہ دم گھوڑے ہر وقت تیار رہا کرتے تھے تاکہ قاصدوں کو آدرنہ سے قسطنطنیہ اور قسطنطنیہ سے آدرنہ تک خفیہ ہدایات بھیجنے میں ذرا دیر نہ لگے۔

ترکوں کی رواداری اور ترک سلاطین کی فیاضی نے ان خانقاہوں میں سازشی راہبوں کے ہاتھ اور زیادہ مضبوط کر دیئے تھے ــــ ترکوں کی سرحدوں تک جس قدر خانقاہیں تھیں۔ ان میں موجود راہبوں اور راہبات کے اخراجات کے لئے سرکاری طور پر زمینیں وقف تھیں۔ اور اُن کی آمدنی سے ترکوں کے خلاف جاسوسی کرنے والے راہب

بڑے اطمینان کے ساتھ سلطنت کی بنیادیں کھوکھلی کرنے میں مصروف تھے۔

جب سلطان محمد اپنے باپ کو سپردِ خاک کرنے کے بعد تیزی سے آدرنہ واپس آیا تو اُسے اِطلاع ملی کہ یونانی سپاہ قسطنطنیہ سے باہر نکل کر مارمورا اور باسفورس کے کناروں پر ان برُجوں کو گرانے کی تیاریاں کر رہی ہے جنہیں سلطان بایزید یلدرم اور سلطان مُراد نے قسطنطنیہ پر محاصرے کے دوران میں تعمیر کرایا تھا۔

سلطان محمد کو یقین تھا کہ اس کے باپ کی آنکھیں بند ہوتے ہی دشمن چاروں طرف سے اس پر ٹوٹ پڑیں گے اور وہ اِس خطرے سے نمٹنے کے لئے پوری طرح تیار تھا ــــ وہ بردسہ میں نہ صرف اپنے باپ کو دفن کر رہا تھا، بلکہ اپنے دشمنوں کے لئے قبر کا نقشہ بھی تیار کر رہا تھا۔

اُس نے تازہ دم قیصر کی سازش سے آگاہ ہو کر فوری طور پر فوج کا ایک دستہ قسطنطنیہ کی طرف روانہ کر دیا ــــ جسے ہدایات دی گئیں کہ وہ باسفورس اور مارمورا کے ساحل کو اس یونانی سپاہ سے صاف کر دے جو یہاں بنے ہوئے بُرج مسمار کرنے کے خواب دیکھ رہی ہے۔

یہ دستہ باجوں گاجوں کے ساتھ رخصت ہوا تھا اور لوگ یہ سمجھنے لگے کہ دشمن کے خلاف فوجوں کو حرکت میں لانے کے اعتبار سے نوعمر سلطان اپنے اسلاف سے کسی طرح کم نہیں۔

مگر سلطان کے دل میں کچھ اور تھا ــــ جب آدھی رات کے وقت اُس کا ہر دوست اور دشمن خوابِ راحت کے مزے لے رہا تھا۔ سلطان اپنی جدید تعمیر کردہ چھاؤنی میں اس سپاہ کو قسطنطنیہ کی طرف خاموشی کے ساتھ رخصت کر رہا تھا۔ جس نے نہ صرف جنگ کی جدید تربیت حاصل کی تھی، بلکہ جو بالکل نئے ترقی یافتہ قسم کے اسلحہ سے لیس تھی۔

سلطان نے اس فوج کا نام "طوفانی فوج" رکھا تھا، جو واقعی آدرنہ کی جدید چھاؤنی سے طوفان کی طرح موج در موج قسطنطنیہ کی طرف بڑھ رہی تھی ۔۔۔

اس فوج کے سالار کو واضح طور پر یہ ہدایات دی گئی تھیں کہ ۔۔۔ مرحوم سلطان مُراد نے قسطنطنیہ کے نقشے میں پُرانے چار بُرجوں کے عین وسط میں جو نئے نشان لگائے تھے ۔۔۔ وہاں دو بلند اور مضبوط بُرج تعمیر کرے، اگر دشمن کی قوّت زیادہ محسوس ہو، اور پہلا مدافعتی دستہ اُس کی روک تھام نہ کر سکے تو یہ فوج اُس کا ہاتھ بٹائے ۔۔۔ دن کو دشمن کا مقابلہ کیا جائے اور رات کو تعمیر کا کام جاری رہے۔ دشمن کو نہ صرف پُرانے بُرجوں کی تباہی سے روکا جائے بلکہ اس کی شدید ترین مزاحمت کے باوجود نئے بُرج تعمیر کئے جائیں۔

سلطان کو اپنے باپ کی وصیت کے احترام کا اتنا خیال تھا کہ اُس نے سالار سے مصافحہ کرتے وقت کہا :۔

"میں یہ بُرج تیار دیکھنا چاہتا ہُوں ۔۔۔ خواہ یہ چُونے اور پتھروں کی جگہ ترکوں کے خوُن اور لاشوں سے ہی کیوں نہ استوار ہوں"

○

ان تُرک دستوں نے ماہورا اور باسفورس کے ساحلوں پر پہنچ کر یہ ثابت کر دیا کہ اُنہیں احکام دینے سے پہلے سوچنا سمجھنا محض سلطان کا کام تھا۔ البتّہ ان احکام کو عمل میں لانا سپاہیوں کا فرض ہے۔

رومیوں نے جب شروع شروع میں ان دو چھوٹے سے دستوں کو سمندروں کے کنارے جمع ہوتے دیکھا تو خوش ہو گئے ۔۔۔ ترکوں کے تعمیر کئے ہوئے بُرجوں کے ساتھ ساتھ اُنہیں کچھ ترکوں کو بھی ہلاک کرنے کا موقع ملا تھا۔ مگر جب دونوں لشکر ایک دوسرے

کے مقابلے پر آئے تو قیصر کی سپاہ کو معلوم ہو گیا کہ وہ ترکوں کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔ صرف ایک ہی دستے نے اُنہیں مار مار کر قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے پہنچا دیا اور دوسرا دستہ نئے بُرج تعمیر کرنے لگا۔

جب قیصر کو معلوم ہوا کہ وہ جن چار بُرجوں کو مسمار کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا، انہیں محفوظ رکھنے کے لئے دو اور نئے بُرجوں کی بنیادیں بھی ساحل پر اُبھر رہی ہیں، تو اُس نے پُوری قوت کے ساتھ ترکوں کے اس نئے منصوبے کی راہ میں روڑے اٹکانے شروع کر دیئے ــــ سلطان محمد بھی غافل نہ تھا۔ جیسے جیسے دشمن کی مزاحمت بڑھتی گئی، ترکوں کی تعداد میں اُتنا ہی اضافہ ہوتا گیا ــــ اور یہ بُرج بتدریج زمین کے سینے پر بلند ہوتے چلے گئے۔

قیصر سوچنے لگا۔ ناتجربہ کار سلطان آخر ان بُرجوں کی تعمیر پر اس قدر قوت کیوں ضائع کر رہا ہے؟ وہ خود اپنے سپاہی کیوں مروا رہا ہے؟ ــــ جہاں پہلے چار بُرج موجود تھے۔ ان کی موجودگی سے قسطنطنیہ کو کیا نقصان پہنچا؟ اور اب اگر یہ چار سے بڑھ کر چھ ہو گئے تو قسطنطنیہ کا کیا بگڑ جائے گا؟ وہ پہروں قسطنطنیہ کی فصیل کے فلک بوس مناروں پر کھڑا ہو کر ان بُرجوں کی تعمیر کے کام کی رفتار دیکھتا، سوچتا۔ مگر سمجھ نہ سکتا۔

اس نے ایک دن جولین کو مشورے کے لئے بُلایا ــــ جولین دیکھ رہا تھا کہ اب سلطان کی توجہ قسطنطنیہ کی طرف مرکوز ہو چکی ہے۔ اور جب تک قسطنطینِ اعظم کے آباد کئے ہوئے اس شہر پر ترک پرچم نصب نہ ہو جائے، اس وقت تک ترک چین سے نہ بیٹھیں گے۔ دونوں سر جوڑ کر مشورہ کرنے لگے۔

قیصر مینوئل کی زندگی میں جولین کے مذہبی اقتدار و وقار کو دیمک لگ چکی تھی ــــ وہ قسطنطنیہ ہی اس طرح پھنسا تھا کہ نہ یہاں سے نکل سکتا تھا اور نہ آزادی سے یہاں رہ سکتا تھا، مگر مینوئل کی موت سے جولین کی زندگی ہی بدل گئی۔ وہ اب کارڈینل تھا، وہ

پیلیولوگس کو مشورہ دے سکتا تھا اور پیلیولوگس اُسے سُننے پر مجبُور تھا۔ اُس نے طویل سوچ بچار کے بعد قیصر سے خطاب کرتے ہوئے کہا :-

"مجھے اپنے اس جھگڑے میں ثالث کی حیثیت سے کام کرنے دو۔ میں سلطان محمد کے پاس ایک وفد بھیجتا ہوں اور اُسے کہتا ہوں کہ :- ادھر قیصر مینوئل کی آنکھیں بند ہوئیں اور اُدھر سلطان مُراد کی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ معاہدہ ہی ختم ہو گیا جو مرحومین کے درمیان آخری وقت تک برقرار تھا۔ اُس کی آنکھیں بند ہوتے ہی تمہیں اپنے باپ کے دوست سے آنکھیں بدل لینا زیب نہیں دیتا۔ قیصر کی سپاہ ان بُرجوں کو ڈھانے کے لئے قسطنطنیہ سے باہر نہیں نکلی بلکہ ہر سال وہ ایک طے شدہ منصوبے کے ماتحت قسطنطنیہ کے مضافات میں جنگی مشقوں کے لئے سمندروں کے کنارے پر آجاتی ہے۔ اس سال بھی یہی ہوا۔ ہوسکتا ہے بعض بیوقوف رومیوں نے کوئی ایسا قدم اُٹھایا ہو، جس سے ترک بُرجوں میں مقیم دستوں کے سالار کو شک ہو گیا۔ نوجوان قیصر یقین دلاتا ہے کہ آئندہ اِس قسم کے شکوک پیدا ہونے کے مواقع نہ دیئے جائیں گے، اور دونوں ملکوں میں اگر کبھی کوئی سیاسی اختلاف پیدا ہوا تو اُسے قدیم دوستانہ ماحول میں باہمی بات چیت کے ذریعے ختم کیا جائے گا۔"

قیصر کو بھلا اس سے کیا اِنکار ہو سکتا تھا۔ اور جولین وفد بھیجنے کی تیاریاں کرنے لگا۔

O

جب یہ وفد آدرنہ پہنچا ــ سلطان نے اپنے تمام اعلیٰ فوجی اور شہری افسروں کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔

لیکن جب سلطان کو معلوم ہوا کہ یہ وفد خود ـــ قیصر کی طرف سے نہیں بلکہ کارڈینل

جولین کی طرف سے آیا ہے، سلطان کا چہرہ جوش سے سُرخ ہو گیا ـــــ اُس نے کارڈینل جولین کا پیغام سُنا مگر وہ ضبط نہ کر سکا۔ اُس نے کہا:-

"اگر مجھے پہلے سے معلوم ہو جاتا کہ یہ وفد قیصر کی طرف سے نہیں بلکہ کارڈینل جولین کی طرف سے آیا ہے تو میں ہرگز اس سے ملاقات نہ کرتا۔ کیونکہ کارڈینل ہی وہ ہستی ہے جس نے معاہدۂ زیجیدین کی دھجّیاں اُڑائیں ـــــ مگر چونکہ ہم حق پر تھے، اس لئے اللہ نے سارے یورپ کی قوّت کا غرور خاک میں ملا دیا۔

اور ہم اگرچہ فوجی قوّت کے اعتبار سے کمزور تھے۔ مگر ورنا میں ہمیں ایسی شاندار فتح نصیب ہوئی جسے یورپ کی تاریخ فراموش نہ کر سکے گی۔ آپ لوگ جو کچھ کہنے آئے ہیں مجھے معلوم ہے ـــ اگر قیصر مینوئل اور مرحوم سلطان کے درمیان دوستی کا کوئی معاہدہ تھا، تو ورنا کی جنگ نے اُسے ختم کر دیا، اس کے باوجود ہم نوجوان قیصر کی آزادی اور خودمختاری کا لحاظ کرتے رہے۔ اب جبکہ قیصر نے میرے باپ کی آنکھیں بند ہوتے ہی ان بُرجوں کو تباہ کرنے کے لئے فوجی سرگرمی کے ذریعے اس دوستانہ ماحول کو ختم کر دیا، جو کبھی آدرنہ سے قسطنطنیہ تک پھیلا ہُوا تھا، تو اِس میں میرا کوئی قصور نہیں!!

کارڈینل جولین ہمیں یقین دلانا چاہتا ہے کہ رومی سپاہ اپنی سالانہ جنگی مشقوں کے لئے ساحلوں پہ آئی ہے۔ مگر ایسے جھوٹے اور مکّار شخص کی بات کیسے مان لیں جس نے اُس معاہدے کا کوئی لحاظ نہ کیا، جس کی پابندی کے لئے انجیل پر ہاتھ رکھا گیا تھا؟ ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ سلطان مُراد کے بعد دشمن کو یہ موقعہ نہ دیں کہ ہمیں دوبارہ زیجدین قِسم کے دھوکے دے۔ اگر یورپ ورنا کی تباہی اور ذلّت بھُول جائے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن صلیبی مجاہدوں نے ہنگری سے ورنا تک ہمارے سرحدی قلعوں اور بُرجوں میں مقیم بے گناہ سپاہ کو جس بے دردی سے تہِ تیغ کیا، ہم اُسے ساری زندگی فراموش نہ کر سکیں۔ بلقانیو ـــــ اور یونانیو! یاد رکھو ہم نے قسم کھائی ہے کہ آئندہ تم پر اعتبار نہ کریں گے۔

ہم سے جہاں تک ممکن ہو گا، اپنی سرحدوں کو مضبوط بنائیں گے۔ کیونکہ صرف ہماری مضبوط سرحدیں ہی ہمارے گھروں کے امن، ہمارے معصوم بچوں کی زندگی اور ہماری پاک دامن عورتوں کی عزت و عصمت کی ضمانت دے سکتی ہیں۔"

جوش سے سلطان کے منہ سے جھاگ نکل رہا تھا اور وہ کہہ رہا تھا:۔

"میری طرف سے نوخیز قیصر کو بھی یہ پیغام دینا کہ اگر اُسے قسطنطین اعظم کے بسائے ہوئے شہر، صوفیہ ـــــ صوفیہ کے راہبوں اور قسطنطنیہ میں بسنے والے انسانوں کی عزت اور زندگی عزیز ہے تو اس شخص کو قسطنطنیہ سے نکال دے، جس نے ورنا میں یورپ کی متحدہ قوت کو ترکوں کے مقابلے پر میدان میں جھونک کر اُسے کمزور دیا، جس نے ہنگری کو اپنے نوجوان بادشاہ ولاڈی سلاس سے محروم کیا۔ جس نے یورپ کے اُٹھتے ہوئے نوخیز فاتح ہنیاڑی کے شاندار فوجی مستقبل کو تاریک کر دیا۔ اس شخص نے صرف اپنے جسم پر سیاہ لبادہ نہیں اوڑھا، بلکہ جہاں جہاں اُس کے قدم پڑیں گے اُن شہروں کا مستقبل رات کی طرح تاریک ہوتا چلا جائے گا۔ اگر تمہیں امن اور سلامتی کی ضرورت ہے، تو غیر مشروط طور پر قسطنطنیہ ہمارے حوالے کر دو۔ ورنہ جب ایک بار ترک اپنے برق رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کی ناقابلِ تسخیر دیواروں کی طرف بڑھنے لگے تو پھر میں تمہاری جان و مال کے تحفظ کا یقین دلانے سے قاصر ہو جاؤں گا۔ اگر تمہیں مشرقی کلیسا کے مرکز ـــــ ابدی شہر ـــــ قسطنطنیہ کی عظمت کا خیال ہے تو اسے صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہونے سے بچاؤ۔ تم نے ابھی زندگی میں کچھ بھی نہیں دیکھا۔ ناحق پہاڑ سے ٹکرا کر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔"

وفد کے قائد کی حسرتیں دل کی دل ہی میں رہ گئیں۔ اُسے جولین ساری رات سمجھاتا رہا تھا "جب تم یہ کہو گے تو سلطان اُس کا یہ جواب دے گا۔ جس کے جواب میں تم یہ کہنا" ـــــ وہ یہ سمجھتا تھا کہ سلطان پھر اُس کے فریب میں آ جائے گا ـــــ مگر یہاں وفد کو کچھ کہنے کا موقعہ ہی نہ مِلا تھا۔ سلطان کو جو کچھ کہنا تھا، کہہ کر وفد کو رخصت کر دیا، اور

وفد جو منہ لے کر آیا تھا، اُسی منہ کے ساتھ قسطنطنیہ روانہ ہو گیا ۔

O

وفد کی آمد سے آدرنہ میں یونانی ایجنٹوں کی سرگرمیاں تیز ہو گئیں ـــــ جولین نے وفد کی معرفت تھیوڈورا کے پاس ایک سخت تادیبی خط بھی بھیجا تھا، جس میں لکھا تھا:

"نوجوان سلطان محمد کے دارالحکومت میں پہنچ کر نہ جانے تم کہاں کھو گئی ہو؟

"یہ ٹھیک ہے کہ آج آدرنہ کے سلطانی محلات اور ان کے باغات یورپ میں اپنی نظیر آپ ہیں اور ـــــ یہ بھی حقیقت ہے کہ سارے یورپ و ایشیا کی دولت نے عارضی طور پر اسی شہر کو جنّت نظر بنا دیا ہے، مگر ـــــ میں نے تو تمہیں ہنگری اور قسطنطنیہ کے شاہی محلات سے اسی لئے نہیں نکالا کہ ترک دارالحکومت کی نسبت یہ مقامات غیر آباد اور ویران تھے ـــــ تم خود محسوس کر سکتی ہو کہ ہنیاڈی اور نوجوان قیصر ابھی تک تمہاری آرزو میں جی رہے ہیں۔

مگر، یاد رکھو! بعض عورتیں صرف شاہی محلات کے لئے پیدا ہوتی ہیں اور بعض شاہی محلات کی تعمیر کے لئے ـــــ! تخت و تاج بعض عورتوں کو زیب دیتے ہیں اور بعض عورتیں تخت و تاج کو ـــــ!!

یہ بھی نہ بھولیں کہ کسی اور کے لئے بنا ہوا تاج اپنے سر پر رکھ لینا بہت ہی آسان ہے مگر ـــــ اپنے لئے اپنے زورِ بازو سے تاج بنانا بہت مشکل ہے۔

ذرا سوچو! ترکوں کو خوش قسمتی سے بعض ایسی عورتیں میسّر آئیں جنہوں نے عثمان خان، مُراد اوّل، بایزید یلدرم، محمد اوّل اور مراد دوم ایسے تاریخ ساز فرزند پیدا کئے، مگر آج تمہاری قوم کا دامن ایسی عورتوں سے بالکل خالی ہے جو سکندر، قسطنطین اور ہنیاڈی ایسے دلیر انسان دوبارہ پیدا کریں ـــــ اس وقت سارا یورپ زندگی سے مایوس مریض کی طرح حسرت بھری

نظروں سے تمہیں دیکھ رہا ہے۔ سینٹ پیٹر اور صوفیہ کو عظمت و تقدیس بخشنے والی صلیبیں جھک جھک کر فریاد کر رہی ہیں۔ عرش کے کنگروں سے خداوند یسوع مسیحؑ اور کنواری ماں دم بخود ہوکر تمہیں دیکھ رہی ہیں۔ آگے بڑھو اور مسیحیت کی لاج رکھ لو! یقین کرو اگر اس وقت آگ میں کود کر تم نے مسیحیت کو بچا لیا تو جس جگہ باپ، بیٹے اور روح القدس کا نام لکھا جائے گا وہیں تمہارا نام بھی چمکتا ہوا نظر آئے گا۔

یہ مسیحیت کی خوش قسمتی ہے کہ بوڑھا قیصر مر گیا، جسے صرف اپنی حکومت عزیز تھی۔ اور اب قسطنطینِ اعظم کا تخت و تاج ایک تازہ دم، پُرجوش اور نوجوان قیصر کے قبضے میں ہے جسے زندگی نے ابھی تک اپنا غلام نہیں بنایا، وہ ساری یونانی قوم کے ساتھ آگ اور خون کے سمندر میں ڈوبنے اور اُبھرنے کے لئے آمادہ ہے۔ یورپ میں ایک مرتبہ پھر جہاد کا نعرہ بلند ہو چکا ہے۔ جرمنی سے ڈینیوب تک کی مسیحی آبادی اپنی عورتوں اور بچّوں کے ساتھ قسطنطنیہ کھنچی چلی آرہی ہے۔ ہنیاڈی ایک مرتبہ پھر اس قسم کا لشکرِ جرّار جمع کرنے لگا ہے جس کے ساتھ اُس نے ترکوں کو ڈینیوب کے جنوب مشرقی کناروں تک مار بھگایا تھا۔

باور کرو! میں نے یہ وفد سلطان محمد سے دوستانہ گفتگو کے لئے نہیں بھیجا، بلکہ اُس کا مقصد صرف یہ ہے کہ تم اس وفد کے ساتھ سلطانہ ماریہ اور اُس کے کم سن بیٹے کو کسی خوف و خطر کے بغیر قسطنطنیہ بھیج سکتی ہو۔ شاہانہ روایات کے مطابق سلطان محمد سرحدیں پار کرتے وقت وفد کے اراکین کی چھان بین نہ کرے گا۔ اس طرح ماں بیٹا آسانی سے قسطنطنیہ پہنچ جائیں گے۔

ہاں! تم عریطوس پر کبھی بھروسہ نہ کرو۔ وہ اس وقت ترک فوج میں انتہائی ممتاز عہدے پر فائز ہے، اس لئے شاید وہ اپنا روشن مستقبل قربان نہ کر سکے۔ یہ سارا کام تمہیں اپنے ہاتھ سے کرنا ہوگا اور اس میں اب مزید تأخیر

ناقابلِ تلافی نقصان کا سبب بن جائے گی۔

تم دیکھ رہی ہو کہ ترکوں نے قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کے لئے نئے بُرجوں کی تعمیر شروع کر دی ہے۔ جب یہ بُرج تیار ہو جائیں گے تو وہ قسطنطنیہ پر یلغار کر دیں گے ۔۔۔ اس وقت تمہیں آدرنہ سے باہر نکلنے کا بھی موقع نہ ملے گا۔ اس لئے بہتر ہے کہ اپنی جان بھی بچاؤ۔ اور تمہارے ذمے کلیسا نے جو خدمت لگائی ہے، اُسے بھی پورا کرو۔ میری دُعائیں ہر وقت تمہارے ساتھ ہیں۔"

تمہارا دُعاگو جولین

تھیوڈورا کو جب سے جولین کا خط ملا تھا، اُس وقت سے وہ عرلطوس کے پاس جانے کی تیاری میں مصروف تھی۔ وہ سوچتی، یہ خط عرلطوس کو دکھا دیا جائے ۔۔۔ مگر ساتھ ہی جولین نے عرلطوس کے متعلق جن شبہات کا اظہار کیا تھا، وہ ان سے عرلطوس کو آگاہ کرنا بھی نہ چاہتی تھی۔ وہ اسی اُدھیڑ بُن میں تھی کہ اُسے کلیسائی جماعت کے ایک ایجنٹ نے آکر بتایا:۔

"عرلطوس شارع ارطغرل کے یونانی کتب خانے میں آپ کا انتظار کر رہا ہے۔"

تھیوڈورا نے گھبرا کر جولین کا خط اپنے تکیے کے نیچے رکھی ہوئی کتاب میں بند کیا اور فوراً شارع ارطغرل کی طرف روانہ ہو گئی۔

○

نوجوان ترک فوج کے ایک تازہ دم رُکن کی حیثیت سے تاتار کی زندگی ایک مختصر سے وقفے میں سر سے پاؤں تک بالکل بدل چکی تھی۔ بلند ہمت ترکوں کی ایک ایک بات نے صحرائے گوبی کے اس قسمت آزما نوجوان کی کایا پلٹ دی تھی ۔۔۔ وہ زندگی میں پہلی بار قومیت کے شعور سے فیضیاب ہُوا تھا، اور اُس کے دل میں قوم کے لئے جینے اور قوم کے لئے مرنے کا جذبہ جیسے ایک دم عروج پر جا پہنچا تھا۔

ترک قومیت کے جس مقدس جذبے کے امین تھے، اُس نے تاتار کے دل کو موہ لیا تھا۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ جس ملت کے فرد ہنس ہنس کر موت سے کھیلتا جانتے ہوں، وہ قوم ہرگز مر نہیں سکتی بلکہ آخر کار موت ان سے مرعوب ہو کر اُن کی دوستی پر فخر کرنے لگتی ہے۔

وہ تھیوڈورا سے ملنے کے لئے اُس کے مکان پر کئی بار آچکا تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ شروع شروع میں اُسے محبت ہی کا جذبہ یہاں کھینچ لاتا تھا —— اُسے واقعی تھیوڈورا سے محبت تھی۔ ایسی حسین عورت کے حُسن وجمال کی کشش سے کون بچ سکتا ہے!

رفتہ رفتہ تاتار کو تھیوڈورا کے حُسن وجمال کی بجائے ترک قومیت کے مقدس جذبے سے پیار ہونے لگا۔ خدا کی ذات اور اُس کے احکام سے پیار کا جذبہ اُس کے دل میں اُبھرنے لگا۔ اور یہ ایک ایسا عشق تھا جس کے سامنے تھیوڈورا کی جوانی برگِ کاہ کی حیثیت بھی نہ رکھتی تھی —— جس پر وہ تھیوڈورا ایسی کئی ہزار محبتیں قربان کر سکتا تھا۔

آج بھی وہ تھیوڈورا سے صرف اس لئے ملنے آیا تھا کہ —— ایک تو اُس سے یہ معلوم کرے کہ وہ ایسا کون سا کام تھا جو سانتا میریا میں رہنے کی وجہ سے تو پُورا نہ ہو سکتا تھا اور جو اُسے اب آدرنہ لے آیا تھا اور دوسرے وہ عرلیطوس کو دیکھنا چاہتا تھا۔

اُسے یقین تھا کہ آدرنہ میں تھیوڈورا کسی شخص کے اشاروں پر کام کر رہی ہے مگر ابھی تک اُس نے وہ شخص دیکھا نہ تھا —— اگر وہ اس شخص کو دیکھنے میں کامیاب ہو گیا جس نے تھیوڈورا سے پہلی رات سانتا میریا میں مُلاقات کی تھی، تو اُسے یقین تھا کہ وہ سب کچھ معلوم کر لے گا۔

اِس لئے وہ اکثر خاموشی سے تھیوڈورا کے مکان میں داخل ہوتا، وہ —— عام طور پر سائے کی طرح تھیوڈورا کے پیچھے لگا رہتا۔ اور ہر اُس شخص کی ٹوہ میں بھی رہتا جو تھیوڈورا کے ہاں آتا جاتا۔ مگر یہ اور ہی قسم کے لوگ تھے —— ان میں سے ہر ایک شخص عرلیطوس کے اشارے پر کام کر رہا تھا؛

اور وہ اس قدر چالاک شخص تھا کہ ابھی تک تاتار کی نظروں کے سامنے نہ آ سکا تھا، اور تاتار نے بھی قسم کھا رکھی تھی کہ وہ اس شخص کو ضرور دیکھے گا ——— جو آدرنہ میں انتہائی پُر اسرار شخصیت کا حامل ہے۔

○

آج تھیوڈورا کچھ ایسی پریشانی کے عالم میں عرسطوس سے ملنے چلی گئی کہ اپنا مکان بند کرنا بھی بھول گئی ———

تاتار حسبِ معمول دبے پاؤں اندر داخل ہوا۔ مکان کی خاموشی سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ شاید کوئی شخص تھیوڈورا کے پاس بیٹھا تھا، اور تاتار کو غیر متوقع طور پر مکان میں داخل ہوتے دیکھ کر دونوں گھبرا گئے ——— وہ صحن میں آیا۔ چاروں طرف غور سے دیکھا۔ برآمدے میں پہنچا اور پھر تیزی سے کمرے میں داخل ہو گیا، سارا مکان خالی تھا۔ وہ حیران ہو گیا۔

کچھ دیر تو اُس نے تھیوڈورا کا انتظار کیا۔ لیکن جب وہ نہ آئی تو اُس نے تھیوڈورا کو آواز دی ——— شاید دونوں کہیں چھُپ گئے ہوں۔ لیکن کیوں؟ کہیں عرسطوس اس کی گھات میں نہ ہو؟ وہ سنبھل گیا۔ کمر بند میں چھُپا ہُوا پیش قبض ٹٹولا۔ اور واقعات کی رفتار دیکھنے لگا۔ مگر اس مکان میں تھا کون جو اس کی آواز کا جواب دیتا ———

اور جب اُسے قطعی طور پر اطمینان ہو گیا کہ مکان بالکل خالی ہے تو اُس نے کمرے کا بھرپور جائزہ لیا۔ یہ نہایت صاف ستھرا اور قرینے سے سجا ہُوا تھا۔ مگر جس قدر چیزیں تھیں، انتہائی مختصر اور ضروری تھیں۔ البتہ اُسے وہ الماری بُری طرح کھٹکنے لگی جس میں چند خوبصورت جلدوں والی کتابیں رکھی تھیں۔ اُس نے آج تک تھیوڈورا کے پاس نہ کوئی کتاب دیکھی تھی اور نہ ہی تھیوڈورا نے بھی کوئی ایسی بات کی تھی، جس سے اُس کی علمیت یا کتب بینی کا شوق ظاہر ہوتا۔

وہ الماری کے پاس آیا، کتابیں اُٹھائیں ـــــ اُس کی توقع کے عین مطابق وہ سب کی سب یونانی زبان کی کتابیں تھیں اور یہ عجیب بات تھی کہ ہر کتاب پر ایک مخصوص "یونانی کتب خانہ" کی مہر لگی ہوئی تھی۔

وہ جدید حربی مدرسے میں عربی، ترکی اور یونانی زبانیں سیکھ چکا تھا۔ مگر اُس نے آج تک آدرنہ میں کسی ایسے "یونانی کتب خانہ" کا نام نہ پڑھا تھا ـــــ اُس کے دل میں فوراً شُبہ پیدا ہُوا کہ: ان کتابوں کے پردے میں کہیں وہی "یونانی کتب خانہ" تو آدرنہ میں ترکوں کے خلاف سازش کا مرکز نہیں بنا ہُوا؟

یہ خیال آتے ہی اُس نے فیصلہ کر لیا کہ ـــــ سب سے پہلے وہ اُس کتب خانے کا سراغ لگائے گا!

اب اُس نے باری باری ہر ایک کتاب کا ایک ایک ورق دیکھا ـــــ شاید اُسے یہیں سے کچھ اور مفید معلومات حاصل ہوں۔ مگر نہیں۔

وہ الماری سے ہٹا۔ تھیوڈورا کا پلنگ دیوار کے ساتھ بچھا تھا۔ وہ اُس کے قریب آیا، اُس پر بیٹھ گیا۔ تکیہ ہٹایا۔ تپنچے ایک اور کتاب رکھی تھی۔ "سوانح سکندر مقدونی" اور اس کے نیچے لکھا تھا "رُوئے زمین پر حکومت کرنے کا خواب دیکھنے والا پہلا یونانی فاتح"۔ تاتار سوچنے لگا: یلقان کی نواب زادی نے مطالعے کے لئے خوب کتاب تلاش کی ہے ـــــ اُسے بھی سکندر ایسے فوجی سرداروں سے ایک قسم کی عقیدت سی تھی۔ وہ ورق اُلٹنے لگا۔ اچانک اس کی نگاہ جولین کے خط پر پڑی، اور وہ اُسے پڑھنے لگا۔

اور وہ تھیوڈورا کے متعلق جو کچھ معلوم کرنا چاہتا تھا، اُسے وہ سب اس خط کے ذریعے معلوم ہو چکا تھا ـــــ اُسے عرطیوس کا نام بھی معلوم ہو گیا ـــــ اور وہ ترک فوج میں ایک ممتاز عہدے پر فائز ہے۔ اب اُسے صرف اس ممتاز فوجی عہدے دار کی صورت دیکھنی باقی تھی۔

اُس کے دل میں یہ خیال آیا کہ وہ یہ خط نکال کر اپنے قبضے میں لے لے، مگر اس سے کیا ہوگا؟ نہ صرف تھیوڈورا بلکہ عربطوس بھی چوکنا ہو جائے گا ـــ اُس نے خط دوبارہ وہیں رکھ دیا۔ کتاب بند کی اور جس طرح تھیوڈورا کے تکئے کے نیچے رکھی تھی، بالکل اُسی طرح رکھنے کے بعد مکان سے باہر نکل آیا۔

اُسے اب عربطوس کو دیکھنے کی تمنا تھی ـــ اُسے یقین تھا کہ وہ اُسے شارع ارطغرل کے اُسی "یونانی کتب خانے" میں ایک نہ ایک دن دیکھنے میں ضرور کامیاب ہو جائے گا۔ اور اُس وقت شاید وہ اکیلا نہ ہو، تھیوڈورا بھی اُس کے ساتھ ہوگی +

چودھواں باب

تھیوڈورا اور تاتار

تھیوڈورا نے دہلیز پر رُک کر "یونانی کتب خانے" کی اندرونی دنیا پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ عرسطیوس کتب خانے کے ناظم کے قریب والی الماری میں کتابیں دیکھ رہا تھا۔ بوڑھے یونانی فلاسفر نے اشارے سے تھیوڈورا کو اندر آنے کی دعوت دی، اور جب وہ اندر داخل ہوگئی تو عرسطیوس نے بھی اُسے دیکھ لیا، مگر وہ کتابوں کے ورق برابر اُلٹتا رہا۔

تھیوڈورا سیدھی اُسی الماری کے پاس آئی، جہاں عرسطیوس کھڑا تھا۔ اُس نے مُسکرا کر تھیوڈورا کو خوش آمدید کہا، اور پھر ایک کتاب پر نظریں جمائے کہنے لگا: "آج میں تمہیں ایک بہت بڑی خبر سُنانا چاہتا ہوں۔"

وہ پوچھنا تو چاہتی تھی کہ یہ بہت بڑی خبر کیا ہے؟ مگر کتب خانے میں ایسی باتیں کرنا مصلحت کے خلاف تھا۔ اُس نے احتیاطاً عرسطیوس سے پوچھا: "ہم یہاں ایسی باتیں کر سکتے ہیں؟"

"ہرگز نہیں! تم کوچۂ گُل کار کے قہوہ خانے کی طرف چلو۔ ہم وہیں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"

تھیوڈورا بوڑھے یونانی کو سلام کرتی کتب خانے کے صدر دروازے کی طرف بڑھی عرلطیوس نے فوراً ایک کتاب منتخب کی منتظم کے پاس آیا، وہ کتاب دکھائی اور تھیوڈورا کے پیچھے پیچھے دروازے کی طرف لپکا۔

○

کوچۂ گل کار کے قہوہ خانے کا مالک ایک قوم پرست یونانی تھا۔ عرلطیوس اور تھیوڈورا عام طور پر اسی قہوہ خانے میں ملتے تھے۔ اُن کے لئے کونے میں ایک میز اور چند کرسیاں ہمیشہ وقف رہا کرتیں اور کیفے گلکار کا مالک اس بات کا خاص خیال رکھتا کہ اس میز کے آس پاس کوئی اور ایسا گاہک نہ بیٹھنے پائے، جس کی شخصیت اُس کی نظروں میں ذرا بھی مشکوک ہو۔

میز پر بیٹھتے ہی قہوہ اُن کے سامنے آگیا۔ آج عرلطیوس بہت خوش تھا۔ تھیوڈورا کو ایسا معلوم ہُوا گویا وہ سلطانہ مریامہ سے مُلاقات کر چکا ہے۔ عرلطیوس نے اپنے آپ مسکراتے ہوئے کہا:۔

"سُنا تم نے؟ میں سلطانہ مریامہ کا سُراغ لگانے میں کامیاب ہوگیا ہوں!"

تھیوڈورا کو تو اس خبر کے بارے میں شبہ تھا۔ مگر اُس نے اپنے چہرے پر تعجب اور عقیدت کے ملے جُلے تاثر کو اور زیادہ چمکانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:۔

"اچھا ۔۔۔ ! پھر وہ کہاں ہیں؟"

"سلطان مراد کی آنکھیں بند ہونے تک وہ سلطانی حرم میں تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ اُنہوں نے آخری وقت تک سلطان کی تیمار داری کی اور ان کی خدمات کا ہر شخص معترف ہے حقیقت میں مریامہ نے بڑی دُور اندیشی کا ثبوت دیا۔ اگر وہ بیمار سلطان کی اس طرح دیکھ بھال نہ کرتیں تو اُنہیں شاہی حرم میں آج جو مقام حاصل ہو چکا ہے، وہ اس سے قطعی محروم رہتیں۔"

"وہ اس وقت تک سلطانی حرم میں ہیں ؟"

"نہیں ! جب سلطان محمد بروسہ میں اپنے باپ کو دفن کرنے کے بعد واپس آیا، تو اُس نے سب سے پہلے سلطانہ مریامہ سے ملاقات کی۔ سلطان ان سے بہت خوش اور مہربان نظر آتا تھا۔ اُس نے سلطانہ مریامہ سے پوچھا کہ اب سلطان مُراد کے بعد اُنہوں نے اپنی اور اپنے بیٹے کی زندگی کے لئے کیا منصوبہ سوچا ہے ؟"

"پھر ؟"

"پھر — غالباً سلطان محمد کا یہ خیال ہو کہ سلطان مُراد کے بعد اس کی چہیتی مسیحی بیوی آدرنہ سے اپنے آبائی وطن جانے کا خیال ظاہر کرے گی۔ مگر مریامہ نے بروسہ ہی میں اپنے خاوند کی قبر کے قریب زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا "

"اُس نے واقعی اپنی خاندانی ذہانت کا ثبوت دیا۔ تھیوڈورا نے مسکرا کر جواب دیا —

"اس سے سلطان محمد کو بڑی تکلیف پہنچی ہو گی ؟"

"بڑی تکلیف ! وہ تو یہ سوچے ہوئے تھا کہ مریامہ سربیا جانے کی خواہش ظاہر کریں گی۔ اور وہ راستے ہی میں ماں بیٹے کا کام تمام کروا دے گا۔ مگر اُنہوں نے بروسہ جانے کا فیصلہ کیا جسے سلطان محمد اس لئے قبول نہ کر سکا کہ اس طرح رعایا کی نظروں میں سلطانہ مریامہ کی عقیدت اور احترام اور زیادہ بڑھ جائے گا — اگر سلطان محمد اُن کو بروسہ جانے کی اجازت دے دیتا تو اس طرح سلطانہ مریامہ اور اس کے کمسن بچے کی زندگی ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاتی "

"بشرطیکہ وہ بروسہ — اپنے خاوند کی قبر کے سائے میں پہنچ جاتیں "

عرسطیوس نے اپنی بات جاری رکھی : سلطان محمد نے یہ کہہ کر اُن کو اپنے ارادے سے باز رکھا کہ اس طرح وہ اپنے دوست اور دشمنوں کو کیا جواب دیں گے — "مریامہ نے مرحوم سلطان کی جو خدمت کی ہے، وہ اب اس بات کی مستحق ہے کہ سلطان محمد کو بھی اُن کی

خدمت کا موقع ملنا چاہیئے!"

اُس نے مریامہ کو یہ بھی یقین دلایا کہ ـــــ مریامہ کا کم سن بچہ چونکہ سلطان مراد کا بیٹا ہے اس لئے وہ سلطانِ وقت کا بھائی اور سلطنتِ عثمانیہ میں برابر کا حقدار ہے ـــــ اُس کو آخر ایک دن سلطنت کی ذمہ داریاں سنبھالنی ہیں، جس کے لئے تعلیم و تجربے کی ضرورت ہے، اور سلطان اُسے اپنی نظروں کے سامنے رکھ کر تعلیم دلانا چاہتا ہے۔"

"اِس کا یہ مطلب ہوا کہ سلطانہ مریامہ اب ہماری بات نہ سُنیں گی؟"

"کیوں؟"

"اِس لئے کہ جب سلطان محمّد اپنے کمسن بھائی پر اس قدر مہربان ہے تو مریامہ یہ کب گوارا کریں گی کہ ان کے بیٹے کو جو کچھ آدرنہ میں رہ کر آسانی سے حاصل ہونے والا ہے۔ اُسے قسطنطنیہ بھیج کر طاقت کے زور سے حاصل کیا جائے۔"

"میرا خیال ہے کہ اگرچہ سلطانہ مریامہ قومی اور مذہبی عقیدے کی رُو سے تمہاری بہن ہیں مگر تمہاری طرح بیوقوف نہ ہوں گی۔ سلطان محمد نے اُن کو اور اپنے بھائی کو جو ایک نہ ایک دن سلطنتِ عثمانیہ کے تاج و تخت کا دعویٰ کرتا، آدرنہ سے دُور بروسہ میں بھیج دینے پر کیوں رضامندی ظاہر نہ کی ـــــ ان کو اب تک معلوم ہو چکا ہوگا۔ حقیقت میں ماں بیٹے کی حقیقی خطرناک زندگی کا آغاز اب ہوا ہے اور اگر سلطانہ مریامہ ابھی تک اس خطرے سے آگاہ نہیں ہوئیں تو اب یہ تمہارا کام ہے کہ اُن کو آنے والی تباہی سے خبردار کرو۔ ان کو بتاؤ، کہ آدرنہ میں ماں بیٹا کسی طرح بھی محفوظ نہیں ہیں۔ اور میرے پاس اِس بات کا ثبوت موجود ہے کہ سلطان یہیں دونوں کو ٹھکانے لگانا چاہتا ہے۔"

"اِس کا مطلب تو یہ ہے کہ مجھے فوراً سلطانہ مریامہ کے پاس جانا چاہیئے۔"

"فوراً۔"

"وہ ہیں کہاں؟ میں حرم میں کیسے داخل ہوں گی؟"

"تمہیں سلطانہ مریامہ کے پاس پہنچانا میرا کام ہے۔ آدرنہ میں ان کے سر پہ جو خطرہ منڈلا رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سلطانہ اس کا سر سراتا ہوا منحوس سایہ دیکھ چکی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُنہوں نے سلطانی حرم میں دوسری ترک بیگمات کے ساتھ رہنے پر آمادگی ظاہر نہیں کی اور آجکل وُہ ایک علیحدہ محل میں قیام پذیر ہیں۔ ہوسکتا ہے مریامہ نے محل کی آباد زندگی سے علیحدگی صرف اس خیال سے منظور کی ہو کہ وہ آدرنہ سے نکلنا چاہتی ہیں۔"

"اگر صورتِ حال یہ ہے تو پھر وقت ضائع کرنا ٹھیک نہیں۔ مَیں ان سے فوراً ملنا چاہتی ہوں۔"

"ذرا صبر سے کام لو! مریامہ اس وقت سلطان کی نظروں میں مشکوک ہے۔ ذرا شک اور بدگمانی کے بادل چھٹنے دو۔ اِس وقت مجھے نہ صرف مریامہ اور ان کے بیٹے کی زندگی اور سلامتی کا خیال ہے بلکہ تمہاری زندگی بھی عزیز ہے۔ کیونکہ مسیحیت کی کامیابی کے لئے کارڈینل جولین کے جس منصوبے کو عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے۔ اس کی کامیابی کا تقاضا ہے کہ تم پر بھی آنچ نہ آنے پائے۔"

عرلطیوس نے سچ کہا تھا۔ اُسے مسیحیت کی کامیابی کے لئے کارڈینل جولین کا منصوبہ کس قدر عزیز تھا۔ تھیوڈورا سوچنے لگی: ایک طرف کارڈینل جولین عرلطیوس پہ ناحق شک کر رہا ہے اور دوسری طرف عرلطیوس کس طرح جان پر کھیل کر اس کے منصوبے کو عملی جامہ پہنا رہا ہے۔ اگر اُسے ترک فوج کے ممتاز عہدے اور اپنے درخشاں مستقبل کا خیال ہوتا تو وہ اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر اس کلیسائی جماعت کی قیادت ہرگز نہ کرتا، جو آدرنہ میں رہ کر سلطنتِ عثمانیہ کی جڑیں کاٹ رہی تھی۔

اسے معاً کارڈینل کے خط کا خیال آیا۔ اُس نے سوچا کہ عرلطیوس سے اس خط کا ذکر کر دینا چاہیئے۔ وفد ابھی تک یہیں ہے۔ اُسے کیوں نہ چند روز اور زیارت اور بعض مذہبی رسوم کی ادائیگی کے لئے سانتا میریا ہی میں روک لیا جائے اور اس اثنا میں وہ مریامہ سے مِل کر اُنہیں تیار کرے

تاکہ کارڈینل کی ہدایات کے مطابق ماں بیٹا وفد ہی کے ساتھ کسی خوف اور خطرے کے بغیر قسطنطنیہ بھیج دئے جائیں۔ یہ سوچ کر اُس نے کہا:

"یونانی وفد ابھی تک یہیں ہے؟"

"اوہ!" عرنطیوس نے تھیوڈورا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں کس نے بتایا کہ وفد ابھی تک آدرنہ میں ہے؟"

"یہی تو میں تم سے معلوم کرنا چاہتی ہوں!"

"کیوں؟ کوئی خاص کام؟ اور ہاں! تم نے کم از کم وفد کی معرفت قسطنطنیہ خط تو بھجوا دیا ہوتا۔"

"بھیج دوں گی ——— کارڈینل جولین نے بڑا سخت خط لکھا ہے۔ اس کا جواب دینا ضروری ہے۔ مگر جواب دینے سے پہلے میں تم سے مشورہ کرنا چاہتی تھی۔"

کارڈینل نے کیا لکھا ہے؟ وہی تیزی سے کام کرنے کی تاکید؟"

"ہاں!" تھیوڈورا نے کچھ سوچ کر کہا۔ "میں نے اپنا دامن بچانے کے لئے کارڈینل کی خدمت میں خط لکھا تھا کہ آدرنہ میں ہر ایک کام عرنطیوس کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ میں اپنی طرف سے کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھا سکتی۔"

"پھر؟" عرنطیوس نے بے تابی سے پوچھا۔

"پھر ——" تھیوڈورا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب کی وہ تم پر بھی برسے ہیں۔"

"کیا کہتے ہیں؟"

"کہتے ہیں یہ وفد سلطان محمد سے بات چیت کرنے کے لئے نہیں بلکہ صرف مریمہ اور اس کے بیٹے کو لانے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اس طرح ماں بیٹا کسی خوف و خطر کے بغیر ترک سرحد پار کر سکتے ہیں۔"

"کاش! ——— کارڈینل اس وفد کے ساتھ ہوتے تو انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ انہوں نے اور قیصر نے سلطان محمد کی کمسنی اور ناتجربہ کاری کے متعلق جو رائے قائم کی ہے، وہ کتنی بے بنیاد اور حقیقت سے کس قدر دُور ہے ——— وہ جس وفد کے ساتھ ماں بیٹے کو

قسطنطنیہ منگوانا چاہتے ہیں، اس وفد کو آدرنہ میں رہنے کی اجازت ہی نہیں دی گئی، مجھے — یقین ہے کہ سلطان دارالحکومت میں یونانی جاسوسوں کی موجودگی اور سرگرمیوں کی بُو سونگھ چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف سرحدوں پر بلکہ خانقاہوں پر بھی کڑی نظر رکھی جا رہی ہے۔ یہ تو اچھا ہُوا کہ تم سانتامیرینا سے یہاں منتقل ہو گئی ہو۔ ورنہ نہ جانے اس وقت تک تمہارے ساتھ کیا کچھ ہو چکا ہوتا۔"

تھیوڈورا دیر تک عرلطوس کا منہ حیرت سے تکتی رہی۔ جیسے اُسے یقین ہی نہ آتا ہو کہ جو کچھ وہ کہہ رہا تھا، سچ ہے۔ اور پھر سر جھکا کر کہا:۔

"تو گویا یونانی وفد ناکام واپس لوٹ گیا!"

"اسے ناکام جانا تھا۔ اور ہمیں اس ناکامی کا ہرگز کوئی افسوس نہیں۔ اب تم سلطانہ مریامہ سے ملاقات کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ! ہاں — ! وہ خط کہاں ہے؟"

"میرے کمرے میں!"

"کمرے میں؟" عرلطوس کی آواز اچانک لرزنے لگی "تم نے یہ غلطی کیسے کی؟"

"کیسی غلطی؟"

"اوّل تو اس خط کو فوراً جلا دینا چاہیئے تھا۔ اور اگر تم چاہتی تھیں کہ میں بھی اُسے دیکھ لوں، تو وہ تمہارے پاس ہونا چاہیئے تھا۔ ہر وقت تمہارے دل کے پاس۔ اگر وہ خط کسی کے ہاتھ لگ گیا تو؟"

"کسی کو کیا معلوم؟"

"دشمن کو اس قدر بے وقوف سمجھنا دراصل ہماری اپنی بے وقوفی کا ثبوت ہے — یہ ہرگز نہ سوچو کہ تم آدرنہ میں جو کچھ کر رہی ہو، آدرنہ کے حاکم اس سے بالکل بے خبر ہیں۔ کوئی نہ کوئی دشمن لازمی طور پر ہمارا تعاقب کر رہا ہے۔ اور تم اُسے ہر وقت سائے کی طرح اپنے آگے پیچھے موجود تصوّر کرو!"

"اب ـــ تو جب تک مَیں گھر واپس جا کر خط نہ دیکھ لوں اُس وقت تک مجھے چین نہ آئیگا"۔

"ہاں! ہاں!! ایسا ہی ہونا چاہیئے ـــ اور آئندہ ایسی غلطی کبھی نہ کرنا۔ اور گھر میں داخل ہونے سے پہلے چاروں طرف خوب غور سے دیکھ لینا ـــ اگر مکان کے آس پاس کوئی مشکوک اور اجنبی چہرے دکھائی دیں تو فوراً راستہ بدل کر یونانی کتب خانے میں پہنچنے کی کوشش کرنا۔ میں وہیں تمہارا انتظار کروں گا"۔

"تم میرے ساتھ گھر تک نہیں چلو گے؟"

"نہیں!"

تھیوڈورا کا چہرہ ایک دم سفید پڑ گیا۔ عرلطوس اُسے خطرے میں دیکھ کر اپنا دامن بچا رہا تھا۔ کارڈینل نے سچ لکھا تھا۔ ایک ممتاز فوجی عہدیدار اپنے مستقبل کو تاریک بنانے پر راضی نہیں ہوتا۔ اُسے فوراً تاتار کا خیال آیا۔ اگر عرلطوس کی جگہ اُس نے تاتار کو اپنے اعتماد میں لیا ہوتا، تو وہ آج اکیلی نہ رہتی۔ ہر خطرے میں تاتار اُس کے ساتھ ہوتا۔ واقعی تاتار عرلطوس سے کس قدر مختلف تھا!

عرلطوس تھیوڈورا کے چہرے پر موت کی سی سفیدی دیکھ کر مسکرایا اور کہا:۔

"اس قدر خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں نواب زادی! یہ نہ سمجھئے کہ مَیں آپ کو خطرے میں ڈال کر پیچھے ہٹ رہا ہوں۔ بلکہ یہ حقیقت ہے کہ اگر مَیں بھی آپ کے ساتھ گیا تو ہم دونوں کے گھر جانے کا امکان ہے اور آدر نہ میں ایسا کوئی انسان نہیں جو ہمیں بچا سکے۔ لیکن ـــ اگر میں اس وقت آپ کے ساتھ نہ جاؤں تو یقین کیجئے اپنی امداد کے لئے آپ مجھے ہمیشہ تیار پائیں گی"!

عرلطوس کا یہ بہانہ بھی معقول تھا۔ تھیوڈورا کی جان میں جان آئی۔ عرلطوس نے بات کا رُخ بدلتے ہوئے کہا:۔

"آپ نے ابھی تک مجھے اپنا وہ خدمتگار نہیں دکھایا جو ترک فوج میں شامل ہو کر

بڑے بڑے اعزاز حاصل کر چکا ہے۔ سچ پوچھیں تو مجھے سب سے زیادہ خطرہ آپ کے اُسی تاتاری خدمتگار سے محسوس ہوتا ہے۔ کم از کم میں اُسے ایک نظر تو دیکھ لوں۔ تاکہ میری تسلی ہو جائے کہ اُس کے نام اور اس کی شخصیت میں کس قدر اختلاف ہے۔ شاید میں اس اختلاف کی بنا پر اس کے متعلق کوئی ٹھوس رائے قائم کر سکوں "۔۔۔ نہ جانے اس وقت تھیوڈورا کا دل تاتار کے لیئے کیوں تڑپ رہا تھا۔

عرطوس اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ تھیوڈورا کے پاس آکر رُک گیا۔ اس پر جھکا۔ اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھا اور کہا:۔" نہ جانے اس وقت آپ کیا سوچ رہی ہیں۔ یقین کیجیئے! ابھی تک آدرنہ میں ایسا کوئی انسان پیدا نہیں ہوا، جو میری اجازت اور مرضی کے بغیر آپ کا نام بھی لے سکے۔ ہاں! میرے جانے کے بعد تھوڑی دیر کیفے گلکار میں اور بیٹھیں اور پھر آپ بے فکر، اپنے گھر کی طرف روانہ ہو جائیے"۔

اور جب عرطوس، تھیوڈورا کو تھوڑی دیر کیفے گلکار میں بیٹھے رہنے کا مشورہ دے کر باہر نکلا تو اُسے یوں محسوس ہوا جیسے سامنے گلی کے موڑ پر کسی اجنبی نے اُسے غور سے دیکھا ۔۔۔ اور پھر موڑ مُڑ کر تیزی سے اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا +

○

یہ اجنبی گلی میں ایک درخت کی آڑ لے کر عرطوس کو دیکھ رہا تھا ۔۔۔ اور جب وہ اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو تاتار درخت کی آڑ سے ہٹ گیا ۔۔۔ وہ عرطوس کو اچھی طرح دیکھ چکا تھا اور بالکل پہچان چکا تھا۔

یہ وہ شخص تھا جو اس وقت جدید ترکی کی فوج کا رُوح و رواں سمجھا جاتا تھا ۔۔۔ جس کے بارے میں لوگ اُسے بتاتے تھے: اور جدید ترک فوج نے مختصر سے وقت میں جس قدر انقلابی ترقی کی تھی، اُس میں سلطان محمد کے بعد عرطوس کا سب سے بڑا ہاتھ تھا!

فرق صرف اتنا تھا کہ ترک سلطان اور ترک فوج اُسے ارمندوس کے نام سے جانتی تھی
——جبکہ کارڈینل جولین، قیصر اور تھیوڈورا اُسے عرلطیوس کے نام سے پکارتے تھے ——

وہ سوچنے لگا: "اگر آج سلطان کے کانوں تک یہ خبر پہنچا بھی دی جائے کہ وہ شخص جس کے ہاتھ میں جدید ترک فوج کا نظم و نسق دیا گیا ہے، وہ سلطان کا ارمندوس نہیں بلکہ کارڈینل جولین کا عرلطیوس ہے۔

——اور وہ جدید ترک فوج کو سلطنتِ عثمانیہ کا محافظ نہیں بنا رہا، بلکہ حقیقت میں اُس کی بنیادیں کھوکھلی کر رہا ہے —— تو سلطان اِسے کسی صُورت باور نہیں کرے گا۔"

اِس خیال کے ساتھ ہی اُس نے فیصلہ کیا کہ —— جب تک عرلطیوس کے خلاف کوئی ایسا ٹھوس ثبوت مہیا نہ کر لیا جائے جو سلطان کے نزدیک قابلِ قبول ہو، اُس وقت تک عرلطیوس کو مکمل آزادی کے ساتھ من مانی کارروائیاں کرنے کی ڈھیل دی جائے۔

"ہاں!" وہ اپنے دل میں کہنے لگا: "عرلطیوس کی سرگرمیوں پر اب مجھے اور بھی کڑی نظر رکھنی ضروری ہو گئی ہے۔"

"رہی تھیوڈورا —— تو اُس کے ہونٹ خود بخود لرزنے لگے: "وہ ایک گڑیا ہے' کارڈینل جولین کی گڑیا —— دونوں مل کر آدرنہ سے کسی ماں بیٹے کو قسطنطنیہ پہنچانا چاہتے ہیں، یہ ماں کون ہے اور اس کا بیٹا کون ہے؟"

وہ اپنے دماغ کو کُریدنے لگا ——

——"عام طور پر مسیحی حضرت مسیحؑ کو جنابِ مریمؑ کو 'ماں بیٹا' کہتے ہیں، آخر اس کا مطلب کیا ہُوا؟ اگر وہ آدرنہ سے ماں بیٹے کے سنگین مجسّمے قسطنطنیہ میں منتقل کرنا چاہتے ہیں تو اس میں اِتنی احتیاط اور رازداری کی آخر کیا ضرورت ہے؟

—— لازمی طور پر یہ کوئی راز ہے، بہت بڑا راز!"

سوچ سوچ کر وہ تھک گیا اور اُس نے اپنے جی میں یہ فیصلہ کر لیا کہ: "کسی تخریبی کارروائی

کے عمل میں آنے سے پہلے وہ یہ راز ضرور معلوم کرے گا!"

○

ٹاٹار کو معلوم تھا کہ تھیوڈورا ابھی تک کیفے گلکار میں اکیلی بیٹھی ہے ــــ وہ تو پورے ایک پہر سے عرسطوس کی تلاش میں "یونانی کتب خانے" کے چکر کاٹ رہا تھا۔

اتفاق سے اُسے عرسطوس اور تھیوڈورا قہوہ خانے میں جاتے ہوئے دکھائی دئیے، ــــ اگر وہ عرسطوس کا منہ دیکھ لیتا، تو شاید اتنی دیر گلکار کے باہر انتظار نہ کرتا۔ لیکن اب جبکہ وہ عرسطوس کو پہچان چکا تھا، تو تھیوڈورا سے بھی ملنا ضروری ہو گیا تھا۔

کیا وہ گلکار کے اندر بے خبری کے عالم میں داخل ہو اور اچانک تھیوڈورا کو وہاں بیٹھے دیکھ کر اُس کے قریب چلا جائے؟ نہیں! یہ تجویز معقول نہ تھی۔ تھیوڈورا کب تک یہاں بیٹھی رہے گی۔ آخر وہ اُٹھے گی اور ــــ لیکن وہ گلکار سے کہاں جائے گی؟ ممکن ہے یونانی کتب خانے میں، ممکن ہے اپنے گھر!!

اور آخر وہ گلی کے موڑ پر کھڑے ہو کر تھیوڈورا کا انتظار کرنے لگا۔

تھیوڈورا تھوڑی دیر بعد سر جھکائے باہر نکلی ــــ اُس نے گلکار سے نکل کر پہلی داہنی گلی کا رُخ کیا جو سیدھی اُس کے گھر کو جاتی تھی۔

ٹاٹار اُس کے پیچھے پیچھے جانا بھی پسند نہ کرتا تھا، اچانک اُسے تیسری گلی کا خیال آیا، جو تھوڑی دور جا کر اسی گلی سے آملتی تھی جس میں تھیوڈورا سر جھکائے چلی جا رہی تھی ــــ یہ زیادہ بہتر تھا کہ وہ تھیوڈورا کے سامنے سے گزرے اور پھر دونوں اتفاقیہ ایک دوسرے کو دیکھیں۔

وہ تیزی سے قدم اُٹھاتا ہوا ساتھ والی گلی میں مُڑ گیا، اور تیسرے چوک پر جب وہ دوسری گلی میں مُڑنے لگا تو سامنے سے تھیوڈورا چلی آرہی تھی ــــ دونوں نے ایک کو دیکھا تھیوڈورا

مسکرائی اور وہ اپنے مخصوص انداز میں جھک گیا اور ساتھ ہی کہا :۔

"یہ بھی عجیب اتفاق ہے ـــــ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ ایسی گلیوں میں نظر آسکتی ہیں تو ساناتا میریتا کی بجائے یہیں چکر لگایا کرتا۔"

تھیوڈورا کو تاتار کے جھکنے کا یہ انداز ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ اُسے یوں معلوم ہوتا تھا، گویا وہ اُس کے سامنے جھک کر اُس کا منہ چڑاتا ہے۔ مگر کم بخت کے جھکنے کا انداز خوب تھا۔ اُس نے کیا کہا تھا؟ وہ سوچنے لگی، لیکن تاتار اس کے قریب آگیا۔ وہ کہہ رہا تھا :۔

"کئی دنوں سے آپ کو دیکھنے کے لئے تڑپ رہا تھا۔ کئی بار ساناتا میریتا بھی گیا، مگر آپ کہیں بھی تو نظر نہ آئیں۔"

وہ ابھی تک خاموشی سے کچھ سوچ رہی تھی ـــــ یہاں تاتار کا مل جانا انتہائی غنیمت تھا۔ اُسے دیکھتے ہی تھیوڈورا کے دل پر چھائے ہوئے تمام اندیشے دُور ہو گئے۔ تاتار کا سایہ ہی تحفظ اور امن کا سایہ تھا، اُسے کیوں نہ بتا دیا جائے کہ مَیں ساناتا میریتا سے آدرنہ منتقل ہو گئی ہوں۔ وہ سامنے میرا مکان ہے۔ آؤ ـــــ تھوڑی دیر بیٹھ کر اطمینان سے باتیں کریں گے۔

آخر وہ بھی تو عرلیطوس ہی کی طرح ترک فوج میں افسر ہے۔ ایسا افسر جس سے سلطان نے بہت سی توقعات وابستہ کر رکھی ہیں۔ اگر وہ مکان تک تھیوڈورا کے ساتھ چلا گیا، تو جو خطرہ اس کے مکان کے اِرد گرد منڈلا رہا ہے، وہ معدُوم ہو جائے گا۔ اگر اُسے آج نہ بتایا گیا تو کل خود بخود معلوم ہو جائے گا۔ پھر ـــــ مجھے اُسے عرلیطوس سے بھی ملانا ہے۔ اُسے اعتماد میں بھی لینا ہے۔

تاتار حیرت سے تھیوڈورا کا منہ تک رہا تھا۔ اُس نے گھبرا کر کہا :۔

"مَیں ساناتا میریتا سے شہر منتقل ہو گئی ہوں۔ میرا مکان یہاں سے بالکل قریب ہے۔ اگر تمہیں فرصت ہو۔ تو چلو۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر اطمینان سے باتیں کریں گے۔"

اطمینان کا لفظ اس کے منہ سے اِس طرح نکلا تھا جیسے وہ اس کے لئے ترس رہی ہے۔

تاتار چلتے چلتے رُک گیا۔ تھیوڈورا بھی رُک گئی۔ اُس نے تھیوڈورا کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ جوزیفیہ کی تھیوڈورا اور اس میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اگر آج اُسے جولین دیکھتا تو پہچان بھی نہ سکتا۔ تاتار کا جی چاہا۔ اُسے اپنے مضبوط بازوؤں میں بھینچ لے۔ وہ اُسے آج ایک معصوم اور خوفزدہ بچے کی طرح نظر آرہی تھی ــــ جو بازار کی بھیڑ بھاڑ میں اپنے ماں باپ سے جُدا ہو کر سڑک کے ایک کنارے پر راہ گیروں کا مُنہ حسرت سے تک رہا تھا۔

وہ اُسے اُٹھا لینا چاہتا تھا۔ اُٹھا کر اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ کاش وہ تھیوڈورا کی زندگی کو امن اور عافیت کی نعمت سے بھر دے۔ اس اطمینان کی نعمت سے جس کے لئے وہ ترس رہی ہے۔ اُسے آج پہلی بار یوں محسوس ہوا جیسے جولین ایک بے رحم جادُوگر کی طرح اُسے اپنے سحر کے اثر سے بے حس کر کے اِس لئے اپنا معمول بنا چکا ہے تاکہ اِس سے دنیاوی فائدہ اُٹھائے۔

کاش وہ اپنی محبت، اپنے ایثار اور خلوص کے زور سے جولین کے سحر کا اثر زائل کر سکتا اور جب وہ اپنی اصلی حالت پر آتی، تو اُسے سمجھاتا کہ وہ زمانہ گیا، جب کلیسا کے راہب اپنے ڈھیلے ڈھالے لباس، لمبی لمبی داڑھی اور داڑھی سے کہیں زیادہ لمبی صلیب کے سائے میں تمہاری طرح کی بیوقوف لڑکیوں کو ہتھیار کی حیثیت سے استعمال کیا کرتے تھے۔

یہ آدرنہ ہے، جسے توحید نے اپنے منوّر حصار میں لے رکھا ہے۔ یہاں وہ نوجوان قوم آباد ہے، جو جادُو کے ڈنڈوں پر نہیں ــــ بلکہ تلوار پر بھروسہ کرتی ہے جس قسطنطنیہ کو روم کی عظمتِ رفتہ محفوظ رکھنے سے قاصر ہے۔ اسے عورتوں کے حسن و شباب اور عشوہ و ناز سے محفوظ نہیں رکھا جا سکتا۔

تم جو ابدی زندگی اپنی جان کی قربانی دے کر خریدنا چاہتی ہو۔ وہ تمہیں اس زندگی میں میسّر آسکتی ہے۔ آؤ میں تمہیں اَبدی زندگی کی حقیقی شاہراہ کی طرف لے چلوں۔ تم خدائے واحد

کے حضور جھک کر اس کی عظمت و توحید کا سچے دل سے اقرار کرو اور مَیں اس سے تمہاری نجات کے لئے عجز و الحاح کے ساتھ دُعا کرتا ہُوں۔" لیکن وہ خاموش ہو گیا۔

ابھی تھیوڈورا کی نجات کا وقت بہت دُور تھا، اور وقت کو وقت سے پہلے آواز دینا انسان کی ہمت سے بہت بُلند ہے۔ وہ ابھی تک تھیوڈورا کو تکے جا رہا تھا اور تھیوڈورا اُسے دونوں حیران تھے۔ وہ کون تھے؟ کہاں تھے؟ اور کیوں تھے؟

اُسے یوں محسوس ہُوا جیسے وہ خود اپنے محسوسات میں اُلجھ گیا ہے۔ اُس نے تاریک خلاء میں جیسے ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے کہا:۔

"نوابزادی! تھوڑے سے عرصے میں آپ کس قدر بدل گئی ہیں؟"

"مَیں نہیں بدلی تاتار!" تھیوڈورا نے مخصوص طور پر اپنی ٹھنڈی آہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔" البتّہ تم ضرور بدل گئے ہو اور میرے نزدیک یہ کوئی بڑی بات نہیں ——— مرد ہمیشہ بدل جاتے ہیں۔ اور انہیں بدلنا چاہیئے۔"

تھیوڈورا سچ کہہ رہی تھی۔ مرد بدل جاتے ہیں۔ اُنہیں بدلنا ہی چاہیئے۔ اگر واقعی وہ بدل چکی تھی، تو خود تاتار میں کتنا نمایاں انقلاب آگیا تھا۔ ایک وقت تھا ——— جب حیوانوں کی طرح اُسے صرف اپنی ذات سے محبت تھی۔ پھر ایک وقت ایسا آیا جب اُسے تھیوڈورا سے محبّت ہو گئی اور آج اُس پر ایسا وقت آگیا ہے، جبکہ نہ تو اُسے اپنی ذات سے محبت ہے نہ تھیوڈورا سے ——— بلکہ ایک مقصد سے محبّت ہے۔ وہ کیا ہے؟ اُس کے سامنے کیسے آیا ہے؟ اور اس مقصد کی تکمیل سے خود اُس کی ذات کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟

اُسے یوں محسُوس ہُوا جیسے وہ اور تھیوڈورا ایک ہی کشتی میں سوار رات کے وقت کسی ایسے سمندر میں موجوں کے رُخ پر بہے چلے جا رہے ہیں، جس کا کوئی کنارا نہیں۔ جب ایک کمزور عورت اپنے گرد و پیش سے آنکھیں بند کئے تباہی کی طرف جا سکتی ہے تو آخر وہ تو مرد تھا اور پھر ان میں سے حقیقی تباہی کی طرف کون جا رہا تھا؟ تھیوڈورا ——— جو تثلیث کی دیمک خوردہ

صلیب کو پھر سے قسطنطنیہ کے بلند مینار پر نئے رنگ روپ کے ساتھ نصب کرنا چاہتی تھی۔ یا تاتار ـــــ جو خدا کے آخری پیغام کو اسلامی پرچم کی صورت میں اسی صلیب کی جگہ گاڑنا چاہتا تھا۔

ایک طرف یورپ کے سارے براعظم کی متحدہ فوجی قوت تھی، جو مشرق کو اپنی میراث قرار دے کر اُس پر چھانے کی کوشش کر رہی تھی، اور دوسری طرف وسطی ایشیا کا چھوٹا سا خانہ بدوش قبیلہ مٹھی بھر ترک تھے ـــــ جو اس طوفان کے راستے میں کوہستان بلقان کی طرح آڑ بن کر جمے ہوئے تھے۔

"مَیں یہاں رہتی ہوں۔" تھیوڈورا نے اپنے مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "فرصت ہے؟"

"ہاں ہاں!!" تاتار نے مسکراتے ہوئے کہا۔" اگر آپ حکم دیں تو میں تھوڑی دیر کے لئے موت کے فرشتے کو بھی جھانسہ دے کر فرصت نکال سکتا ہوں۔"

تھیوڈورا مسکرائی ـــــ اُس کی مسکراہٹ میں وہی مخصوص کشش تھی۔ وہ اپنے دروازے پر رُکی، اور جیسے بجھ سی گئی۔ وہ جلدی میں اُسے قفل لگانا بھول گئی تھی اور اندر جولین کا خط پڑا تھا۔ وہ خط جس کے متعلق عرلطیوس نے اُسے بدحواس کر دیا تھا۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور وہ دروازہ ٹٹولنے لگی۔

"کیا ہوا؟" تاتار نے اُسے سہارا دیتے ہوئے کہا۔" کہیں آپ کو غلط فہمی تو نہیں ہوئی؟"

"کیسی غلط فہمی!! اپنے مکان کے متعلق؟ نہیں! نہیں!! ـــــ یہی میرا مکان ہے۔"

"تو پھر آپ اس قدر گھبرا کیوں رہی ہیں؟"

"اس لئے کہ ـــــ مَیں اُسے بند کرنا بھول گئی تھی۔"

"تو کیا ہوا؟ اس میں ہیرے تو نہیں تھے۔ اور اگر ہوں بھی تو اطمینان رکھئے۔ یہ آدھ نہ

ہے، جہاں زر فروش اور جوہری بھی اپنی دکانیں کھلی چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔"

"نہیں! نہیں!! ایسی کوئی بات نہیں۔" تاتار کی قربت کے احساس سے تھیوڈورا کی حالت سنبھل گئی۔ "مجھے رہ رہ کر اپنی حماقت کا خیال آرہا ہے۔ میں اسے کھلا چھوڑ کر باہر کیسے چلی گئی؟"

"بعض اوقات ایسے عزیز دوستوں کے بلاوے اچانک آجاتے ہیں جن سے ملنے کی کوئی توقع نہیں ہوتی۔ ایسے وقت میں اچھے اچھے لوگ حماقتیں کر بیٹھتے ہیں۔ مگر یہ حماقت نہیں ہوتی نواب زادی! میں تو اسے انتہائی مسرت سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک وہ مسرت ــــ مسرت ہی نہیں جس کے ڈانڈے حماقت سے نہ ملے ہوئے ہوں۔"

تھیوڈورا نے پھٹی پھٹی نظروں سے تاتار کو دیکھا۔ ظالم نے ایسی باتیں کہاں سے سیکھ لی تھیں۔ جس شخص کو اناطولیہ کے سوداگر اپنی مجلس میں اس لئے بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ اُسے آگ جلانے کا بھی شعور نہیں تھا، آج وہ شخص کس قدر بدل چکا ہے۔ اگر سلطان نے اُس سے بعض توقعات وابستہ کی تھیں تو کوئی غلطی نہ کی تھی۔ تاتار سے ہر قسم کی توقع کی جاسکتی ہے۔ یہ شخص اب عالمگیر صلاحیتوں کا مالک بن چکا ہے ــــ تھیوڈورا یہ محسوس کر کے خوش ہو رہی تھی کہ تاتار ابھی تک اُس کی محبت اور دوستی کا دم بھرتا ہے۔

تاتار کی موجودگی سے اُس کا دل بڑھ گیا تھا۔ اس نے مکان میں داخل ہونے سے پہلے چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ کسی اجنبی اور مشکوک شخص کا سایہ دُور دُور تک دکھائی نہ دیتا تھا ــــ عرسطوس کو یونانی کتب خانے میں انتظار کرنے دو۔ یہاں مجھے کوئی خطرہ نہیں کاش! اُسے معلوم ہو جاتا کہ وہ جس خدمتگار کو دیکھنے کے لئے ترس رہا ہے، وہ اس وقت میرے ساتھ ہے!!"

وہ بے کھٹکے اندر داخل ہوئی۔ اور تاتار بھی اس گھر کی ایک ایک چیز کو حیرت سے دیکھتا اس کے ساتھ اندر آگیا۔ اُسے اپنے قدموں کے نشانات بھی نظر آرہے تھے، مگر

وہ یہ ظاہر نہ کرنا چاہتا تھا کہ وہ اس مکان کی اندرونی دُنیا، تھیوڈورا کے کمرے میں پڑی ہوئی کتابوں والی الماری اور خصوصیت کے ساتھ اِس کے تکیئے کے نیچے "سوانح سکندر مقدونی" میں رکھے ہوئے خط کو بھی دیکھ چکا ہے۔"

تھیوڈورا نے کمرے میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے اپنے بستر اور تکیئے کو دیکھا۔ ہر ایک چیز بالکل اسی طرح تھی، جس طرح وہ چھوڑ گئی تھی۔ شُکر ہے اس مکان میں کوئی داخل نہیں ہوا، مگر پھر بھی وہ تکیئے کے نیچے کتاب اور ـــ کتاب میں رکھے ہوئے خط کی موجودگی کا یقین کرنا چاہتی تھی۔ کاش! وہ تاتار کو اپنے ساتھ نہ لاتی۔

اُس نے تاتار کو اپنی چارپائی کے قریب پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اگرچہ وہ اُس کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی، مگر اُس کی نظریں تکیئے پر تھیں۔ وہ چارپائی پر بیٹھ گئی اور آہستہ آہستہ سرہانے کی طرف سرکنے لگی۔ اُس نے تاتار کی توجہ کسی اور طرف ہٹاتے ہوئے کہا:۔

"کہو تو تمہیں تُرکی قہوہ پلواؤں"۔

"بازار سے منگوا کر؟"

"نہیں! نہیں!! میں خود تیار کرتی ہوں"۔ تھیوڈورا کا ہاتھ بے اختیاری کے عالم میں تکیئے پر پھر رہا تھا۔

"آپ کو مرد کی موجودگی میں عورتوں والے کام کرنے سے نفرت باقی نہیں رہی؟"

وہ کہنا تو کچھ اور چاہتی تھی مگر اُس نے شوخی سے مسکراتے ہوئے کہا:۔

"نہیں ـــ! میری نفرت ایسی نہیں ہے جو مصلحت کی وجہ سے ختم ہو جائے بلکہ میں اب تمہیں مرد تصوّر نہیں کرتی"۔

تھیوڈورا کی مسکراہٹ میں ایک عجیب التجا لرز رہی تھی۔ جان بخش تبسّم کے اس سیلاب کے باوجود تھیوڈورا کی بات ابھی تک تاتار کے دل میں چبھ رہی تھی۔ نہ جانے اس نے یہ جملہ

دانستہ طور پر کہا تھا یا نادانستہ۔ بہرحال اُس نے محسوسات کی تلخی دُور کرنے کے لئے کہا:۔

"آدرنہ میں آپ واقعی آزاد خیال ہو گئی ہیں۔"

"ہاں ـــ! یہ آدرنہ کی آب و ہوا کا اثر ہے۔" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔" یا شاید ترکی قہوے کا ـــ!"

"اوہ ہاں ـــ لائیے میں آگ جلا دوں۔"

تھیوڈورا کی نظریں تاتار کے چہرے پر جم گئیں اور تاتار نے بھی اُس کی آنکھوں میں آنکھیں پیوست کر دیں ـــ دونوں کو کچھ یاد آ گیا۔ دونوں کے دل سے ایک آہ سی نکلی، اور پھر دونوں جیسے بیداری کے عالم میں کوئی حسین خواب دیکھ کر مسکرا اُٹھے۔

تاتار محسوس کرنے لگا جیسے تھیوڈورا اب بھی جولین کے سحر سے بچنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتی ہے۔ فریاد کرتی ہے۔ کسی کو بُلاتی ہے۔ وہ سوچنے لگا۔ کیا اُسے میں نظر نہیں آتا؟ کیا اُسے مجھ پر اعتماد نہیں ہے؟ اُس کے دل نے کہا۔ اسے تڑپنے دو ـــ سارے سہارے آزمانے دو۔ جب اُسے بے کسی کا خیال آئے گا تو وہ خود بخود تاتار کے سامنے مدد کے لئے ہاتھ پھیلائے گی اور اگر ایسے عالم میں اُس نے میرا ہاتھ تھاما، تو پھر ایسی مضبوطی سے تھامے گی کہ ہنیاڈی اور قیصر بھی اُسے چھڑا نہ سکیں گے۔

نہ جانے تھیوڈورا کو کیا خیال آ گیا۔ اُس نے کہا:۔

"تم میرے مہمان ہو ـــ اگرچہ آدرنہ کی تہذیب مہمان سے کام لینے کی اجازت نہیں دیتی۔ لیکن نہ جانے میرا دل کیوں تم سے کام لینا چاہتا ہے۔ ہاں ـــ تم اُٹھو! تم آگ جلاؤ! میں قہوہ بناؤں گی۔"

تاتار کہہ دینا چاہتا تھا کہ تم ناحق دوسروں کے لئے کام کر رہی ہو۔ ایسا کام جو تمہارے لئے مہلک ثابت ہوگا، جب میں تمہاری خدمت کے لئے تیار ہوں تو تم اپنی ساری زندگی کا بوجھ میرے کندھوں پر کیوں نہیں ڈال دیتیں؟ دیکھو میرے کندھے قسطنطنیہ کی ناقابلِ تسخیر

فصیلوں سے زیادہ مضبوط اور سارے یورپ کی متحدہ فوجی قوت سے زیادہ قوی ہیں۔ مگر وہ مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

وہ تختے کے اُوپر اور نیچے تھیوڈورا کی اُنگلیوں کو بے تابی سے حرکت کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اُسے تھیوڈورا کے ساتھ زندگی کے گزارے ہوئے چند لمحات کے علاوہ جولین کے خط کا بھی خیال تھا۔ یہ دوشیزہ ـــ جو اَب دوشیزہ کم اور عورت زیادہ معلوم ہوتی ہے، اُس کی اُنگلیاں ابھی تک جولین کے راز کو چھُپانے کے لئے بے تابی سے حرکت کر رہی تھیں اور اُس کا دِل تاریکی کے عالم میں سوچ رہا تھا۔

تاتار ویسے تو آگ جلانے میں مصروف تھا، مگر وہ آسانی سے دیکھ رہا تھا کہ تھیوڈورا نے بے تابی سے تختے کے نیچے رکھی ہوئی کتاب اُٹھائی۔ اُسے کھولا۔ خط دیکھا اور بار بار دیکھا۔ کتاب بند کی اور باہر تاتار کے پاس آ گئی۔ دونوں نے مِل کر قہوہ تیار کیا، اور اُسے لے کر دوبارہ کمرے میں چلے گئے۔ تھیوڈورا نے اپنی اور تاتار کی پیالی بھرتے ہوئے کہا:۔

"تمہیں ترکی قہوہ پسند ہے اور مجھے یونانی۔ اگر کسی دن فرصت ہو تو میرے ساتھ کیفے گلکار چلو۔ تمہیں یونانی قہوہ پلواؤں گی۔"

"اِس فیاضی کے لئے پیشگی شکریہ۔" تاتار نے قہوے کی پیالی اُٹھاتے ہوئے کہا۔ "کل سے مَیں ایسے کام میں مصروف ہو جاؤں گا جس سے کم از کم دو ہفتوں تک فرصت نہ مِل سکے گی۔"

"اوہ ـــ! مَیں تم سے تمہارے حالات دریافت کرنا تو بھُول ہی گئی۔ سُناؤ! تمہاری ثانوی تربیت اب کس مرحلے میں ہے؟"

"میں نے اُسے بھی نمایاں اعزاز کے ساتھ مکمل کر لیا۔"

"نمایاں اعزاز کے ساتھ مکمل کر لیا!" تھیوڈورا نے اپنی پیالی مُنہ کے قریب لے جا کر روک لی۔ "تو پھر تو تمہیں فرصت ہی فرصت ہونی چاہیئے ـــ اب تم بہت بڑے افسر

بن گئے ہو۔ اس کامیابی پر میں ہدیۂ تبریک پیش کرتی ہوں"۔

"بہت بہت شکریہ!" تاتار نے اپنے مخصوص انداز میں سر جھکاتے ہوئے کہا۔ "بہت بڑا افسر بن گیا ہوں اور ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ اِسی لئے تو کہتا ہوں کہ اب فرصت بہت کم ملتی ہے"۔

"اتنے کام کی آخر کیا وجہ ہے؟ کہیں لشکر کشی کا ارادہ تو نہیں؟"

"نہیں! نہیں!! سلطان کو چند خاص قسم کے جدید مہماتی دستوں کے لئے موزوں افسروں کی ضرورت ہے اور کل سے ترک فوج کے تمام افسروں کے مقابلے شروع ہو رہے ہیں۔ ان مقابلوں میں جو خوش نصیب کامیاب ہوں گے، اُنہیں مہماتی دستوں کی کمان سونپی جائے گی۔

"اور تم بھی کامیاب ہونا چاہتے ہو؟" تھیوڈورا کی پیالی ابھی تک منہ کے قریب لیکن ہونٹوں سے دُور تھی۔

"ضرور!" تاتار نے اپنی خالی پیالی رکھتے ہوئے اُسے بھرنے کا اشارہ کیا۔ "نوابزادی نے خوب قہوہ بنایا ہے"۔

"اور کامیاب ہونے کے بعد انہی جدید مہماتی دستوں میں سے کسی ایک کے کماندار بن جاؤ گے؟"

"بشرطیکہ تمہیں منظور ہو"۔

"اور ان جدید مہماتی دستوں کی کمان سنبھالتے ہی دُنیا کو ایک بار پھر چنگیز خان، ہلاکو اور تیمور کی یاد دلاؤ گے؟" تھیوڈورا نے تاتار کی پیالی میں قہوہ انڈیلتے ہوئے کہا۔

"نہیں!" تاتار نے قہوہ پیتے ہوئے کہا۔ "بلکہ سکندر، قسطنطین، ہرقل اور جسٹینین نے جس کام کو ادھورا چھوڑا ہے، اِسے پُورا کروں گا"۔

"مَیں تمہارا مطلب نہیں سمجھی؟"

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ وقت پر سب کچھ سمجھ سکو گی"۔

"تم بڑے ظالم نظر آتے ہو"۔

"اپنا اپنا خیال ہے نوابزادی!" تاتار نے ایک مرتبہ پھر اپنی خالی پیالی میز پر رکھتے ہوئے کہا:۔ "ظلم اور بہادری کے معیار مختلف ہیں۔ جسے آپ ظالم کہتی ہیں، اسے بہادر سمجھ کر احترام کرنے والے لوگ بھی موجود ہیں اور جسے بہادر کہا جاتا ہے اُسے ظالم ثابت کرنے والے لوگ بھی"۔۔۔

"میں بعض اوقات بڑی بے محل باتیں کہہ جاتی ہُوں"۔ تھیوڈورا نے سر جھکا کر کہا۔ "مگر مجھے یقین ہے کہ تم انہیں کوئی اہمیت نہ دو گے"!

"ہرگز نہیں! ہرگز نہیں!!" تاتار نے جلدی سے کہا۔ "مَیں بھی محسُوس کرنے لگا ہوں کہ بعض باتیں مَیں نے بھی یونہی ہانک دی ہیں۔ آپ بھی انہیں کوئی اہمیت نہیں دیں گی"۔

تھیوڈورا مُسکرائی، اور دیر تک مسکراتی رہی۔ پھر جیسے اُس نے اچانک سنجیدہ ہو کر کہا:

"تو گویا آپ دو ایک دن میں کیفے گلکار تک نہیں آسکتے"۔

"نہیں ۔۔۔! دو ہفتوں تک بھی نہیں"۔

"دو ہفتوں کے بعد؟"

"ابھی سے وعدہ نہیں کر سکتا، جیسے ہی فرصت ملی، آپ کو اطلاع دوں گا"۔

"کہاں؟"

"مَیں نے آپ کا دولت خانہ دیکھ لیا ہے۔ کیفے گلکار بھی دیکھ چکا ہوں اور یونانی کتب خانہ بھی"!

یونانی کتب خانے کا نام سُن کر تھیوڈورا چونکی۔ تاتار رخصت لینے کو اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اس نے تھیوڈورا کی حالت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا:

"یہ قہوہ عمر بھر یاد رہے گا"۔

"شکریہ!" بھیوڈورا بھی کھڑی ہو گئی۔ دونوں دروازے تک ایک دوسرے کے ساتھ آئے۔ بھیوڈورا رک گئی۔ اور تاتار جھک کر سلام کرتا ہوا باہر چلا گیا۔ بھیوڈورا اُسے جاتا ہوا دُور تک دیکھتی رہی، حتیٰ کہ وہ اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا +

پندرھواں باب

اجنبی کنیز

سلطانہ مریامہ کو سلطانی حرم سے اپنے نئے محل میں منتقل ہوئے مشکل سے دس دن گزرے تھے۔

ایک دن ایک یونانی بڑھیا اپنی نوجوان لڑکی کے ساتھ اس محل کی ڈیوڑھی میں داخل ہوئی۔ پہرے داروں نے اُسے روک لیا۔ اُس کی لڑکی سہمی ہوئی تھی۔ جب پہرے دار اُس کا منہ دیکھنے کے لئے آگے بڑھے، تو وہ شرما گئی۔ اُس نے اپنا منہ شال میں چھپا لیا۔ بڑھیا سے جب پوچھا گیا کہ وہ کون ہے اور کہاں جا رہی ہے تو اُس نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا:

"میں بیوہ ہوں۔ میرا خاوند ترک فوج میں خدمات انجام دیتے ہوئے آج سے پندرہ سال پہلے کسی جنگ میں کام آیا۔ میری لڑکی جوان ہو گئی ہے اور میں اُس کی دیکھ بھال سے معذور ہوں۔ سُنا ہے سلطانہ مریامہ کو چند کنیزوں کی ضرورت ہے۔ میں اپنی لڑکی اِس لئے لائی ہوں کہ اُسے سلطانہ کے سپرد کر کے اُس کی دیکھ بھال سے سبکدوش ہو جاؤں۔"

ایک پہرے دار جو اُس کی نوجوان لڑکی کے چہرے کی جھلک دیکھ چکا تھا، مسکرایا، اور بُڑھیا سے مخاطب ہو کر کہا :-

" ایسے عمدہ مال کو کب تک سلطانہ کے دامن میں چھپاتی پھرو گی۔ اس کی کہیں شادی کیوں نہیں کر دیتی۔ ماں بیٹی دونوں کی زندگی آرام سے کٹ جائے گی۔"

پہرے دار کی یہ بات سن کر بُڑھیا کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ اُس کی آنکھوں میں غیرت کے شعلے بھڑک اُٹھے۔ لیکن فوراً ہی بے بسی کے احساس نے اُسے نڈھال کر دیا۔ اُس نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا :

" یہ ایک عظیم سردار کی بیٹی ہے۔ مَیں اسے کسی ایسی جگہ دینا نہیں چاہتی جو اس کے خاندان کے شایانِ شان نہ ہو۔ سلطانہ کے حوالے اِس لئے کرنا چاہتی ہوں کہ وہ اپنی مرضی سے جہاں مناسب سمجھیں، اس کا رشتہ کر دیں۔"

" تمہارے منہ میں کیوں پانی بھر آیا ہے؟" ایک اور سپاہی نے پہلے سپاہی سے مخاطب ہو کر کہا جو ابھی تک نوجوان یونانی دوشیزہ کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔"سردار کی بیٹی کسی سردار کے گھر جائے گی۔"

" نہ جانے ہم کب سردار بنتے ہیں۔" پہلے سپاہی نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

" گھبراؤ نہیں! بہت جلد امیی جنگ چھڑنے والی ہے کہ لوگ ورنا کا میدان بھول جائینگے۔ اگر سرداری کی خواہش ہے تو اپنے آپ کو اس جنگ کے لئے تیار کرو!"

بات ختم کرنے کے بعد دوسرے سپاہی نے اپنے ساتھی کو ایک طرف ہٹا دیا اور جب دونوں سپاہیوں نے راستہ چھوڑ دیا تو بُڑھیا نے اپنی بیٹی کو محل کے اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ اور اس کے پیچھے خود بھی اندر چلی گئی۔

ڈیوڑھی کے داہنے ہاتھ غلام گردش تھی۔ جس میں ایک بوڑھی عورت کھانستی ہوئی برآمدے کی طرف جا رہی تھی۔ سامنے برآمدے میں سلطانہ مریامہ اِس کنیز کے ساتھ جس نے

شہزادے کو اُٹھا رکھا تھا۔ شہزادے ہی کے متعلق کچھ باتیں کر رہی تھی۔

یونانی بڑھیا اور اُس کی نوجوان بیٹی کو دیکھ کر سلطانہ مریامہ اُن کی طرف متوجہ ہوئی۔ کنیز شہزادے کو لے کر غلام گردش کی طرف چلی گئی۔ بڑھیا اور اُس کی لڑکی سلطانہ مریامہ کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر بیک وقت اُس کے سامنے جھک گئیں۔ اور مریامہ نے اُن کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا:

"تم کون ہو؟"

"ایک بلقانی فوجی سردار کی بیوہ، جو مرحوم سُلطانِ معظّم کی فوج میں جنگی خدمات انجام دیتا ہوا میدان میں کام آیا تھا۔" بات ختم کر کے بڑھیا ایک بار پھر زمین تک جھک گئی۔

"کس میدان میں؟"

بڑھیا نے جلدی سے اپنی جوان بیٹی کی طرف دیکھا، اور بیٹی نے ماں کی طرف۔ بڑھیا ہکلانے لگی اور ماں کو بدحواس دیکھ کر بیٹی نے جلدی سے اپنی مادری سربی زبان میں کہا:—

"ایشیا کی کسی جنگ میں —— کرمانیہ کی بغاوت کے دوران —— یہ اُس زمانے کی بات ہے جب حاکم کرمان نے سلطانِ معظّم کے خلاف سرکشی کی تھی۔"

"تم کون ہو؟" مریامہ نے یونانی دوشیزہ کی بات پر کوئی توجّہ نہ دی۔

"میری بیٹی —— اس سردار کی بیٹی، جو کرمانیہ کی بغاوت دباتے ہوئے میدان میں مارا گیا۔" بڑھیا نے اعتماد بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"تمہارا نام؟" مریامہ نے بڑھیا کی باتوں پر اب بھی کوئی توجّہ نہ دی۔ اُس کی نظریں یونانی دوشیزہ کے چہرے پر مرکوز تھیں —— وہ اس دوشیزہ میں دلچسپی لینے لگی تھی۔

"تھیوڈورا ۔۔۔ !" یونانی دوشیزہ نے زمین تک جھکتے ہوئے کہا۔

"تھیوڈورا ۔۔۔ !" سلطانہ مریامہ اُس کے قریب آگئی اس اُس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اُسے اُوپر اُٹھایا اور کہا "تھیوڈورا ! تم بڑی دلچسپ لڑکی ہو۔ آؤ تھوڑی دیر بیٹھ کر باتیں کریں۔ مجھے نہ صرف تمہاری ذات سے بلکہ تمہاری زبان سے بھی محبت ہوگئی ہے۔ میں نے یہ زبان پُورے تیس برس کے بعد سُنی ہے۔ یہ میری مادری زبان ہے۔"

"کنیز کو معلوم ہے۔ حضور نے کنیز کی جو عزت افزائی کی ہے، اُس کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہے۔"

سلطانہ مریامہ تھیوڈورا اور اُس کی فرضی ماں کے ساتھ کمرے میں آگئی۔ جب وہ تینوں آرام سے بیٹھ گئیں تو تھیوڈورا نے کہا :-

"گستاخی معاف، کنیز سب سے پہلے اس امر کا اطمینان کر لینا چاہتی ہے کہ سلطانہ نے کنیز کو اپنی سرپرستی میں قبول کر لیا ہے یا نہیں ؟"

"ابھی تمہیں شک ہے ؟" مریامہ نے کہا۔

"کنیز کو حضور کی ذات پر کبھی شک نہیں ہو سکتا ۔۔۔ البتہ اپنی خوش قسمتی پر ضرور شک ہے۔ سلطانہ نے جس فیاضی سے کنیز کی ہمت افزائی کی ہے، اُس کو دیکھ کر میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہی ۔۔۔ کہیں سلطانہ معظمہ مریامہ کے دھوکے میں کسی اور خاتون کے سامنے تو نہیں ہوں ؟"

"نہیں ! نہیں !" مریامہ نے اُسے یقین دلاتے ہوئے کہا۔ "گھبراؤ نہیں، تم اِس بدنصیب سلطانہ مریامہ کے سامنے بیٹھی ہو۔ جو اب حقیقت میں بیوہ ہو چکی ہے۔ میں سلطانِ معظم سلطان مراد کی بیوی ہوں۔ سلطان کے حقیقی بیٹے کی ماں ہوں۔ تم نے کنیز کی گود میں میرے شہزادے کو نہیں دیکھا ؟"

سلطانہ کے آخری الفاظ ابھی ہونٹوں پر ہی تھے کہ بچے کے رونے کی آواز آئی۔ تھیوڈورا

اور مریامہ خاموش ہوگئیں، اور کنیز روتے ہوئے بچّے کو لے کر اندر آگئی۔ بچّہ اپنی ماں کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔ سلطانہ نے اُسے اُٹھالیا، اور کنیز کو باہر چلے جانے کا اشارہ کیا۔ بچّہ ماں کے پاس آتے ہی خاموش ہوگیا۔

تھیوڈورا پروانہ وار اپنی جگہ سے اُٹھی، اور مریامہ کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ بچّے نے اُسے دیکھ کر اپنے ہاتھ اس کی طرف پھیلا دئیے۔ تھیوڈورا نے اُسے لینے سے پہلے اپنے سینے اور ماتھے پر ہاتھ سے صلیب کا نشان بنایا۔ سلطانہ اُسے حیرت و استعجاب سے دیکھنے لگی۔ مریامہ کی جن آنکھوں میں تھیوڈورا کے متعلق ابھی تک دلچسپی اور اشتیاق جھلکتا نظر آتا تھا۔ اب اُس کی جگہ خوف نے لے لی۔

تھیوڈورا نے ہاتھ پھیلائے اور بچّے کو لے لیا۔ اُس نے شوق سے بے اختیار ہوکر بچّے کا منہ چُوما۔ ماتھا چُوما، پھر بچّے سے مخاطب ہوکر بولی:۔

"میرے سکندرِ ثانی! تمہارا مستقبل اُس نامور یونانی فاتح سے بھی زیادہ روشن ہے۔ اُس نے نہ صرف مشرق کو اپنی مغربی سلطنت میں شامل کیا مگر اس پر حکومت نہ کر سکا۔ ایسی وسیع سلطنت پر کوئی حکومت نہیں کر سکتا۔ سورج کی آنکھ پورے دو ہزار سال سے کائنات میں اِس خوش نصیب شہزادے کو ڈھونڈھتی رہی ہے جو نہ صرف مغربی اور مشرقی کلیسا کا محافظ ہو، بلکہ مشرقی اور مغربی سلطنت پر بھی فرمانروائی کر سکے، اور وہ تم ہو، سلطانہ معظّمہ مریامہ اور سلطانِ معظّم مراد کا خوش نصیب لختِ جگر۔"

تھیوڈورا اپنے جذبات و محسوسات کی شدّت سے مغلوب ہوکر جو باتیں منہ سے نکال رہی تھی، وہ نہ صرف سلطانہ کے محل بلکہ پورے ادرنہ میں انتہائی اجنبی اور غیر مانوس تھیں۔ مریامہ کو پہلے ہی سے اپنے معصوم بیٹے کی زندگی کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ اب تھیوڈورا نے اس خوف اور سراسیمگی میں مزید اضافہ کر دیا۔

وہ سوچنے لگی۔ یہ حسین اور دلفریب دوشیزہ جس کی باتوں نے مجھ ایسی تجربہ کار سلطانہ

کا دل موہ لیا ہے، کس مقصد کے لئے حرم میں داخل ہوئی ہے؟ کہیں یہ کسی اور ملک کی جاسوسہ تو نہیں؟ اور جب اس سوال کا کوئی موزوں جواب نہ مل سکا تو چلّا کر کہا:۔

"تم کون ہو لڑکی؟ مجھے اپنے بارے میں پوری معلومات دو!"

تھیوڈورا ادب سے جھک گئی اور کہنے لگی:

"معاف کیجئے سلطانہ! کنیز کو مسرّت و انبساط کے طوفان نے ڈگمگا دیا۔ میں بہک گئی میرے معصوم جذبات ــــ میری بیکس حسرتوں اور میرے خلوص کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہوگا، مجھے یہ باتیں ابھی نہ کرنی چاہیئے تھیں۔ مگر میں چشمۂ حیواں کے کنارے پہنچ کر اپنی پیاس چھپانے سے معذور ہوں۔ میں مسیحؑ کی عظمت اور اس صلیب کے تحفّظ کے لئے، جس پر ابھی تک مسیحؑ کے خون کے دھبے نظر آتے ہیں، ورنا کی تباہی کے بعد ہنگری سے قسطنطنیہ پہنچی اور قسطنطنیہ سے آدرنہ ــــ

مجھے بتایا گیا ہے کہ نہ صرف مشرقی کلیسا بلکہ بذاتِ خود مسیحی دین کو بچانے والا شہزادہ سلطانہ مریامہ کی گود میں کھیل رہا ہے۔ جس طرح فریسی اور یہودی اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے۔ جب تک اُنہوں نے خداوند خدا کے بیٹے کو سُولی پر نہ لٹکا دیا، بالکل اُسی طرح مسلمان اور ترک اس معصوم شہزادے کے لئے آدرنہ کے سلطانی حرم میں سُولی نصب کر چکے ہیں۔ اور اس سے پہلے کہ مسیحی دین اور کلیسا کا محافظ دشمنوں کے قبضے میں چلا جائے میں اُسے قسطنطنیہ پہنچانے کے لئے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر یہاں آئی ہوں۔

مجھے معلوم ہے کہ آپ ابھی تک اپنے آبائی دین پر قائم ہیں۔ میں آپ کو مسیحیت کی مظلومی کا واسطہ دیتی ہوں، مسیحؑ کے نام کی لاج رکھ لیجئے! سینٹ پیٹر کو ترک گھوڑوں کا اصطبل بننے سے بچا لیجئے!!"

تھیوڈورا فرطِ غم سے کچھ اور نہ کہہ سکی۔ اُس کے جذبات سسکیوں میں منتقل ہو گئے، اور وہ مریامہ کے قدموں میں گر گئی ــــ

مریامہ سوچنے لگی۔ یہ حسین دوشیزہ پاگل تو نہیں ہے؟ کسی سنگدل راہب نے اُسے بد دُعا تو نہیں دی، کسی بے رحم ساحر نے اِس پر جادو تو نہیں کر دیا، بدنصیب بلقانی دوشیزہ! بچاری کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ کیا کہہ رہی ہے؟ کہاں کہہ رہی ہے؟ اور کس کے سامنے کہہ رہی ہے؟

تھیوڈورا کی سسکیاں جواَب بتدریج آہوں میں بدل چکی تھیں، کمرے کے سکوت میں تحلیل ہو گئیں۔ اُس نے سر اُٹھا کر مریامہ کو عاجزی سے دیکھا اور مریامہ نے اُسے اُٹھاتے ہوئے کہا۔ "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"کاش سلطانہ اُسے سمجھ سکتیں۔ یہ میرے غمزدہ دِل کی آواز نہیں بلکہ جواں سال قیصر پیلیولوگس اور کارڈینل جولین کے دل کی آواز ہے — یہ مشرقی کلیسا کی فریاد ہے، یہ مسیحی دُنیا کی فریاد ہے۔"

"تمہیں کارڈینل جولین نے یہاں بھیجا ہے! لیکن کیوں؟"

سلطنتِ عثمانیہ کے حقدار شہزادے کو یہاں سے نکالنے کے لئے۔"

سلطانہ مریامہ نے اپنے کمسن بیٹے کو دونوں بازوؤں میں تھام کر سینے سے لگا لیا۔ جیسے اُسے شک ہو گیا ہو کہ تھیوڈورا اُسے چھین لے گی۔

اس وقت اُسے تھیوڈورا کی شخصیت بڑی پُراسرار نظر آ رہی تھی۔ اُسے تھیوڈورا کے اردگرد ہولناک سازش کا منحوس سایہ سرسراتا محسوس ہو رہا تھا۔ اگر سازش کا یہ تانا بانا سلطان محمد نے تیار کیا ہو تو — ؟ کہیں وہ اس بہانے شہزادے کو اپنی بدنصیب ماں سے ہمیشہ کے لئے جُدا کرنا تو نہیں چاہتا! وہ یہ سمجھتی رہے کہ شہزادہ قسطنطنیہ میں قیصر اور جولین کے پاس پہنچ گیا اور اس طرح مکمل اطمینان کے ساتھ اُسے ٹھکانے لگانے کا موقع مل جائے۔ شہزادے کے متعلق نہ میں آواز اُٹھا سکوں گی، اور نہ آدرنہ کے کسی اور کونے سے آواز اُٹھے گی۔ اُف! کیسی ہولناک سازش ہے۔ رحم کرو کنواری ماں! میرے معصوم بیٹے کے

سر پہ اپنا ہاتھ رکھ دے!

سلطانہ نے آنکھیں بند کر لیں جیسے وہ حد سے زیادہ تھک گئی ہو۔ پھر کچھ سوچ کر بولی:
"تم آرام کرو، تھکی ہوئی ہو۔ تمہارے دل میں اس وقت عجیب قسم کا ہیجان ہے۔ کسی وقت پھر اطمینان سے باتیں کریں گے۔"

اور یہ کہہ کر سلطانہ مریامہ نے اپنی بوڑھی کنیز کو بلایا ــــ تھیوڈورا اور اُس کی فرضی ماں کی طرف اشارہ کیا، پھر اطمینان سے کہنے لگی: "یہ آج سے ہمارے حرم میں داخل ہو گئی ہیں، اب ان کے کھانے پینے اور رہائش کا انتظام کیا جائے۔"

اُنہیں رخصت کرنے کے بعد مریامہ نے محل کے داروغہ کو طلب کیا اور اُسے تاکید کرتے ہوئے کہا:

"آج حرم میں جو ماں بیٹی داخل ہوئی ہیں، اُن کی نگرانی کی جائے۔ نہ اُنہیں باہر جانے کا موقعہ دیا جائے اور نہ کسی باہر کے آدمی کو اُن سے مُلاقات کی اجازت دی، خواہ اُن سے ملنے والے آدرنہ کے دربار یا سلطانی حرم ہی سے کیوں نہ تعلق رکھتے ہوں۔"

محل کا داروغہ سلطانہ کے سامنے ادب سے جھک گیا ـــ

سلطانہ بولی: "بس تم جاؤ اور ارمندوس بے کو ہماری خدمت میں بھیج دو۔"

محل کا داروغہ ایک مرتبہ پھر جھکا اور اُلٹے پاؤں واپس چلا گیا۔

○

ارمندوس بے نے اپنی پُرخلوص خدمات کے صلے میں نہ صرف آدرنہ کے دربار بلکہ سلطانی حرم سے تعلقات رکھنے والے معاملات میں بھی سلطان کا اعتماد حاصل کر لیا تھا ـــ اُس نے ترک فوج کو یورپ کی جدید ترقی یافتہ فوج بنانے میں جس دلچسپی سے دن رات کام کیا تھا، سلطان اس کا بیحد مدّاح تھا۔

ان خدمات کے علاوہ اُس نے ایک ایسی تخریبی جماعت کا بھی سُراغ لگایا تھا جو کسی بیرونی قوّت کے اشاروں پر کام کر رہی تھی اور دارالحکومت کے امن کو برباد کر کے جنگی مساعی میں رکاوٹ ڈالنا چاہتی تھی۔ اُس نے سلطان کی توجّہ نہ صرف ان امن سوز سرگرمیوں کی طرف مبذول کی تھی۔ بلکہ کیفے گلکار، یونانی کتب خانہ اور یونانی ثقافت کے قدیم نمونے بیچنے والی تین چار ایسی جگہیں بھی سلطان کے ملاحظے سے گزاری تھیں جو اس جماعت کے اڈوں کی حیثیت سے استعمال ہوتی تھیں۔

اُس نے سلطان کو یقین دلایا تھا کہ مَیں خود عام طور پر اِن اڈوں کے اندر یا باہر اور اردگرد منڈلاتا رہتا ہوں، مگر ابھی تک اس سازشی گروہ کے سربراہ کے متعلق کچھ معلُوم نہیں ہو سکا۔

ارمندوس صرف سلطنتِ عثمانیہ ہی کا دوست نہ تھا، بلکہ سلطانہ مریامہ بھی اُسے اپنا ہمدرد تصوّر کرتی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ اگر کسی وقت ارمندوس سے یہ کہا جائے کہ وہ اپنی آئندہ زندگی کے لئے سلطان یا سلطانہ —— دونوں میں سے کسی ایک کو منتخب کرے تو وہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر سلطانہ مریامہ کا ہاتھ تھام لے گا۔

ارمندوس نے جب سے تھیوڈورا کو یونانی بڑھیا کے ساتھ سلطانہ کے محل میں بھیجا تھا —— اُسی وقت سے وہ اس انتظار میں تھا کہ یا تو اُسے تھیوڈورا محل میں طلب کرے گی یا مریامہ اور جب اُس نے محل کے داروغہ کو آتے دیکھا تو خوشی سے اچھل پڑا —— بلاوا آچکا تھا، اب اُسے صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ کس نے بُلایا ہے۔ سُلطانہ نے یا سلطانہ کی حسین کنیز نے؟

"سلطانہ نے یاد فرمایا ہے"!

داروغہ کے مُنہ سے یہ جملہ سُن کر ارمندوس اپنی مسکراہٹ ضبط نہ کر سکا —— "تھیوڈورا محل میں پہنچ چکی تھی، وہ یقیناً اپنا مقصد سلطانہ پر ظاہر کر چکی ہے"!

اور اب سلطانہ کو عرسطوس سے مشورہ کرنا تھا —— جو کچھ وہ مشورہ دینے والا تھا، وہ

اُسے اچھی طرح معلوم تھا۔ وہ آہستہ آہستہ بُڑبڑانے لگا:

"سلطان محمد کو اپنی زبردست فوج کے باوجود شکست ہو چکی ہے اور جرمین، ورنا کی عبرتناک ناکامی کے باوجود جیت چکا ہے ـــــ تھیوڈورا زندہ باد!"

○

وہ محل میں جب داخل ہُوا۔ اس وقت مریامہ بے چینی سے برآمدے میں ٹہل رہی تھی۔ ارمندوس کو دیکھ کر اُس کے قدم رُک گئے اور مدّھم سی مسکراہٹ سے اُسے خوش آمدید کہا۔ جس کے جواب میں وہ زمین تک جُھک گیا۔

سلطانہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی اور اپنی جگہ پر بیٹھ کر کسی تمہید کے بغیر نووارد کنیز کی حیثیت اور جذبات و محسُوسات کے بارے میں سوالات کرنے لگی۔

پھر وہ اُس سے پوچھنے لگی: کمسن شہزادے کو اُس کے بڑے بھائی سے دُور لے جانے کا آخر نتیجہ کیا ہوگا ـــــ اِس سے قسطنطنیہ یا یورپ کو کیا کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے؟

اور آخر میں وہ اُسے کریدنے لگی: ـــــ "اس سارے کھیل میں کہیں سُلطانِ وقت کا تو ہاتھ نہیں؟"

سلطانہ مریامہ کس قدر ہوشیار تھی، ارمندوس کو اس کا زندگی میں پہلی بار تجربہ ہُوا۔ لیکن وہ تو اس سے بھی چالاک تھا، سنبھل سنبھل کر جواب دیتا رہا ـــــ

ارمندوس نے شہزادے کے بارے میں کہا "وہ اگر قسطنطنیہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تو اُس کی زندگی قطعی طور پر محفوظ ہو جائے گی۔

وہ اس وقت سارے یورپ کے لئے جدید قسم کے ہتھیار کی حیثیت رکھتا ہے، جسے سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف کامیابی سے استعمال کیا جا سکتا ہے ـــــ نوجوان قیصر پلیولوگس ہو یا پاپائے روم، ہنیاڑی ہو یا کارڈینل جولین۔ جب کسی نے شہزادے کو زک پہنچانے کی

کوشش کی، اُس نے گویا خودکشی کا ارتکاب کیا۔ کمسن شہزادے کے علاوہ سلطانہ مریا مہ بھی ہاتھوں ہاتھ ہی جائے گی۔ ماں بیٹا یورپ کے لئے واقعی "ماں بیٹے" کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دونوں کی زندگی امن اور چین سے کٹے گی۔

آدرنہ میں اگر پچاس فی صدی کامیابی کی توقع ہے تو پچاس فی صدی نقصان بھی ممکن ہے ___ کامیابی صرف یہ ہے کہ شاید شہزادہ سلطان محمد کے بعد سلطنتِ عثمانیہ کا فرمانروا بن جائے، اور نقصان یہ کہ کہیں اُسے اپنی جان ہی سے ہاتھ نہ دھونے پڑیں۔

سلطانہ خود معاملے کے ہر ایک پہلو پر غور کر لیں ___ قسطنطنیہ میں شہزادے کی جان کو کوئی خطرہ نہیں اور اس بات کی قوی اُمید ہے، کہ شاید مسیحی یورپ اُسے عثمانی سلطنت کی حکومت دلوانے میں کامیاب ہو جائے۔ آدرنہ میں بھی یہ خواب دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے شرمندۂ تعبیر ہونے تک شہزادے کی زندگی ہر وقت خطرے میں رہے گی"۔

ارمندوس کے خاموش ہو جانے پر مریامہ دیر تک کچھ سوچتی رہی۔ پھر آہستہ سے کہا:

"میں پوچھتی ہوں، کہیں تھیوڈورا کو خود سلطان نے تو نہیں بھیجا؟"

مریامہ اب اپنے آپ جو لین کے تیار کئے ہوئے راستے پر آ رہی تھی۔ ارمندوس نے اپنے جذبات پر قابو رکھتے ہوئے کہا:۔

"نہیں! اگر سلطانہ اِس بات کا یقین کرنا چاہتی ہیں، تو میں اپنی عزّت و وقار کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تھیوڈورا کو سلطان نے نہیں بھیجا"۔

"تم نے اِس حسین دوشیزہ کو دیکھا بھی ہے؟" سُلطانہ نے سوال کیا۔

ارمندوس نے مریامہ کو غور سے دیکھا جیسے اس کے مافی الضمیر کو سمجھنا چاہتا ہو۔ پھر پُرسکون لہجے میں بولا ___ "آدرنہ میں ایسا کون سا انسان ہے جس کی تصویر میری آنکھوں میں موجود نہ ہو۔ میں نے اِس دلفریب بلقانی دوشیزہ کو اُس وقت دیکھا تھا جب وہ قسطنطنیہ سے چل کر شام کے قریب سانتا میرینا پہنچی تھی۔ اور حضور اگر سچ پوچھیں تو اُسے سُلطانہ مریامہ

کے محل کا راستہ دکھانے والا میں ہی ہوں۔"

"ارمندوس ــــــ بے! ! تمہیں سلطانِ وقت کی عزت و خوشحالی کے علاوہ کمسن شہزادے کی زندگی کس قدر عزیز ہے۔ تمہارے پُر خلوص دوستانہ مشورے سے مَیں اِس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ تم بھی کمسن شہزادے کو قسطنطنیہ بھیج دینے کے حق میں ہو۔" سلطانہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکی۔

"آپ کا یہ پوچھنا قبل از وقت ہے سلطانہ کہ میں شہزادے کے متعلق کیا کرنا چاہتا ہوں۔ کاش! میں آدرنہ میں شہزادے کی زندگی کے تحفظ کی ضمانت دے سکتا۔ کاش مَیں شہزادے کو آدرنہ کے دربار میں اِس مرصع تخت پر بٹھا سکتا، جہاں اِس وقت ــــ!"

وہ کچھ سوچ کر خاموش ہو گیا۔ مریامہ کے لئے غفلت کی جس قدر دوا ضروری تھی، اُس کی مقررہ خوراک اُسے مِل چکی تھی۔ اس کے اَوہام، اندیشے، دل کی دھڑکن اور جسم کا رعشہ، بے چینی اور اضطراب سب کچھ دُور ہو چکا تھا۔ کنواری ماں نے اُس کی اور اُس کے کمسن بیٹے کی حفاظت کے لئے آسمان سے فرشتے بھیج دیے تھے۔ اُس نے احسان مندی کے انداز میں سر جھکا کر کہا:۔

"تو پھر تمہارے مشوروں کی روشنی میں کوئی قطعی منصوبہ تیار کیا جائے؟"

"مَیں حاضر ہوں۔ لمبے چوڑے مشوروں اور منصوبوں کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ نے فیصلہ کر لیا ہے تو پھر تھیوڈورا کو موقعہ دیجئے۔"

"میں چاہتی ہوں تھیوڈورا کے علاوہ تم بھی مدد کرو!"

"میں کمسن شہزادے کا ادنیٰ غلام ہوں سلطانہ عالیہ!"

"تو پھر چلو اسی وقت تھیوڈورا کے ساتھ کوئی قطعی بات کریں۔"

"مناسب معلوم ہو تو تھیوڈورا کو یہیں بُلا لیجئے۔"

ملکہ نے یہ مشورہ قبول کیا۔ تھیوڈورا بُلائی گئی اور طے پایا کہ کمسن شہزادہ ابھی سے اُس کے

سپرد کر دیا جائے، اور جب وہ اپنی نئی آیا کے ساتھ گھل مل جائے اور اس قدر مانوس ہو جائے کہ اگر ہفتے دس تک بھی اپنی ماں کو نہ دیکھے تو خاموش رہے۔ اُس وقت ارمندوس بیے انہیں چپ چاپ آدرنہ کی سرحد کے پار پہنچا دے۔

اُس نے بیتاب سی ہو کر سوال کیا :۔

"کیا میں بھی شہزادے کے ساتھ نہیں جا سکتی ؟"

"آپ کا آدرنہ کی سرحدیں پار کرنا بہت دشوار ہے سُلطانہ ! آپ تھیوڈورا اور شہزادے کے ساتھ نہ جا سکیں گی۔ کیونکہ ترک فوج کا ہر ایک افسر آپ کو پہچانتا ہے۔ اور آپ کو معلوم ہے آج کل سرحدوں کے ساتھ ساتھ سلطانی دستوں نے ایسے جال پھیلا رکھے ہیں، کہ پرندہ بھی اِدھر سے اُدھر آجا نہیں سکتا۔"

"سُنا ہے قسطنطنیہ سے کوئی وفد آیا تھا ؟"

"جی ہاں آیا تھا، اور چلا بھی گیا۔"

"کچھ کشیدگی دُور ہوئی ؟"

"پہلے سے زیادہ ہو گئی۔"

"اِس کا نتیجہ کیا ہو گا ؟"

"آپ شہزادے کو قسطنطنیہ بھجوانے کی کوشش کریں۔ اگر جنگ چھڑنے سے پہلے وہ پہنچ گیا تو نتیجہ بہت شاندار ہو گا۔"

یہ بات سُن کر سلطانہ بے بسی کے انداز میں دریچے سے باہر دیکھنے لگی۔ جیسے حالات کے سامنے بے بس ہو گئی ہو۔ ارمندوس کھڑا ہو گیا اور رخصت طلب کی۔ سلطانہ نے آہستہ سے سر جھکا کر اجازت دے دی۔

جانے سے پہلے ارمندوس نے تھیوڈورا سے مخاطب ہو کر کہا :۔

"حالات نے دوشیزۂ بلقان کو ایک کمسن بچے کی ماں بنا دیا ہے۔ اب یہ ثابت

کرنا آپ کا کام ہے کہ اس کی حقیقی ماں بن سکتی ہیں یا نہیں۔ وقت بہت تھوڑا ہے اور کام بہت زیادہ۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کامیاب ہوں گی۔"

ارمندوس سلطانہ مریامہ سے رخصت لے کر باہر آیا۔ تھیوڈورا بھی اس کے ساتھ باہر آگئی۔

ارمندوس نے پوچھا: "تاتار کو گلکار میں کب دعوت دے رہی ہو؟"

"دعوت تو دے چکی ہوں۔ مگر اُس نے قبول نہیں کی۔"

"کیوں؟"

"کہتا ہے فرصت نہیں۔ سُلطان کو بعض خاص قسم کے مہماتی دستوں کے لئے چند موزوں افسروں کی ضرورت ہے، اور آج سے اُن کے مقابلے شروع ہو چکے ہیں۔"

ارمندوس مسکرایا۔ تھیوڈورا نے حیران ہو کر اُسے دیکھا اور سوال کیا:۔

"کیوں؟"

"تمہارا خدمت گار واقعی پُراسرار بنتا جا رہا ہے۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی؟"

"ابھی سمجھنے کا وقت بھی نہیں۔ دیکھو کمسن شہزادے کی دیکھ بھال ہی میں نہ کھو جانا۔ تاتار سے میل ملاقات اب بہت ضروری ہو گئی ہے۔"

"مَیں اس سے برابر ملتی رہوں گی۔"

"لیکن کہاں اور کیسے؟ وہ تو آج کل مقابلوں میں مصروف ہے۔"

"پھر؟"

"پھر میں کیا جانوں! ویسے وہ ملتا کہاں ہے؟"

"مجھے معلوم نہیں۔"

"تم نے آدرنہ میں اپنے لئے ایک عجیب خطرہ مول لے لیا ہے۔ ایک ایسا خطرہ جس کے مرکز سے تم ابھی تک ناواقف ہو، خیر ——— گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ تم بدستور

گلگار کے کتب خانہ کا چکر لگاتی رہو۔ وہ خود تم سے آملے گا۔"

ارمندوس بے جب محل کے محافظ سپاہی کے سلام کا جواب دے کر عظیم الشان ڈیوڑھی سے باہر نکلا، تو اُسے محسوس ہوُا گویا کوئی شخص اُسے محل سے نکلتے دیکھ کر گلی میں مُڑ گیا ہے اور اُس کے دل نے کہا۔ یقیناً یہ وہی شخص ہے جو آج سے کچھ عرصہ پہلے گلگار سے نکلتے وقت اُسے دیکھ چکا ہے۔

اُسے یقین ہو گیا کہ یہ تھیوڈورا ہی کا خدمت گار ہے، جو نہ صرف ترک فوج میں کوئی اہم عہدہ حاصل کر چکا ہے، بلکہ جس سے سلطان نے کئی توقعات وابستہ کر رکھی ہیں۔

○

تاتار کا خیال عرطیوس کے ذہن پر مسلّط ہو چکا تھا۔ وہ رہ رہ کر سوچتا: سلطان کو کن خاص قسم کے مہماتی دستوں کے لئے موزوں افسروں کی ضرورت ہے؟ اور اُس نے تھیوڈورا سے کیوں کہا کہ ان افسروں کے انتخاب کے لئے سلطان نے فوج میں عام مقابلے کا اعلان کر دیا ہے؟

یہ تجویز دراصل خود اُس نے پیش کی تھی اور سلطان نے اُسے بے حد پسند کیا تھا۔ تاتار نے تھیوڈورا سے غلط نہ کہا تھا۔ مگر سلطان ارمندوس سے مشورہ کئے بغیر اس مقابلے کا اعلان کیسے کر سکتا تھا؟ مشورہ نہ سہی، کم از کم اسے معلوم تو ہو جاتا۔

یہ سوچتا، وہ سیدھا اپنے نائب کے پاس پہنچا اور پوچھا —— "کیا تمہیں کسی ایسے مقابلے کا علم ہے جس میں موزوں افسروں کو چُنا جائے گا؟"

"نہیں!" اُس نے عرطیوس کے سوال پر حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "سلطان نے سرکاری طور پر ایسے مقابلے کا کوئی اعلان نہیں کیا۔ البتہ میں یہ محسوس کرنے لگا ہوں کہ عنقریب کوئی بہت بڑا واقعہ عمل میں آنے والا ہے!"

"اِس کی کوئی دلیل؟"

"پچھلے چند دنوں سے مَیں سلطان کو بعض نوجوان اور اجنبی افسروں کے ساتھ انتہائی مصروف دیکھ رہا ہوں۔"

"مثلاً کن نوجوان اجنبی افسروں کے ساتھ؟"

"ان میں سے نمایاں وہ نوجوان افسر ہے۔ جسے کل تک آپ جدید ترک فوج کے لئے قابلِ تقلید سپاہی قرار دیتے رہے ہیں۔"

"تمہارا مطلب اس نوجوان افسر سے ہے جس کے لئے میں نے سلطان سے سفارش کی تھی؟"

"جی ہاں! جی ہاں! جسے آپ جدید توپ خانے کی کمان کے لئے موزوں ترین افسر تصوّر کرتے ہیں۔"

"کیا نام ہے اس کا؟"

"بڑا عجیب سا نام ہے۔ مجھے کچھ یاد نہیں رہا۔ غالباً کسی کو بھی اُس کا اصلی نام معلوم نہیں، تاتار مشہور ہے۔"

"تاتار ——!"

ترک فوج میں کئی تاتار تھے۔ لیکن عرسطوس کا ذہن تھیوڈورا کے تاتار کی طرف منتقل ہو گیا۔ اور یہ بات اُسے بہت عجیب لگی۔ اُس نے دوبارہ سوال کیا:۔

"کیا کہا —— تاتار؟"

"جی ہاں! تاتار۔"

"تم نے اُسے آخری بار سلطان کے ساتھ کب دیکھا تھا؟"

"آخری بار؟ مَیں تو اُسے ہر روز سلطان کے ساتھ دیکھتا ہوں۔ آج بھی سلطانِ معظم، تاتار اور ایک اور آدمی گھوڑوں پر سوار شمالی پہاڑ کے دامن سے آئے۔ اُن کے گھوڑوں کی

حالت سے ظاہر ہوتا تھا جیسے میلوں سرپٹ دوڑتے رہے ہوں۔"

"پھر؟"

"پھر تینوں لمحہ بھر کے لئے اسلحہ خانے کے سامنے رُکے۔ سلطان مُسکرا مُسکرا کر ان سے باتیں کر رہے تھے۔ ان سے باتیں کر چکنے کے بعد سلطان نے مجھے طلب فرمایا اور حکم دیا کہ کل ——!"

"ہاں! ہاں! کل کیا؟"

"بس کل کہہ کر خاموش ہو گئے۔ تاتار کو دیکھا اور کہا" میرا خیال ہے۔ کل بھی سارا انتظام تم خود کر لیتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔" اور تاتار نے جھک کر کہا۔ جی ہاں! صرف کل ہی کی تو بات ہے۔ مَیں خود سارا کام کروں گا۔"

"پھر؟"

سلطان تاتار کا شکریہ ادا کرتے ہوئے چلے گئے۔"

عرطیوس نے کچھ سوچ کر پوچھا۔" تاتار رہتا کہاں ہے؟"

"نئی چھاؤنی میں سُرخ مسجد کے پاس تیسرے مکان میں۔"

اور عرطیوس یہ جملہ زیر لب دُہراتا ہُوا باہر آگیا۔

سولھواں باب

کل رات

سلطان محمد اب بھی دربار، حرم اور نئی چھاؤنی کے ہنگاموں سے اُکتا کر جزیرہ نما کے گیلی پولی کے پہاڑی دامن اور ساحل پر نکل آتا، مگر اب وہ نہ تو اکیلا ہوتا اور نہ ہی تنہائی کے عالم میں غروبِ آفتاب کا تماشا دیکھتا، بلکہ اب سربی کاریگر اور تاتار اس کے ساتھ ہوتے۔

کاریگر اپنی توپ تیار کر چکا تھا اور تاتار اُسے آزما رہا تھا۔ یہ توپیں بڑی رازداری کے ساتھ نئی چھاؤنی سے یہاں لائی جاتیں۔ سُلطان اُسے اپنی مرضی سے نصب کراتا اور اُن کی مار اور طاقت کا نتیجہ معلوم کرنے کے لئے تاتار سے اپنے بتلائے ہوئے نشانوں پر گولے پھنکواتا۔ سربی اپنی کاریگری، تاتار اپنی نشانہ بازی اور سلطان ان دونوں کی مہارت سے بہت خوش تھا۔

سربی اپنی خواہش پوری کر چکا تھا، اور تاتار اپنی، اب صرف سلطان کی خواہش کی تکمیل باقی تھی۔ اُس کی خواہش کیا تھی؟ اُسے سوائے اُس کے اور کوئی نہ جانتا تھا۔

اس نوجوان سلطان میں اپنے پیشرو سلاطین کی تمام خوبیاں موجود تھیں، وہ اپنے جدِ اعلیٰ عثمان ہی کی طرح مستقبل کی تاریکیوں میں آنے والے واقعات کو ان کی صحیح صورت میں دیکھ سکتا تھا۔ وہ اپنے باپ سلطان مراد ہی کی طرح نڈر اور دُور اندیش تھا۔ بایزید یلدرم کی طرح برق رفتاری سے اپنے منصوبوں پر عمل کرتا تھا۔ محمد اوّل کی طرح غور و خوض کا عادی تھا۔ لیکن ایک بار کوئی فیصلہ کرنے کے بعد اس پر نظر ثانی کا قائل نہ تھا۔ اور اپنے باپ کی طرح آگ کے سمندر کو ساحل پر کھڑے ہو کر دیکھنے کے لئے تیار نہ تھا۔ بلکہ سوچے سمجھے بغیر اس میں کُود پڑتا تھا۔

اِن خوبیوں کے علاوہ اُس میں ایک خُوبی ایسی تھی، جو پہلے کسی ترک سلطان میں نظر نہیں آتی۔ وہ یہ کہ جو کچھ اُس کے دل میں ہوتا تھا، اُسے کسی اور پر ظاہر نہ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس کے مرحوم باپ کے بوڑھے سالار نے اُسے انتہائی پریشان دیکھ کر پوچھا :۔

"آخر اس پریشانی کی کیا وجہ ہے سلطانِ عالی !"

"مجھے کیا معلوم ؟" سلطان نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اگر اپنی پریشانی کی وجہ آپ کو بھی معلوم نہیں تو پھر کیسے معلوم ہو گی ؟ غالباً اس پریشانی کا سبب کوئی ایسا منصوبہ ہو گا جس کی تمام تفصیلات واضح صورت میں سلطان کے سامنے نہیں آ رہیں ؟"

سلطان نے بوڑھے سپاہی کو محبّت اور احترام سے دیکھا اور مسکرا کر کہا :۔

"تم نے ٹھیک ہی کہا۔ لیکن اگر اس منصوبے کا دُھندلا سا خاکہ خود میری داڑھی کے بال کو معلوم ہو تو میں اُسے اپنے ہاتھ سے نوچ لُوں گا۔"

اور اس نے بالکل سچ کہا تھا۔ اِس کا دِل سمندر کی طرح گہرا تھا، اور دماغ ان چٹانوں کی طرح نکیلا جو سمندر کے تھپیڑے کھا کھا کر تلوار سے زیادہ تیز ہو جاتی ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ اُس نے فوجی معاملات کو اس طرح مرتّب کیا تھا کہ اس کے ایک ذمّہ دار افسر کو بھی

یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ دوسرا افسر کیا کر رہا ہے۔

اور پھر جب —— سربی کاریگر کی نئی توپ آزمائش کے ہر مرحلے سے گزر گئی تو سلطان نے اُسے حکم دیا: "ایسی پچاس توپیں اور ڈھالی جائیں!"

لیکن اُس نے اِس بات کی کسی کو خبر تک نہ ہونے دی۔

اور اس کے بعد جب تاتار کو یہ حکم ملا کہ جتنی توپیں تیار ہو چکی ہیں، انہیں فوراً مامورا اور باسفورس کے کناروں پہ بنے ہوئے چار بُرجوں کی طرف بھیجا جائے"۔

تو یہ تیاریاں بھی دوسروں سے بالکل اوجھل رکھی گئیں ——

چپکے چپکے پُرانے بُرجوں کی نئے سرے سے مرمت ہو چکی تھی۔ تاکہ وہ اِن توپوں کے متحمل ہو سکیں اور تھوڑے ہی دنوں میں دو نئے بُرجوں کی تعمیر تکمیل کے آخری مرحلے میں پہنچ گئی۔

اُس وقت سلطان نے سالارِ اعلیٰ سے کہا: "اب کی سالانہ جنگی مشقیں جزیرہ گیلی پولی کی بجائے —— باسفورس اور مارمورا کے ساحل پہ ہوں گی۔ آہستہ آہستہ توپیں جدید جنگی سازوسامان سے آراستہ کی جائیں اور جو دستے گیلی کا نئے سے لیس ہو چکے ہیں، انہیں بڑی رازداری کے ساتھ قسطنطنیہ کی طرف روانہ کیا جائے۔

تاتار کو جدید قسم کی پچاس توپوں پر مشتمل بھاری توپ خانے کے لئے تمام ضروری سازوسامان اور گولہ بارُود کی فراہمی کے لئے قطعی احکامات سنا دئے گئے تھے اور فوجی دستہ کے افسرِ اعلیٰ سے کہا گیا تھا کہ اب کی فوجی مشقیں پُورے سال تک جاری رہیں گی۔ اور مشقی طور پر قسطنطنیہ ایسے شہر کے ایک سال تک محاصرے کے لئے جس قسم کے سامان کی ضرورت ہے۔ اس کی فوری ذخیرہ اندوزی آج ہی سے شروع کر دی جائے۔

ان کاموں سے فارغ ہونے کے بعد سلطان نے ازمندوس بے کو طلب کیا اور اُسے حکم دیا: "ہم گیلی پولی کے کنارے جہاز سازی کے کارخانے، گودی اور بحری چھاؤنی کی تعمیر کا

فیصلہ کر چکے ہیں۔ تم فوراً اُس کا ایک مکمل خاکہ تیار کر کے ہمارے سامنے پیش کرو۔ جس میں دیگر تفصیلات کے علاوہ اس رقم کا تخمینہ پیش کیا جائے جو اس منصوبے پر خرچ ہوگی +

○

تاتار کو اطلاع مل چکی تھی کہ نہ صرف ادمندوس بے۔ بلکہ ایک حسین اور نوجوان خاتون بھی نئی چھاؤنی میں سُرخ مسجد کے قریب ـــــ تیرے مکان کے اِرد گِرد چکر لگاتے رہے ہیں۔

اور وہ جولین کے خط کی روشنی میں، اپنی چھوٹی چھوٹی معلومات کو ایک سلسلے میں مربوط کرنے کے بعد، اِس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ تھیوڈورا ـــــ "ماں بیٹے" کے پاس پہنچ چکی ہے۔

اُس نے اُسے سلطانہ مریامہ کے نئے محل میں یونانی بڑھیا کے ساتھ داخل ہوتے دیکھ لیا تھا اور ـــــ عرسطوس کو بھی مریامہ اور تھیوڈورا کے ساتھ مشورے کے بعد اسی مکان سے نِکلتا دیکھ چکا تھا۔

اور اب اُسے یہ باور کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آ رہی تھی کہ اب ـــــ اُن کا منصوبہ تکمیل کے بالکل آخری مرحلے میں داخل ہو چکا ہے۔

اِس کے بعد وہ کونسا رُخ اختیار کرے؟ وہ سوچنے لگا ـــــ منصوبے کا سدِّباب تو آسان تھا مگر، اُس کے مقابلے پر ادمندوس بے تھا ـــــ ادمندوس، جس کے ذرائع اور اثر کی بنیادیں انتہائی مضبوط تھیں۔ اس کے علاوہ، ادمندوس اور تاتار کے درمیان سلطنتِ عثمانیہ کا کمسن شہزادہ بھی تھا ـــــ جس سے سلطان کو محبّت آمیز وابستگی تھی اور یہ ایک ایسا نازک سوال تھا جسے کسی طرح بھی نظر انداز نہ کیا جا سکتا تھا۔

آخر سوچ سوچ کر، وہ اِس نتیجے پر پہنچا کہ ـــــ جب تک ادمندوس کے خلاف کوئی

ناقابلِ تردید ثبوت مہیّا نہ کر لیا جائے، اس وقت تک بھڑوں کے اِس چھتّے میں ہاتھ ڈالنا مصلحت کے خلاف ہے۔

اس وقت سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ ——اونیدوس کے خلاف ثبوت کس طرح مہیا کیا جائے؟

—— وقت بہت تھوڑا تھا، اور کام انتہائی مشکل، اور تاتار کو فوری طور پر کوئی فیصلہ کن قدم اُٹھانا تھا۔

وہ سوچنے لگا اور سوچتے سوچتے گلگار جا پہنچا۔

اُسے راستے ہی میں معلوم ہو گیا تھا کہ تھیوڈورا سلطانہ مریانہ کے محل سے ابھی ابھی باہر نکلی ہے —— تھیوڈورا اور ارطیوس بھی اپنے آخری مرحلے کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ کرنے کے لئے ایک دوسرے سے ملنے والے تھے۔

○

آج تاتار بے حد پریشان تھا۔ اُس نے گلگار پہنچ کر اندرونی ماحول کا جائزہ لیا۔ تھیوڈورا اُس کی توقع کے عین مطابق کونے میں اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھی تھی۔ وہ اندر چلا گیا۔ تھیوڈورا اسے دیکھ کر مسکرائی۔ اور اپنے پاس بُلانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا:۔

"تم آخر یونانی قہوہ پینے آ ہی گئے؟"

"یونانی ہو یا ترکی، اس وقت قہوے کی بہت ضرورت ہے۔"

تھیوڈورا نے تاتار کے چہرے پر نظریں مرکوز کر دیں۔ آج اُس کی آواز بھی بدلی ہوئی تھی جیسے اس کے ذہنی بوجھ سے دب چکی ہو۔ اُس نے سوال کیا —— "آخر یہ کیا ہے؟ آج تم کچھ اُکھڑے اُکھڑے سے نظر آتے ہو؟"

"نہیں تو!" تاتار نے اپنے چہرے اور آواز کو شگفتہ بنانے کی کوشش کی۔

"تاتار —— ! تم جس دن سے ترک فوج میں شامل ہوئے ہو، نہ صرف بدل گئے ہو بلکہ میں محسوس کرتی ہوں کہ تم مجھ سے کھنچے کھنچے بھی رہتے ہو۔ مجھ سے نادانستہ کوئی غلطی تو نہیں ہوئی ؟ یقین کرو میں اُس وقت تک آدرنہ میں زندہ رہ کر صرف تمہاری طرف دیکھ رہی ہوں میں نے ان لمحات کو بار بار آواز دینے کی کوشش کی ہے جو تمہارے ساتھ جوزلفیہ اور پہاڑوں سے گھری ہوئی وادی میں گزر چکے ہیں۔"

"بھیوڈورا !"

تاتار نے اپنے دونوں ہاتھ بھیوڈورا کے ہاتھوں پر رکھ دئے۔ اُس کی آنکھیں پہلے سے زیادہ اُداس اور اُس کی آواز اور زیادہ بوجھل ہو گئی۔ وہ کچھ دیر رُک کر بولا :

"میں نے جس دن تمہیں سانتا میریا میں الوداع کہا تھا۔ اس دن سے آج تک اس کوشش میں ہوں کہ اپنے آپ کو تمہارے قابل بنا سکوں —— میں نے پہاڑوں سے گھری ہوئی وادی میں تمہارے ساتھ زندگی کی انتہائی شاندار رات گزارتے وقت تمہارے اور اپنے مستقبل کے متعلق جو شاندار خواب دیکھا تھا، ابھی تک اس کی تعبیر تلاش کرنے میں سرگرداں ہوں۔ میں تمہیں اپنی زندگی سے وابستہ کر چکا ہوں۔ میں تمہیں اپنی تقدیر بنا چکا ہوں اور ایسا کون بدنصیب شخص ہو گا جو اپنی زندگی —— اپنی تقدیر سے کھنچا کھنچا رہے ؟"

تاتار کو ایسا محسوس ہُوا جیسے بھیوڈورا آہستہ آہستہ اس کی طرف کھنچی آ رہی ہے —— اس کا سر اُس کے کندھوں کو چھُو رہا تھا۔ اُس کے سنہری ریشمی معطّر بال تاتار کے وجود پر اپنا سایہ ڈال رہے تھے۔ مگر اس کیفیت میں تاتار کو وہ بے تابی، وہ بے اختیاری نظر نہ آتی تھی جو اس جذبے کی رُوح ہے اور وہ خود بھی تو دردناک فریب سے کام لے رہا تھا۔

اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دو سانپ پھن پھیلائے ایک دوسرے کے سامنے

کنڈلی مارے بیٹھے ہوں، دو شعلے لرز رہے ہوں ۔۔۔۔ پیچ و تاب کھا رہے ہوں۔ اب اِن دونوں میں سے کون سلامت رہتا ہے؟ تاتار اسی سوال کا جواب تلاش کر رہا تھا۔

اُس نے ایک بار پھر گلکار کے ماحول پر سرسری نظر ڈالی۔ یہاں ان دونوں کے سوا اور کوئی موجود نہ تھا۔ اچانک سامنے بڑے دروازے سے ہوا کا ایک بے باک جھونکا اندر آیا ۔۔۔ پردے سرسرانے لگے اور تھیوڈورا کے بال تاتار کے مُنہ پر لہرا گئے۔ اُس نے ان برہم مشکبار زلفوں کو اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔ اور ان سے کھیلتے ہوئے کہا:

"کاش! تمہیں معلوم ہوتا کہ اِن زنجیروں میں جکڑے ہوئے دل اس وقت تک آزاد نہیں ہو سکتے جب تک اُن کی دھڑکن فنا نہ ہو جائے۔ تم وہ بلقانی جادوگرنی ہو تھیوڈورا! جس نے صحرائے گوبی کے ایک بھولے بھالے نوجوان کو اپنا غلام بنا لیا ہے۔ اور سچ پوچھو تو اب مجھے اس غلامی پر ناز کرنے کا سلیقہ آ گیا ہے۔"

تھیوڈورا کا سر پھر تاتار کے کندھے سے لگ گیا۔ اُس نے تاتار کا ہاتھ تھام کر کہا ۔۔۔ "میں تمہیں اس قدر پریشان نہیں دیکھ سکتی۔ بتاؤ تم کیا سوچ رہے ہو؟ اگرچہ میرے کندھے کمزور ہیں۔ مگر میں تمہارے غم کا بوجھ اُٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ مجھے اپنا دوست سمجھو تاتار! مجھ پر بھروسہ کرو۔"

"تم نے مفت میں بات کا بتنگڑ بنا دیا۔" اُس نے تھیوڈورا کا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا۔ "اگر میں اپنی تھیوڈورا پر بھروسہ نہ کروں گا تو زندہ کیسے رہوں گا!"

"تو پھر بتاؤ نا، آج تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟"

تاتار نے رازدارانہ نظروں سے اپنے گرد و پیش دیکھا اور پھر اپنا مُنہ تھیوڈورا کے کان کے قریب لے جا کر کہا:

"آج سلطان کو یہ فیصلہ کرنا تھا کہ مجھے جدید مہماتی دستوں میں سے ایک طوفانی دستے کی کمان دی جائے یا نہ دی جائے۔ لیکن اچانک اُس نے کہیں جانے کا ارادہ کر لیا۔

اور مجھ سے کہا ـــــ میری واپسی کا انتظار کرو۔"

"تو اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔ وہ شام تک یا شاید کل تک لوٹ آئیں گے۔"

"نہیں تھیوڈورا، وہ کسی ایسی جگہ جا رہا ہے جہاں سے مجھے اُس کے سلامت آنے کی اُمید نہیں۔"

"کس جگہ؟"

تاتار نے ایک مرتبہ پھر چاروں طرف نگاہ ڈالی اور کہا "قسطنطنیہ کی طرف!"

"قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کے لئے؟"

"نہیں! اگر وہ حملہ کے لئے جاتا تو میں اس قدر پریشان نہ ہوتا۔"

"تو پھر وہ کس لئے قسطنطنیہ جا رہا ہے؟"

"قسطنطنیہ کے مدافعتی انتظامات کا جائزہ لینے کے لئے۔"

"تھیوڈورا کا قہقہہ گلکار کی خاموش فضا میں گونج گیا۔ اُس نے کہا "تو پھر گھبرانے کی کیا بات ہے۔ وہ حفاظتی دستے کے ساتھ جا رہا ہو گا۔"

"یہی تو دُکھ ہے تھیوڈورا کہ وہ بالکل اکیلا جا رہا ہے۔"

"اکیلا؟"

"ہاں ـــــ! اکیلا!! اور قسطنطنیہ کے مضافات میں رومی فوجیں جنگی مشقیں کر رہی ہیں! اگرچہ سلطان بڑی رازداری سے کام لے رہا ہے۔ لیکن جس طرح مجھے معلوم ہو گیا ہے اسی طرح بعض اور لوگ بھی تو جان سکتے ہیں۔ شاید تم نہیں جانتیں۔ آدرنہ میں دشمن جاسوس موجود ہیں۔ اگر کسی نے یونانیوں کو بروقت آگاہ کر دیا تو سلطان کا آدرنہ واپس آنا معجزے سے کم نہ ہو گا۔ اور میں اچھی طرح سمجھتا ہوں، اب ایسے معجزے نہیں ہوتے۔"

"تمہیں سلطان کی موت کا افسوس ہے؟"

اب کی تاتار نے قہقہہ لگایا اور کہا: "مجھے تو اپنی ناکامی کا افسوس ہے تھیوڈورا۔

سلطان نے مجھے طوفانی دستے کی کمان سونپ دی ہوتی تو پھر ہزار بار مرجاتا۔"

تھیوڈورا کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی ـــــ تاتار نے محسوس کیا جیسے وہ اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ سے چھڑانے کے لئے نادانستہ کوشش کر رہی ہو۔ اُس نے تھیوڈورا کا ہاتھ چھوڑ دیا اور تھیوڈورا نے جیسے کچھ سوچ کر کہا:

"تاتار! مان لو سلطان نے قسطنطنیہ جانے سے پہلے تمہیں طوفانی دستے کی کمان سونپ دی اور خود قسطنطنیہ سے زندہ واپس نہ آیا تو اس سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟"

"آدرنہ میں طوفانی دستے کی کمان تھیوڈورا ـــــ! اس طوفانی دستے کی کمان قسطنطنیہ کی تسخیر کے لئے تنہا کافی ہے۔ اور پھر جانتی ہو سلطان کی اچانک اور بے وقت موت سے دار الحکومت میں کس قسم کا سیاسی طوفان برپا ہوگا؟ تاجداروں کے تاج ایسے طوفان ہی میں تو چھینے جاتے ہیں!"

"قہوہ بھیجو قہوہ!" تھیوڈورا بے اختیار ہو کر ہنسی۔ تاتار دیکھ رہا تھا۔ تھیوڈورا جذبات کے بھنور میں ڈوب چکی ہے۔ قہوہ اُس کے سامنے پڑا تھا، اور وہ قہوے کے لئے چلا رہی تھی۔ تاتار پیالیوں میں قہوہ ڈالنے لگا۔ جس کی آواز سن کر تھیوڈورا چونکی۔ اور اُس نے جیسے اپنی ندامت چھپاتے ہوئے کہا:۔

"تاتار! تمہاری ناکامی کے احساس نے مجھے بدحواس کر دیا ہے۔ دیکھو! مجھے تمہاری ذات سے کس قدر گہرا تعلق ہے۔ ایسے موقعے پر تمہیں پاگل ہو جانا چاہیئے تھا، مگر ہوئی میں جا رہی ہوں۔ واقعی تم بڑے سخت دل ہو۔"

"اس لئے کہ میں ابھی تک مایوس نہیں ہوا۔ میری کامیابی کا امکان اگرچہ دھندلا ضرور ہو گیا ہے مگر قطعی طور پر معدوم نہیں ہوا۔"

"کیوں؟" تھیوڈورا نے اپنی بے تابی چھپانے کے لئے اپنا منہ قہوے کی پیالی پہ رکھ دیا۔

"اِس لئے کہ سلطان بڑی تیزی سے روانہ ہو چکا ہے، اور جب تک دشمن کوئی قدم اُٹھائے سلطان کو جہاں جانا ہے وہاں پہنچ چکا ہو گا۔ پھر اس وقت آدرنہ اور قسطنطنیہ کے سیاسی حالات نے ایسی صورت اختیار کر لی ہے کہ شاید قیصر آدرنہ کے جاسوسوں کے بھیجے ہوئے پیغام پر یقین نہ کرے۔ ہاں اگر خط پر جاسوسوں کے سرغنے کے دستخط ہوں تو شاید اُسے تسلیم کر لیا جائے۔"

تاتار نے پیالی کے اُوپر سے تھیوڈورا کو دیکھا۔ وہ کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ تاتار نے خالی پیالی نیچے رکھتے ہوئے کہا۔ "بہر حال اب میں سلطان کی واپسی کے لئے دُعا کروں گا۔ اور مجھے یقین ہے کہ تم بھی آمین کہو گی!"

"ضرور! ضرور!! کیونکہ تمہاری خواہش میری خواہش اور تمہاری خوشی میری خوشی ہے۔"

"شکریہ!" تاتار نے کھڑے ہو کر کہا۔ "مجھے تم سے یہی اُمید ہے۔"

تھیوڈورا، تاتار کو دیکھنے لگی۔ تاتار نے رخصت ہوتے ہوئے کہا۔ "ہاں! یہ تو ابھی تک معلوم ہی نہ ہو سکا۔ کہ یونانی قہوہ تھا یا ترکی۔ تاہم جو کچھ بھی تھا، اُس کے لئے شکریہ!"

"بیٹھو! کہاں جا رہے ہو؟"

"میں تو آدرنہ سے باہر سلطان کی راہ دیکھوں گا ——— سلطان کی خبر لانے والے قاصد کی۔"

تاتار تھیوڈورا کو خالی چائے دانی اور بھری ہوئی پیالی میں اُلجھا کر گلگار سے باہر نکلا۔ اور سعید حانئ چھاؤنی پہنچا۔ سُرخ مسجد کی دیوار کے سائے میں اُس کا اردلی اُسے دیکھ کر رُک گیا۔ اُس نے اردلی سے مخاطب ہو کر کہا: "ارجمند چلا گیا؟"

"اُسی وقت۔"

"کتنے جوانوں کے ساتھ؟"

"چار سپاہیوں کے ساتھ۔"

"اُسے سب کچھ سمجھا دیا تھا؟"

"ہاں! سب کچھ۔" میں نے اُسے بتا دیا تھا کہ قسطنطنیہ کی سڑک پر کم از کم پندرہ میل طے کرنے کے بعد آدرنہ سے آنے والے سوار کی راہ دیکھے اور جب سوار اس کے قریب پہنچ جائے تو اُسے زندہ گرفتار کر لے ـــــ بڑی احتیاط کے ساتھ اُس کی تلاشی لے، اگر اُس کے قبضے سے کوئی ایسا خط برآمد ہو جس پر عرلیطوس کے دستخط ہوں تو خط اور قاصد کو حفاظت کے ساتھ نئی چھاؤنی آپ کے پاس لے آئے۔ اور اگر خط دستیاب نہ ہو تو ـــــ!"

"تو ـــــ؟" تاتار نے جلدی سے پوچھا۔

"تو جاسوس کو اس طرح ٹھکانے لگا دیا جائے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو!"

تاتار مسکرایا اور اردلی کو شاباش دیتے ہوئے کہا:۔

"بہت خوب! اب تم سپاہی کے نام سے موسوم کئے جا سکتے ہو۔ جاؤ آج کی چھٹی۔ مگر دیکھنا، کہیں یونانی قہوہ خانوں کے چکر میں نہ پڑ جانا۔"

○

ادمندوس بے اپنے دفتر میں بیٹھا گیلی پولی کے کنارے نئی گودی، بحری چھاؤنی اور بحری بیڑے کی منصوبہ بندیوں میں کھویا ہوا تھا۔ تھوڈورا اُسے اس قدر منہمک دیکھ کر حیران تھی۔ اُسے یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ کوئی کمرے میں داخل ہوا ہے۔

اُس کے قریب پہنچ کر وہ دیر تک اُسے دیکھتی رہی۔ اور جب اُسے یقین ہو گیا کہ وہ ابھی تک اُس کی آمد سے بے خبر ہے، تو اُس نے چپکے سے وہ کاغذ اُس کے سامنے رکھ دیا، جسے وہ پہلے ہی لکھ کر لائی تھی ـــــ اِس کاغذ پر صرف عرلیطوس کے دستخطوں کی ضرورت تھی۔ اپنے سامنے کاغذ دیکھ کر عرلیطوس چونکا۔ گھبرا کر گردوپیش پر نگاہ ڈالی، اور تھیوڈورا کو

سامنے دیکھ کر مسرت بھری آواز میں بولا ـــ " اوہ تم! خیر تو ہے؟"

تھیوڈورا نے کاغذ کی طرف اشارہ کیا۔ کاغذ دیکھ کر عرلطیوس نے سوال کیا " کیا ہے یہ؟"

" پڑھ لو!"

عرلطیوس پڑھنے لگا :-

" وقت کی کمی اور صورتِ حال کی نزاکت ملحوظ رکھتے ہوئے تفصیلات نظر انداز کی جا رہی ہیں ـــ سلطان محمد اپنی آنکھوں سے قسطنطنیہ کے دفاعی انتظامات کا جائزہ لینے کے لئے انتہائی پُراسرار حالات میں آدرنہ سے روانہ ہو چکا ہے، جو یونانی فوجیں نئے بُرجوں کی تعمیر میں مزاحمت ڈالنے کے لئے باسفورس اور مارمورا کے ساحلوں پر برائے نام جنگی مشقوں میں مصروف ہیں، اُن میں سے ایک انتہائی موزوں دستہ منتخب کر کے فوراً سلطان کی پیشوائی کے لئے روانہ کر دیا جائے۔ اور اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ سلطان شاہراہ پر سفر نہ کرے گا۔ اِس ساحل کے قریب پہاڑی دامن کے ساتھ ساتھ سپاہیوں کا جال پھیلا دیا جائے ـــ سلطنتِ عثمانیہ کے تخت تک مرایہ کے کمسن شہزادے کا راستہ ہموار کرنے کے لئے اس سے عُمدہ موقع پھر کبھی ہاتھ نہ آئے گا۔"

" یہ تم نے لکھا ہے؟" عرلطیوس نے خط سے نظریں ہٹا کر تھیوڈورا کے چہرے کی طرف دیکھا ـــ

" ہاں!"

" خواب دیکھا ہے؟"

" اتنا قیمتی وقت باتوں میں ضائع نہ کرو عرلطیوس! تم اس پر فوراً دستخط کرو اور اسی وقت کسی تیز رفتار قاصد کے ہاتھ سے قسطنطنیہ بھجوانے کا انتظام کرو۔"

"تمہیں یہ اطلاع کس نے دی ہے؟"

"تاتار نے۔"

"تم اور کس کا نام لے سکتی ہو؟ وہ ہم سب کو پاگل بنا رہا ہے تھیوڈورا! میں تاتار کی اطلاعات پر ایسا قدم اُٹھانے کو ہرگز تیار نہیں۔"

"تاتار نے تمہیں واقعی پاگل بنا دیا ہے۔ اُس نے اپنی ذہانت سے ایسی شاندار ترقی ہے کہ اب تم اس کی گردِ راہ کو بھی نہیں پا سکتے اور اِس سے پہلے کہ تاتار کے قدموں سے اُٹھا ہوا گرد و غبار تمہاری پوری کائنات کو تاریک بنا دے، تم اس خط کو قسطنطنیہ بھجوا دو۔"

"اوہ۔۔۔" ارطیوس مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ نفرت اور حقارت میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"آخر تم پر بھی اس کا جادو چل گیا۔ اگر تاتار تمہاری سیاسی زندگی تباہ کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے تو اس کا مجھے کوئی افسوس نہیں، مگر میں تو اپنے دیوالیہ پن کا ثبوت نہیں دے سکتا۔"

"ارطیوس! میں نہایت ادب سے درخواست کرتی ہوں کہ اِتنا قیمتی وقت ضائع نہ کرو۔ تاتار پر نہیں، مجھ پر بھروسہ کرو۔ تاتار تمہارے مقابلے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ مگر میرے سامنے وہ طفلِ مکتب ہے۔ تم میری شخصیت کا مذاق نہ اُڑاؤ۔ میں اپنے حسن و شباب کی قسم کھا کر کہتی ہوں، تاتار کی رُوح میری مٹھی میں تڑپ رہی ہے۔ اگر تم چاہو، تو میں تمہیں اُس کا جھکا ہوا سر اپنے قدموں میں، اپنی ٹھوکروں میں دکھا سکتی ہوں۔"

ارطیوس اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر خاموش بیٹھ گیا اور تھیوڈورا کو دیکھنے لگا۔۔۔ جذبات کی شدت نے تھیوڈورا کے حسین چہرے کو اور زیادہ دلفریب بنا دیا تھا۔ اُس کے لہراتے ہوئے بالوں سے ایک ایسا کیف منتشر ہو رہا تھا جس نے ارطیوس کو تقریباً مدہوش کر دیا۔ وہ سوچنے لگا، جس عورت کی مرضی کے خلاف وہ خود سانس تک نہیں لے سکتا جس کے حکم پر وہ اپنی جان خوشی سے قربان کر سکتا ہے۔ اُس کے سامنے تاتار کی کیا حیثیت ہے؟

تھیوڈورا سچ کہتی ہے۔ نہ صرف تاتار بلکہ اِس پوری دُنیا کی رُوح بھی تھیوڈورا کی لمبی مخروطی اُنگلیوں میں تڑپ رہی ہے۔ اُس نے تھیوڈورا کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور اُسے اپنے قریب آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا:-

"تم واقعی جادوگرنی ہو تھیوڈورا!"

تھیوڈورا نے آہستگی سے اُس کا ایک ہاتھ تھاما اور اس میں قلم تھما دیا۔ اور طنزیہ انداز میں مسکراتی ہوئی بولی "لو اِس پر دستخط کرو۔"

بہیمانہ جذبات کے غلبے سے عرلطیوس کے اعصاب جھنجھنا رہے تھے۔ اُس نے ایک فرمانبردار بچے کی طرح کاغذ پر دستخط کر دئیے۔ تھیوڈورا اُس کی اس وارفتگی پر ایک بار پھر طنزیہ انداز میں مسکرائی۔ اور خط اُٹھا کر احتیاط سے تہہ کرنے لگی۔ دستخط کرتے ہی عرلطیوس کے ہاتھ سے قلم چھُوٹ گیا۔ تھیوڈورا نے قلم اُٹھا کر اُسے دیتے ہوئے کہا:

"تمہیں اپنی اور اپنے قلم کی بہت زیادہ حفاظت کرنی چاہیئے۔ تم ایک ذمّہ دار آدمی ہو عرلطیوس! مسیحی دُنیا کو تمہاری ذات سے بہت سی توقعات ہیں۔"

"لیکن تمہارے سامنے یہ احتیاط کس طرح کر سکتا ہوں، تم نے تو سچ مچ میرے اُوپر جادُو کر دیا ہے۔"

تھیوڈورا کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی، جیسے اس وقت وہ صرف عرلطیوس پر نہیں بلکہ مردوں کی پُوری برادری پر ہنس رہی ہو۔ ان کی کمزوری کا مذاق اُڑا رہی ہو۔

عرلطیوس نے کچھ اور کہنا چاہا تو اُس نے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر اُسے خاموش کر دیا، اور پُروقار لہجے میں بولی:

"اچھا اب باتیں نہ بناؤ! اس خط کو فوراً قسطنطنیہ بھجوانے کا بندوبست کرو۔ یہ انتہائی اہم ہے۔"

میں بے حد مصرُوف ہُوں۔ تم خود ہی تھوڑی سی تکلیف کر کے سانتا میریا تک چلی جاؤ۔

اور راہب کو میرا سلام پہنچا کر کہو۔ یہ خط فوراً روانہ کر دیا جائے۔"

"ایسی کیا مصروفیت ہے؟"

"ہمیں سلطنتِ عثمانیہ پر ہر محاذ سے حملہ کرنا چاہیئے ــــ سلطان گیلی پولی کے جزیرے کو بحری چھاؤنی میں تبدیل کرنا چاہتا ہے، جہاں گودی بنے گی۔ جہاز سازی کا کارخانہ وجود میں آئے گا۔ اور جو قوم آج یورپ کی ناقابلِ تسخیر بری قوت تسلیم کی جاتی ہے، وہ اب یورپ کی زبردست بحری قوت بھی بن جائے گی۔

تمہاری دُعا سے مَیں بھی ایسا منصوبہ بنا رہا ہُوں کہ سلطنت کا سارا خزانہ خالی ہو جائے گا ــــ وہ خزانہ جس میں ایشیا اور یورپ کی دولت سمٹ آئی ہے۔ سلطنت بِک جائے گی، تخت و تاج بِک جائے گا، وہ حسین لونڈیاں اور کنیزیں بِک جائیں گی جن کے دم قدم سے سلطانی حرم آباد ہے ــــ مگر گیلی پولی کا جزیرہ غیر آباد ہی رہے گا۔"

تھیوڈورا نے اس بات میں ذرا بھی دلچسپی نہ لی۔ جیسے وہ اُسے ایک خیال پرست کی بڑ سمجھ رہی ہو۔ خط جیب میں رکھا اور باہر جانے کے لئے مُڑی۔ وہ باہر جانے لگی تو عرطوس نے اُسے روک لیا اور کہا: "خُوب یاد آیا ــــ میں تو آج فرصت نکال کر تمہارے پاس آنے والا تھا۔ شہزادے کے ساتھ کیسی نبھ رہی ہے؟ وہ کچھ مانوس ہُوا یا نہیں؟"

"بہت اچھی، آج مَیں نے اُسے دوپہر تک سلطانہ سے دُور رکھا اور اُس نے ماں کا نام تک نہ لیا۔"

"میں کہتا ہوں اب اور زیادہ وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں ایسے راستے سے قسطنطنیہ بھیجوں گا کہ ایک پہر کے اندر اندر سرحد پار کر لوگی۔ سرحد پار کرتے ہی شہزادے کا رونا دھونا اور ماں کے لئے واویلا تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ میری مانو تو کل ہی روانہ ہو جاؤ ــــ سلطانہ مریا کا کیا خیال ہے؟"

"وہ تو شہزادے کو فوراً ادرنہ سے نکالنا چاہتی ہیں۔ آج میں دوپہر کے قریب

شہزادے کو لے کر محل میں داخل ہوئی، تو سلطانہ اپنے بیٹے کو دیکھنے کے لئے برآمدے میں موجود نہ تھیں، اور جب میں نے اُن سے پوچھا کہ آج آپ نے برآمدے میں شہزادے کا استقبال کیوں نہ کیا۔ اس کا منہ کیوں نہ چوما؟ تو آہ بھر کر کہنے لگیں۔ اب مجھے بھی اپنے دل پہ جبر کرنے کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ آج نہ سہی تو کل۔ آخر شہزادہ مجھ سے رخصت ہو ہی جائے گا!"

"تو پھر تم کل ہی تیاری کر لو۔ میں بھی آج رات یہ کام ختم کر کے تیار ہو جاتا ہوں۔"

"تمہیں ایک اور کام بھی کرنا چاہیئے!"

"وہ کیا؟"

"یہ ہمارا آخری اقدام ہے اور ہمیں ہر امکان کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ اگر تم میرے اور شہزادے کے ساتھ گئے تو پھر ہمیں سرحد پر کسی خطرے کا احتمال ہی نہیں لیکن فرض کرو کہ تم ہمارا ساتھ نہ دے سکو۔ شاید تمہیں رُکنا پڑ جائے، اور بھی کئی باتیں ہو سکتی ہیں۔ ایسی صورت میں میرے لئے راہداری کا علیحدہ پروانہ پہلے ہی سے موجود ہو، اور میں تمہارا انتظار کئے بغیر شہزادے کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھ سکوں۔"

ارمندوس نے تھیوڈورا کو دیکھا، اور داد دینے کے انداز میں بولا "تم نے یہ ذہانت اور دُور اندیشی کیسے حاصل کر لی؟"

"یہ سب کنواری ماں کا کرم ہے۔ جب ہم نے اپنی زندگیاں اُس کے بیٹے کے نام کی عزت اور عظمت کے لئے وقف کر دیں تو ہماری زندگی کی حفاظت اُس کا فرض ہے۔"

"تم نے ٹھیک کہا ہے تھیوڈورا گھبراؤ نہیں۔ کل رات میں ہر ایک ہتھیار سے مسلح ہو کر مریانہ کے مکان کے سامنے تمہارا انتظار کروں گا۔"

"تو گویا ہم کل رات روانہ ہو رہے ہیں؟"

"ہاں ——— کل رات"

سترھواں باب

شاباش تاتار۔ شاباش!

آج کا آفتاب نئی چھاؤنی میں نیا پیغام لایا تھا۔

پَو پھٹتے ہی تاتار کی نگاہ سلطان کے شبرنگ گھوڑے پر پڑی، جو اپنے نتھنوں سے بھاپ کے بادل اُڑاتا میدان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک سرپٹ دوڑ رہا تھا۔ یہ میدان جس میں جدید ترک فوج قواعد کیا کرتی تھی، آج معمول کے خلاف خالی تھا۔ سلطان اور چند اعلیٰ افسروں کے سوا ایک سپاہی بھی نظر نہ آتا تھا، اور یہ ایک غیر معمولی بات تھی۔

تاتار دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ میدان کی طرف روانہ ہو گیا۔ سالارِ اعلیٰ کے علاوہ رسد، رسالے اور پیدل سپاہ کے افسرانِ اعلیٰ بھی سلطان کے ساتھ تھے۔ تاتار کو میدان کے قریب پہنچ کر یوں معلوم ہوا جیسے ان اعلیٰ افسروں اور سلطان میں کسی خاص موضوع پر صلاح مشورہ ہو رہا ہے۔ وہ اب فوج کے پرانے افسروں کی طرح سلطان کا مزاج شناس ہو چکا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ ایسے موقعوں پر سلطان کی نظروں کے سامنے موجود تو رہنا چاہیئے مگر جب تک وہ خود اپنے قریب طلب فرمانے کا اشارہ نہ کریں، اُس وقت تک

اُس کے پاس نہ جانا چاہیئے۔

سلطان محمد کی یہ عادت تھی ــــ اور غالباً بہت اچھی عادت کہ وہ اپنے افسروں کے طویل اور بعض اوقات بے محل مشورے بھی بڑے غور اور ٹھنڈے دل کے ساتھ سُنتا تھا۔ جب کوئی بات کر رہا ہو، تو وہ اُسے ٹوکنے سے پرہیز کرتا تھا، مگر خود اُس کے اپنے احکام انتہائی مختصر، واضح اور قطعی ہوتے تھے، اور جب تک وہ اپنا مافی الضمیر پُوری طرح افسروں کے ذہن نشین نہ کر لیتا، اُس وقت تک اُنہیں رخصت نہ کرتا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد سلطان نے تاتار کو قریب آنے کا اشارہ کیا، اور جب وہ قریب آکر سلام کر چکا تو سلطان نے کہا:۔

"رسد کے افسرِ اعلےٰ نے مجھے بتا دیا ہے کہ تم نے توپ خانے کے لئے مطلوبہ ساز و سامان کی جو فہرست دی تھی، اُس کے مُطابق ہر ایک چیز فراہم ہو چکی ہے۔ تمہارے پاس آج کا سارا دن ہے۔ اگر چاہو تو اس فہرست پر ایک نظرِ ثانی کر لو۔ تم آج رات توپخانے سمیت روانہ ہو رہے ہو۔"

تاتار خاموشی سے سلطان کے سامنے جُھک گیا۔ وہ ایسے موقعوں پر دوسرے افسروں کی طرح "بہتر"، "بہت بہتر" اور "جیسے سلطان معظّم کا حکم" ایسے جُملے کہنے کا عادی نہ تھا۔ اور سلطان کو اُس کی یہ عادت بہت پسند تھی۔

سلطان مسکرایا اور پیدل سپاہ کے افسرِ اعلیٰ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "قزل پاشا! تمہارے پیدل دستوں کے جانے کا وقت ہو گیا۔ اُنہیں اچھی طرح سمجھا دو کہ آدرنہ میں داخل نہ ہوں۔ بالا بالا روانہ ہو جائیں۔"

قزل پاشا کو رخصت کرنے کے بعد سلطان نے رسد کے افسرِ اعلےٰ سے کہا۔ "انیس بے! ارمندوس ابھی تک نہیں آیا؟"

"وہ اپنے کام میں بے حد مصرُوف تھا سلطانِ معظّم! یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ ساری رات

کام کرتا رہا ہے۔ اگر اجازت دیں تو میں ایک مرتبہ پھر اُسے یاد دلاؤں۔ کہیں وہ اس خیال میں نہ ہو کہ حضور نے گیلی پولی کا منصوبہ طلب فرمایا ہے۔"

"ہاں! ہاں!! اس بیچارے کو اس کام سے نجات دلواؤ۔" سلطان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بڑا انتھک انسان ہے۔ کہیں سچ مچ اس خیال میں نہ ہو کہ ہم نے منصوبہ گیلی پولی طلب کیا ہے۔"

جب انیس بے رخصت ہو گیا تو سلطان نے تاتار سے پوچھا:۔

"سربی کاریگر کو تمہارے ساتھ نہ بھیج دیا جائے؟"

"اسے توپ خانے کے ہمراہ جانا تو چاہیئے۔ میرے توپچی ابھی اس کی نئی توپ سے پوری طرح واقف نہیں ہوئے۔ اگر کوئی رکاوٹ پیدا ہو گئی تو ہمیں بے حد پریشانی ہو گی۔"

"ہمارا بھی یہی خیال ہے۔" سلطان نے ترک فوج کے سالارِ اعلیٰ سے مخاطب ہو کر کہا۔۔۔ "قرجا پاشا! سربی کاریگر تمہارے ساتھ جائے گا۔ ہم یہ مناسب نہیں سمجھتے، کہ اُسے توپ خانے کے ساتھ سفر کرنے کی تکلیف دی جائے۔ اس سفر کے دوران تم اس کا خیال رکھنا۔"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ارمندوس بے کاغذات کے پلندے اٹھائے بھاگتا ہوا آیا، اور ادب سے سلطان کے سامنے جھک کر کہا۔۔۔ "سلطانِ معظم! گستاخی معاف، یہ خانہ زاد ابھی تک حضور کے فرمان کی تعمیل نہیں کر سکا۔"

"سرِدست اس کی کوئی ضرورت نہیں ارمندوس بے! ہم نے اچانک قسطنطنیہ پر یلغار کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ترک سپاہ کل رات روانہ ہو گئی۔ اس لئے جنگ کے فیصلے تک گیلی پولی کے منصوبے کو ملتوی کر دیا جائے۔"

ارمندوس نے ضبطِ نفس کا انتہائی حیرت انگیز مظاہرہ کیا۔ تاتار کی نظریں اُس کے

چہرے مرکوز تھیں ـــــ وہ سلطان کے سامنے زمین تک جُھک گیا اور سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے عرض کرنے لگا:

"سلطانِ شرق و غرب نے قسطنطنیہ پر لشکر کشی کا فیصلہ کرنے میں بڑی عجلت سے کام لیا ہے ـــ خانہ زاد کو گوش گزار کرنے کی اجازت دیجئے کہ قیصر کی فوجی قوت اور اُس کے جنگی وسائل پر غور کرنے کے لیئے بڑے عمیق غور و خوض کی ضرورت تھی۔"

"ترک سلطان اپنی سیاسی زندگی میں بعض اوقات اِن اہم باتوں کو نظرانداز بھی کر دیتے ہیں۔ ارمندوس بے! اگر تمہیں کبھی آلِ عثمان کی تاریخ کے مُطالعے کی فرصت نصیب ہوئی تو ایسی روایات کثرت سے نظر آئیں گی۔"

"خانہ زاد کی دلی دُعا ہے کہ خدا حضور کو اپنے ارادوں میں کامیاب کرے!"

"شکریہ ارمندوس بے! ہم نے تمہیں صرف اس لئے یاد کیا تھا کہ ہمارے بعد نظم و نسق تمہارے ہاتھ میں رہے گا۔ ہمیں پولیس کے افسرِ اعلےٰ ابراہیم بے پر پُورا پورا اعتماد ہے۔ تم اُسے قدم قدم پر اپنا ہمدرد اور مشیر محسوس کرو گے۔ مگر دیکھنا! وہ ذرا سخت مزاج اور کسی قدر تلخ کلام بھی ہے، لیکن اُس کا دل شیشے کی طرح صاف ہے۔"

ارمندوس بے کی دُھندلائی ہوئی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی۔ اُس نے اپنے دلی جذبات کو چھُپاتے ہوئے کہا ـــ "میری تو یہی خواہش تھی کہ سلطانِ معظم مجھے سلطنت کے عزت و وقار پر جان قربان کرنے کا موقعہ عطا فرمائیں۔"

"میدان میں عثمانی پرچم تلے کٹ مرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے ارمندوس بے! ہمارے پاس سپاہیوں کی کمی نہیں، البتّہ تم ایسے مدبروں کا قحط ضرور ہے۔ ہماری غیر موجودگی میں تمہاری یہاں بے حد ضرورت ہو گی۔"

ارمندوس بے خاموشی سے جُھک گیا۔ آدرنہ کی حکومت کے خیال سے اُس کے چہرے پر جو سُرخی رینگنے لگی تھی، وہ اُسے سلطان سے بھی چھُپانا چاہتا تھا۔

"اچھا ارمندوس بے! اب ہم اپنے ان اعلےٰ افسروں کے ساتھ روانہ ہو رہے ہیں"۔
ارمندوس بے نے تاتار کو دیکھا اور تاتار نے ارمندوس بے کو ——— اور سلطان نے دونوں کے چہروں پر بیک وقت نظریں ڈالتے ہوئے ارمندوس بے سے کہا:۔
"اوہو! ہم تمہیں یہ بتانا تو بھول ہی گئے کہ تمہاری سفارش سے تاتار کو جدید توپخانے کی کمان سونپ دی گئی ہے۔" سلطان نے تاتار کی طرف دیکھا اور سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا ——— "تاتار! تمہیں ارمندوس بے کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے"۔
تاتار، ارمندوس بے کے سامنے جھک گیا اور کہا:
"میں اپنے آپ کو ارمندوس بے کا شکریہ ادا کرنے کے قابل نہیں پاتا۔ میں اُن کا کس مُنہ سے شکریہ ادا کروں"۔
"ارمندوس بے! تم تاتار کو اس اعزاز پر ہدیۂ تبریک پیش کرو!" سلطان نے مسکراتے ہوئے کہا۔
ارمندوس بھی تاتار کے سامنے جُھک گیا اور کہا" خدا تمہیں اس سے زیادہ عزت نصیب کرے! میری دُعائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گی"۔

○

جاتے وقت سلطان نے ارمندوس بے سے جو جو باتیں کی تھیں، تاتار اُنہیں یاد کر کر کے حیران ہو رہا تھا ——— "یہ تو بڑا اچھا ہُوا کہ جدید ترک فوج ارمندوس بے کے اثر و رسُوخ سے آزاد ہو گئی، مگر ——— آدرنہ کی حکومت اُس کے سپُرد کر کے سلطان نے شہری دفاع کو خطرے میں ڈال دیا تھا:
کیا سلطان کا یہ خیال ہے کہ جب ترک فوجیں قسطنطنیہ کی ناقابلِ تسخیر دیواروں کے لئے

زندگی اور موت کی جنگ میں مصروف ہوں گی تو سلطنت کی غیر مسلم ــــ خصوصیت کے ساتھ یونانی رعایا یہ سوچ کر خاموش رہے گی، کہ اس وقت آدرنہ کا حاکم اُن کا اپنا آدمی ہے؟" وہ اپنے دماغ پر ذرا اور زور دینے لگا:

"سلطان نے آدرنہ کا برائے نام نظم و نسق ارمندوس بے کے سپرد کر کے اپنی خداداد سیاسی ذہانت کا ثبوت دیا ہے، اِس لئے کہ فوج تو دارالحکومت خالی کر چکی ہوگی اور اُس کے بعد یہ ذمہ داری پولیس سنبھالے گی ــــ پولیس، جس کی مادّی قوت بلا شرکتِ غیرے ــــ ابراہیم بے کے ہاتھ میں آگئی۔"

"رہا نظم و نسق؟"

تاتار مسکرایا: "ارمندوس بے، آدرنہ کی مسندِ اقتدار پر ایک بے جان بُت کے سوا اور کیا حقیقت رکھے گا ــــ یہ بُت ایوان میں صرف اِس لئے نصب کیا جائے گا کہ یونانی اور بلقانی رعایا کبھی سر نہ اُٹھا سکے اور اگر کسی وقت اُن کی سرکشی کو کچلنے کی ضرورت پیش آئی تو یہ حکم ــــ ارمندوس بے کے قلم سے ہی صادر ہوگا۔"

"لیکن!"

اُس کا دل پھر بھٹک گیا: ــــ "ارمندوس بے کو ایک فائدہ تو ضرور حاصل ہوگا، وہ یہ ــــ کہ اگر اب تھیوڈورا کم سن شہزادے کے ساتھ آدرنہ کی سرحدیں عبور کرنا چاہے تو اُسے روکنے والا کوئی نہ ہوگا!"

یہ خیال آتے ہی وہ تڑپنے لگا:

"اے کاش! سلطان کے قسطنطنیہ روانہ ہونے سے قبل ــــ وہ ارمندوس بے کے خلاف کوئی ناقابلِ تردید ثبوت فراہم کر سکے!"

اُسے معلوم تھا کہ اُس کے پاس وقت بہت ہی کم ہے، صرف ایک دن!

ــــ اور ایک ایک دستے کو اپنے سامنے روانہ کرنے کے بعد خود سلطان بھی اُن

کے عقب میں روانہ ہو جائے، پھر وہ یہ اُلجھن کیسے دُور کرے گا؟

○
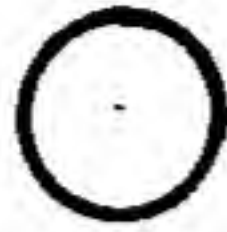
اُس کے سامنے گوناگوں مسائل بکھرے پڑے تھے ـــــ ایک طرف اُسے ارجمند کا انتظار تھا، جو آدرنہ سے بیس پچیس میل دُور سانتا میرینا کے اُس قاصد کا انتظار کر رہا تھا ـــــ جو ارمندوس کا انتہائی اہم خط لے کر قسطنطنیہ جانے والا تھا۔ کاش! اس خط پر ارمندوس بے کے دستخط ہوں۔ اسے کاش! ارجمند یہ خط حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

اس کے بعد اُسے جدید توپ خانے کے مطلوبہ ساز و سامان کی فہرست پر نظر ثانی کرنی تھی۔ ہر ایک شئے کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا تھا۔ ان کی تعداد اور قیمت کا جائزہ بھی لینا تھا، اور یہ عین ممکن ہے کہ اس اہم فہرست میں ترمیم و اضافہ کرنا پڑے۔ ایسی صورت میں بعض چیزیں الگ اور بعض چیزیں نئے سرے سے شامل کرنی ہوں گی۔

اور پھر سلطانہ مریامہ کے محل کی نگرانی بھی کرنی ہو گی ـــــ اُسے یقین تھا کہ ارمندوس بے اس موقعے سے ضرور فائدہ اُٹھائے گا۔ اگر کمسن شہزادہ قسطنطنیہ کی جنگ چھڑنے سے پہلے جولین اور قیصر کے پاس نہ پہنچ سکا تو جنگ کے بعد اُس کی کیا ضرورت ہے؟ اور آج تو آدرنہ کی حکومت ارمندوس بے کے ہاتھ میں ہے۔ وہ نہ صرف کمسن شہزادے بلکہ مریامہ کے سارے محل کو بھی آسانی سے قسطنطنیہ منتقل کر سکتا ہے۔

اُس نے سب سے پہلے ارجمند کا سراغ لگایا۔ وہ ابھی تک واپس نہ آیا تھا ـــــ اُس کے ساتھ جو چار سپاہی گئے تھے، ان میں سے کوئی بھی واپس نہ ہُوا تھا۔ یہ تو ممکن تھا کہ سانتا میرینا کا قاصد ارجمند کے ہاتھ نہ لگے، لیکن وہ اس امکان پر کبھی غور کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ سانتا میرینا کے لوگ ارجمند کو اس کے چاروں سپاہیوں سمیت موقعے پر ہلاک کر دیں گے۔

اُس نے اپنے اردلی کو قطعی حکم دیتے ہوئے کہا "مَیں توپ خانے کی بارکوں میں کام کر رہا ہوں۔ ارجمند جب واپس آئے تو اُسے فوراً میرے پاس بھیج دینا! میں بارکوں میں ہونگا یا گودام میں!"

توپ خانے کا سارا سامان گوداموں سے نکل کر میدان میں آچکا تھا، اور وہ جانور جمع کئے جا رہے تھے، جن پر اُسے لادنے کا کام باقی رہ گیا تھا۔ اُس نے نئے سرے سے سامان کی جانچ پڑتال شروع کر دی۔

سلطان نے اِس پر نظرِ ثانی کا موقع دے کر اُس پر بڑا احسان کیا تھا۔ ایسی کئی چیزیں تھیں جو غیر ضروری معلوم ہُوئیں، اور اُن کی جگہ بعض انتہائی ضروری چیزیں اس میں شامل کی گئیں۔

وہ سوچنے لگا: افسر بن جانا بہت آسان ہے مگر تجربہ حاصل کرنا بہت مشکل ــــ اُسے اپنی یہ عادت بالکل پسند نہ آئی کہ وقت کے ساتھ ساتھ اس کا نظریہ بھی بدلتا رہتا تھا۔ اُسے جو چیزیں آج پسند تھیں، کل وہ اُن کی پسند پر افسوس کرتا تھا۔

اس کی اور سلطان کی عمریں قریب قریب برابر تھیں۔ پھر سلطان نے یہ تجربہ اور بصیرت کیسے حاصل کر لی تھی کہ وہ فوری طور پر چیزوں کے متعلق، انسانوں کے متعلق اور اپنے منصُوبوں کے متعلق ایسے فیصلے کرتا تھا جن پر نظرِ ثانی کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا ــــ واقعی سلطان سلطان ہے! اور سپاہی سپاہی!

تاتار کو کام کرتے کرتے شام ہو گئی۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ شام کے دُھندلکے دن کی روشنی پر ایسی صفائی سے مسلّط ہو گئے تھے کہ تاتار اس فطری تبدیلی کو محسوس بھی نہ کر سکا تھا۔ جب کاغذوں پر لکھے ہوئے حروف بالکل مدھم ہو گئے تو اُس نے اپنی آنکھیں ملیں۔ گھبرا کر اپنے گرد و پیش نگاہ ڈالی۔ میدان میں شمعیں روشن ہو چکی تھیں۔ توپ خانے کا سارا ساز و سامان جانوروں پر لد چکا تھا۔ گودام خالی تھا۔ توپ خانے کی روانگی کا وقت اُفق

کی کھڑکی سے سر پہ آرہا تھا، لیکن ارجمند کا کچھ پتہ نہ تھا۔ مریامہ کے محل میں جو کچھ ہو رہا تھا، اُس کا بھی اُسے کوئی علم نہ تھا۔

وہ اس طرح اپنا سر جھاڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا جیسے کسی نے اُس کے سر پہ ہتھوڑے مارے ہوں اور توپ خانے کے منشی کو بُلا کر پُوچھا "تمہیں یہاں ارجمند تو نظر نہیں آیا؟"

"جی نہیں!"

"خیر ــــ! وہ یہاں ضرور آئے گا۔ اب میں جاتا ہوں۔ اُسے بتانا، میں پہلی چوکی کے معائنے پر جا رہا ہوں۔ مجھ سے وہیں آ کر ملے۔"

"پہلی چوکی؟" منشی نے حیران ہو کر تاتار کو دیکھا۔

"ہاں پہلی چوکی۔" تاتار نے منشی کو تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ "گھبراؤ نہیں۔ اگر تم نے پہلی چوکی نہیں دیکھی تو کوئی بات نہیں۔ ارجمند کو اس کا علم ہے۔"

○

تاتار بلوط کے گھنے درختوں کی اُس قطار کے سرے پر پہنچ چکا تھا۔ جو سلطانہ مریامہ کے محل کے سامنے مشرق میں دیوار کی طرح پھیلی ہوئی تھی ــــ وہ اس قطار کے ایک ایک درخت سے واقف تھا۔ ایک سے دوسرے کے درمیان کتنا فاصلہ تھا اور کون سا درخت محل کی ڈیوڑھی کے عین سامنے تھا۔ اُسے اِس کا بھی پُورا پُورا علم تھا۔

وہ ایک عرصے سے ان کی آڑ میں محل کی نگرانی کرتا رہا تھا ــــ یہیں چُھپ کر اُس نے پہلی بار تھیوڈورا کو کنیز کی حیثیت سے یونانی بُڑھیا کے ساتھ محل میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ اُس نے یہیں اِمندوس بے کو تھیوڈورا اور مریامہ سے مشورہ کرنے کے بعد باہر آتے دیکھا تھا۔ ــــ تھیوڈورا کمسن شہزادے کو لے کر باہر نکلتی۔ پہروں محل سے دُور رہتی اور جب واپس آتی تو تاتار یہیں موجود ہوتا۔

آخری تاریخوں کا چاند طلوع ہونے میں کافی دیر تھی۔ لیکن بہار کی اِس نیم تاریک رات میں بھی ایک عجیب حُسن تھا ــــــ آدرنہ کی شہری آبادی مشرقی دروازہ کے باہر میدان میں جمع ہو کر آخری طوفانی دستوں کی روانگی کا منظر دیکھ رہی تھی، جو دو رویہ طویل مشعلوں کی روشنی میں آدرنہ سے قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔

ترکوں کو یہ نظارہ دیکھے جیسے صدیاں بیت چکی تھیں ــــــ ورنا کی جنگ کے پورے سات سال بعد یہ موقعہ ہاتھ آیا تھا۔ جانے والے سپاہیوں اور انہیں ہنس ہنس کر الوداع کہنے والی ماؤں بہنوں اور بیویوں کے دِل نئے ولولوں، اُمنگوں اور ارمانوں سے آباد تھے ــــــ قسطنطنیہ کی طرف عثمانیوں کی یہ تیسری یلغار تھی۔

مریامہ کے محل کا ماحول خلافِ معمول اُداس اور خاموش تھا۔ اِس محل پر ختم ہونے والی ہر ایک کشادہ سڑک اور تنگ و تاریک گلی کوچے اُداس اور خاموش تھے۔ شام خاموشی اور اُداسی کے ساتھ رات میں منتقل ہو چکی تھی۔

اَچانک تاتار نے کسی شخص کو تیزی سے درختوں کی قطار کے سرے پر رُکتے دیکھا۔ یہ ارجمند تھا، جو تاتار سے ملنے کے لئے "پہلی چوکی" تک آ پہنچا تھا۔

ارجمند کو دیکھتے ہی تاتار اس کی طرف یُوں لپکا جیسے کوئی بچّہ اپنے محبُوب کھلونے کی طرف بھاگتا ہے۔ اور ابھی وہ ارجمند کے پاس پہنچا بھی نہ تھا کہ جیسے چیخا :

"کیا ہُوا ارجمند؟"

"کامیابی!" اُس نے کمر بند میں چھُپا ہُوا خط تاتار کے حوالے کرتے ہوئے کہا :۔

"کِس کے دستخط ہیں؟" تاتار خط کھولنے تک صبر بھی نہ کر سکا۔

"عریطوس کے!"

"عریطوس کے؟" تاتار نے خط پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔ "اچھا! اب فوراً چھاؤنی جا کر اُردلی سے کہو، میرا گھوڑا اور اسلحہ تیار کر کے توپ خانے کے میدان میں لے آئے۔ تم خود

بھی کوچ کی تیاری کرو، مگر پانچ آدمیوں کا ایک دستہ فوری طور پر اس محل کی نگرانی کے لئے بھیج دو۔ میں جب تک ابراہیم بے سے ملاقات نہ کرلوں اس وقت تک محل کی نگرانی ہمارا فرض ہے۔"

○
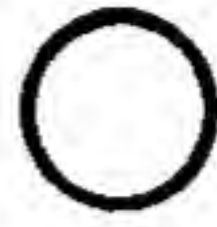
ارجمند اُلٹے پاؤں لوٹ گیا اور تاتار نے مدھم سی روشنی میں خط کے نیچے عرلطوس کے دستخط دیکھنے کی کوشش کی، پھر اُسے لپیٹ کر کمر بند میں رکھا ہی تھا کہ محل کی جنوبی دیوار کے نیچے گلی کے موڑ پر گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی۔ وہ چونکا۔ یہ گھوڑا کس کا تھا؟ اور وہ شخص محل کے نیچے کیا کر رہا تھا؟

تاتار اور گھوڑے کے درمیان کم سے کم تین سو قدم کا فاصلہ تھا اور اس کے سامنے دو سو قدم تک چٹیل میدان پھیلا ہوا تھا۔ وہ سوچنے لگا: "ممکن ہے یہ گھوڑا عرلطوس کے لئے لایا گیا ہو یا تھیوڈورا کے لئے اور اگر وہ اچانک محل سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہو جائے تو ـــــ"

"تو وہ اس کا کبھی تعاقب نہ کر سکتا تھا، کبھی اس کی گرد کو نہ پہنچ سکتا تھا۔"

یہ خیال آتے ہی اُسے یوں محسوس ہوا جیسے ـــــ تھیوڈورا اُس کے ہاتھ میں آیا ہوا تاج چھین کر بھاگی چلی جا رہی ہے ـــــ اُس نے فیصلہ کیا: "گھوڑے کے پاس میرا پہنچنا بے حد ضروری ہے!"

یہ فیصلہ کر کے اُس نے بلوط کے گھنے درختوں کی قطار تیزی سے پار کی۔ جہاں قطار ختم ہوتی تھی، اس کے جنوب میں میدان کے کنارے پر چھوٹے چھوٹے پودوں کی قطار تھی۔ البتہ سڑک سے گلی کے موڑ تک کوئی آڑ نہ تھی اور یہ فاصلہ اتنا زیادہ بھی نہ تھا۔ وہ پودوں کے سرے پر سڑک کے اس کنارے پر رک گیا۔ چاروں طرف دیکھا ہر چیز معمول کے مطابق تھی محل کی مشرقی دیوار کے سائے میں کوئی شخص دو گھوڑوں کی لگام تھامے گلی میں خاموش کھڑا تھا۔

اس نے اطمینان سے سڑک پار کی اور گلی میں آگیا۔ اُس نے گھوڑوں کی لگام پکڑنے والے

شخص کو پہچاننے کی کوشش کی لیکن اُس نے تاتار کو دیکھ کر اپنا مُنہ دوسری طرف پھیر لیا تھا۔ تاتار کا ہاتھ تیزی سے کمربند میں چھپے ہوئے خط کو ٹٹولنے کے بعد پیش قبض کی طرف سرکنے لگا۔ اور وہ آہستہ آہستہ چلتا ہُوا موڑ پر کھڑا ہو گیا۔

جس شخص نے گھوڑوں کی لگام تھام رکھی تھی۔ اُس نے گردن پھیری —— تاتار کو دیکھا اور اچانک سڑک کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جہاں سے قدموں کی آہٹ بتدریج تیز ہو رہی تھی۔ تاتار جلدی سے نیچے بیٹھ گیا۔

عرلطیوس سڑک کا موڑ مُڑ کر گلی میں آیا، جسے دیکھ کر گھوڑوں نے زمین پر پاؤں مارنے شروع کر دئیے۔ یہ عرلطیوس کے ذاتی گھوڑے تھے۔ تاتار دیوار کو ٹٹول ٹٹول کر آہستہ آہستہ کھڑا ہونے لگا۔ اُسے جس بات کی توقع تھی۔ وہ اب اچانک عمل میں آ رہی تھی۔ وہ دیوار کے ساتھ جُھک کر گھوڑوں کی طرف رینگنے لگا۔

عرلطیوس کے پیچھے تھیوڈورا راہبہ کا مخصوص لباس پہنے اور کمسن شہزادے کو سینے سے لگائے گلی میں آگئی۔ دونوں گھوڑے ہنہناتے اور جلدی جلدی زمین پر پاؤں مارنے لگے۔ عرلطیوس نے اپنی مخصوص آواز میں گھوڑوں کو چمکارا اور آگے بڑھ کر کمسن شہزادے کو تھیوڈورا کی گود سے لے لیا۔ اس کا خدمتگار تھیوڈورا کا گھوڑا الگ کر کے ذرا آگے آیا اور رکاب تھام لی اور دونوں نے مل کر تھیوڈورا کو گھوڑے پر سوار کیا۔

جب وہ گھوڑے پر سنبھل کر بیٹھ گئی، تو اُس نے شہزادے کو لینے کے لئے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے، اور عرلطیوس تھیوڈورا کے قریب آگیا۔ ابھی اُس نے شہزادے کو اپنے ہاتھوں میں اُٹھایا ہی تھا کہ تاتار نے دونوں گھوڑوں کے درمیان اچانک اپنا سر نکالا اور گرجدار آواز میں بولا :۔

"ٹھہرو! یہ کون ہے ؟"

"اوہ —— ! تاتار ؟" عرلطیوس ہکلایا۔ لیکن پھر فوراً ہی سنبھل گیا۔ اپنے لہجے کو پُروقار بناتے

ہوئے بولا:

"میں تو یقین کر چکا تھا کہ تم جدید توپ خانے کی کمان پر مطمئن ہو جاؤ گے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے۔ ایسی خوشی تمہاری قسمت میں نہیں لکھی۔ اچھا ہوا تم آ گئے۔"

یہ کہہ کر عرطیوس نے اپنے یونانی خدمتگار کو اشارہ کیا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ تاتار کے قریب آتا، اُس کی کمر میں لٹکتی ہوئی تلوار کا قبضہ تاتار کے ہاتھ میں تھا اور خالی نیام ابھی تک اُس کی کمر سے لٹک رہی تھی۔

"گلگکار اور یونانی کتب خانے کی دوستانہ ملاقاتیں ختم ہو چکیں عرطیوس! اب ہم سلطنتِ عثمانیہ کے تاج کے لئے ایک دوسرے کے سامنے آ گئے ہیں۔ دیکھیں اس پر کون قبضہ کرتا ہے؟"

تاتار نے عرطیوس کو اپنی تلوار کی نوک پر رکھ کر تھیوڈورا کی طرف دیکھا، جو گلی کا موڑ مڑ کر کشادہ سڑک پر اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑائے بھاگی چلی جا رہی تھی ——— تاتار کچھ سوچنے لگا اور عرطیوس کو موقع مل گیا۔ اُس نے زور سے گھوڑے کی لگام کو جھٹکا دیا۔ گھوڑا بدکا۔ تاتار ادھر متوجہ ہوا اور وہ شہزادے کو لے کر ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ تاتار نے اُس کا تعاقب کیا۔ یونانی خدمتگار نے اُس پر کمند پھینکی جو اُس کے پاؤں میں اُلجھ گئی۔ تاتار گرا، سنبھلا اور عرطیوس کے پیچھے پھر بھاگا۔ دونوں محل کے سامنے والی کشادہ سڑک کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔

عرطیوس گلی کا موڑ مڑ کر دیوانہ وار سڑک پر آ گیا۔ دوسری طرف سے ایک بگھی آ رہی تھی، جس کے آگے آٹھ سرکش مشکی گھوڑے جُتے ہوئے تھے۔ عرطیوس نے جلدی سے سڑک پار کرنے کی کوشش کی۔ بگھی اُس کے سر پر آ چکی تھی۔ پہلے گھوڑے نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ بگھی کے اندر سے ایک زوردار آواز گونجی ——— "روکو!"

کوچوان نے گھوڑوں کو روکنے کی کوشش کی، اور آٹھوں کے آٹھوں گھوڑے بلی بلی

عرلیطوس کے جسم پر ٹاپیں مارتے اور اُسے کچلتے ہوئے آگے جا کر رُک گئے ـــــ عرلیطوس اور شہزادے کی لاشیں پامال ہو چکی تھیں، اور تاتار دونوں کو حیرت اور افسوس کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔

O

کشادہ سڑک پر اچانک چہل پہل شروع ہوگئی۔ غالباً آخری تُرک دستہ مشرقی دروازے سے رخصت ہو چکا تھا ـــــ ترک اُمراء گھروں کو لوٹ رہے تھے اور سلطان بھی اپنی بگھی پر واپس آ رہا تھا۔

سُلطان بگھی سے اُترا ـــــ وہ ارمندوس بے کو پہچان چکا تھا۔ اُس کے مشیر بھی اس کے پیچھے جلدی سے اُترے اور اُنہوں نے تاتار کو گھیر لیا۔ جس کے ایک ہاتھ میں ابھی تک ننگی تلوار چمک رہی تھی، اور دوسرا ہاتھ پیش قبض کے اُوپر اس خط کو ٹٹول رہا تھا۔ جس پر عرلیطوس کے دستخط تھے۔

سلطان ارمندوس بے پر جھکا۔ اُسے ہاتھ لگا کر دیکھا، وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ پھر وہ افسوس کرتا ہوا بچے کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ بھی مر چکا تھا ـــــ دونوں اِس بگھی کے نیچے کچلے جا چکے تھے جس پر سُلطان سوار تھا۔ اور سلطان کو ایسا محسوس ہوا، گویا وہ ان دونوں بے گناہوں کا قاتل ہے۔ حالانکہ ان کا اصلی قاتل سڑک کے کنارے سُلطانی مشیروں کے نرغے میں سر جھکائے کھڑا تھا ـــــ کتنا خوبصورت بچہ تھا! سلطان اُس کی لاش ٹھیک کرنے لگا۔ اُس کے ساتھ اب دو ایک امیر بھی بچے کے کچلے ہوئے ہاتھ اور پاؤں ٹھیک کر رہے تھے کہ اچانک ایک بوڑھے امیر کے منہ سے نکلا:

"شہزادہ مصطفےٰ!"

"شہزادہ مصطفےٰ!" سلطان بچے پر جھک گیا۔ اُس کا دل پہلے ہی سے گواہی دے رہا

تھا کہ اُس نے یہ صورت پہلے کہیں ضرور دیکھی ہے۔ اس کا کمسن بھائی اُس کے سامنے مرا پڑا تھا۔
سلطان کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ عرطیوس کا یونانی خدمتگار کہہ رہا تھا: "ارمندوس بے کمسن شہزادے کو بچانے کے لئے اپنی جان پر کھیل گیا"۔

اور سلطان دیکھ رہا تھا کہ ارمندوس بے واقعی عثمانی خاندان کی حفاظت کرتے ہوئے قربان ہُوا تھا۔

سلطان اُٹھا۔ اُس کا جسم غیض و غضب سے لرز رہا تھا۔ وہ تاتارہ کے پاس آیا۔ اسے دیکھا اور نفرت سے مُنہ دوسری طرف پھیر کر کہا:۔

"ہم شروع ہی سے تمہارے متعلّق مشکوک تھے۔ ہم سوچتے تھے: ایسے نیک، محنتی اور بہادر انسان یوں اچانک کیسے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ تمہارا دل آلِ عثمان کی خدمت اور وفاداری کے جذبے سے آباد ہے۔ مگر ہمیں یہ معلوم نہ تھا کہ تمہارے دل میں سلطنتِ عثمانیہ کی کامل تباہی کا منصوبہ پروان چڑھ رہا ہے"۔

"عالی جاہ!" تاتار نے زمین تک جُھک کر کہا۔ "آلِ عثمان کے بے مثال عدل و انصاف کی قدیم روایات کے نام پر مجھے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا موقعہ عطا فرمائیے!"

"بے گناہی ثابت کرنے کا؟" سلطان کی آواز درد و غم سے کانپ رہی تھی۔ ہمیں سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ تم اپنے مقررہ وقت پر اپنے توپ خانے سے کیوں غیر حاضر تھے؟ کیا ہم روانگی کے متعلّق تمہیں قطعی حکم نہ دے چکے تھے؟ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ تمہیں جدید توپ خانے پر کمان کا موقع نہ ملا ۔۔۔۔۔ ارمندوس بے نے اپنی جان قربان کر کے خاندانِ عثمان کو اس عذاب سے بچا لیا، جو تمہاری منحوس سازش کی وجہ سے ساری سلطنت پر منڈلا رہا تھا"۔

تاتار نے سر اُٹھا کر اپنے گرد و پیش نگاہ ڈالی۔ افسروں اور سپاہیوں کا میلہ

لگ چکا تھا۔ ابراہیم پاشا پولیس کی معقول جمعیت کے ساتھ موقعے پر پہنچ چکا تھا ۔۔۔۔ ہر طرف سے تاتار پر انگلیاں اُٹھ رہی تھیں، سرگوشیاں ہو رہی تھیں۔ سلطان اب تاتار کی کوئی بات سُننے کو تیار نہ تھا جو کھڑا سوچ رہا تھا: "کیا وہ یہ خط سلطان کے سامنے پھینک دے جو اس کے ہاتھ میں تھا؟"

"ابراہیم پاشا! اسے آج رات اپنی نگرانی میں رکھو۔ کل صبح اُس کی قسمت کا فیصلہ سُنایا جائے گا۔"

ابراہیم بے تاتار کی طرف بڑھا ہی تھا کہ ایک معزز بوڑھے ترک نے سلطان کے کان میں کچھ کہا ۔۔۔ تاتار سوچنے لگا: "آخری کوشش کرنی چاہیئے۔ کہیں بھیوڈورا سرحد پار نہ کر لے!" اُس نے خط کھول کر اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور اُسے لہراتے ہوئے کہا:

"عالی جاہ! گستاخی معاف! میں صبح تک انتظار نہیں کر سکتا ۔۔۔۔ میری قسمت کا فیصلہ ابھی صادر فرمائیے۔ اگر میری قسمت میں موت ہی لکھی ہے، تو پھر مجھے کیا غم ہے۔ مرنے سے پہلے میں یہ خط آپ کے ملاحظے سے گزارنا چاہتا ہوں۔"

ابراہیم بے تاتار کے قریب پہنچ کر رُک گیا ۔۔۔۔ جس معزز بوڑھے ترک نے سلطان کے کان میں کچھ کہا تھا۔ اُس نے جلدی سے سلطان کو بھی دیکھا اور تاتار کے ہاتھ میں لہراتے ہوئے خط کو بھی۔ اور جب سلطان نے کسی جذبے کا اظہار نہ کیا تو وہ شخص تاتار کے پاس آیا۔ اُس سے خط لیا، اور سلطان کے سامنے بڑے ادب سے پیش کر دیا۔

بیک وقت کئی شمعیں سلطان کے اردگرد روشن ہو گئیں، اور اُن کی روشنی میں سلطان خط دیکھنے لگا ۔۔۔ سب سے پہلے اُس کی نظر عرطیوس کے دستخطوں پر پڑی۔ "یہ کون ہے؟" پھر اُس نے سارا خط پڑھ ڈالا۔ اور تاتار سے مخاطب ہوا:۔

"یہ عرطیوس کون ہے؟"

"ارمندوس بے۔" تاتار نے ارمندوس بے کی لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سلطان نے شک اور یقین کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ایک مرتبہ پھر عزلطوس کے دستخط پر نظر ڈالی ـــ ابراہیم بے کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ اور خط اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ دستخط دیکھو"!

ابراہیم بے نے خط لے کر عزلطوس کے نام کو غور سے دیکھا اور کہا ـــ "یہ ارسندوس ہی کا خط ہے ـــ حضورِ والا! آدرنہ کی پولیس آج وثوق کے ساتھ یہ دعویٰ کر سکتی ہے کہ دارالحکومت میں سازشی گروہ کا سرغنہ دو مختلف ناموں سے پکارا جاتا تھا"۔

"تم نے اپنا یہ اندیشہ اس سے پہلے کبھی ظاہر نہیں کیا"!

ابراہیم نے سلطان کو دیکھنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ اُس کی نظریں اُٹھیں۔ پھر جھک گئیں۔ اُس نے کہا:

"تجربے انمول ہیں عالی جاہ! جنہیں صرف ندامت، تأسف اور پشیمانی کے آنسوؤں ہی سے خریدا جا سکتا ہے"۔

سلطان نے کنکھیوں سے تاتار کو دیکھا۔ ندامت، تأسف اور پشیمانی اُس کے چہرے پر پھیل رہی تھی ـــ اُس نے بھی اپنا سر جھکا کر کہا:۔

"تم ٹھیک کہتے ہو ابراہیم بے! ذکاوت اور ذہانت ان تجربوں کی جگہ نہیں لے سکتی"۔

لمحہ بھر کے لئے مرایہ کے محل کے سامنے والے میدان پر سکوت طاری ہو گیا جس کے دوران پولیس نے ہجوم کو منتشر کر دیا۔

بگھی کے پاس اب صرف سلطان، تاتار، ابراہیم بے اور چند اُمراء باقی رہ گئے تھے ـــ سلطان آہستہ آہستہ تاتار کے قریب آیا جس کا سر ابھی تک جھکا ہوا تھا۔ اُس نے اُس کی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ کر اُس کا منہ اُٹھایا اور کہا: "اپنی مختصر سپاہیانہ زندگی میں تمہیں ہمارے ساتھ مختلف مسائل پر تبادلۂ خیالات کے بے شمار موقعے میسر آئے۔ مگر تم نے آج تک اتنی بڑی سازش

کے متعلق کوئی اشارہ تک نہ کیا۔ تاتار! ہم تمہارے دل کی وسعت اور گہرائی کے قائل ہیں اور حیران ہیں کہ تم کس طرح صبر کرتے رہے۔"

"صرف اپنی جان کے خوف سے خاموش رہا ــــ حضور جس حقیقت کو اس قدر ناقابلِ تردید ثبوت کے باوجود آپ تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوئے۔ اگر خانہ زاد نے کسی ثبوت کے بغیر اس کا تذکرہ کر دیا ہوتا تو یقیناً اس وقت تک سلطانی قہر کا نشانہ بن چکا ہوتا۔"

"شاباش تاتار ــــ شاباش!!" سلطان نے تاتار کے کندھوں کو تھپکتے ہوئے کہا:۔ تمہاری خداداد صلاحیتوں کا صحیح طور پر اعتراف کرنے کے لئے ہمیں موزوں الفاظ نہیں ملتے ــــ تم نے سلطنت عثمانیہ کو تباہی سے بچانے کے لئے جس ہوشمندی کا ثبوت دیا ہے، ہمیں اس پر فخر ہے۔"

"عالی جاہ! ہمیں فوری طور پر ایک ایسی لڑکی کا تعاقب کرنا ہے جو سرحد پار کرنے کے لئے آدرنہ سے روانہ ہو چکی ہے۔"

"لڑکی کا تعاقب پولیس کرے گی۔" سلطان نے ابراہیم بے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ــــ "اور لاشوں کو بھی پولیس ہی ٹھکانے لگائے گی۔ ہمیں اس وقت قسطنطنیہ روانہ ہو جانا چاہیئے۔"

اٹھارھواں باب

قیصر کا تاج

آدرنہ سے قسطنطنیہ آنے والی شاہراہ پر ایک عرصے سے جو گرد و غبار کے طوفان اُٹھ رہے تھے، قیصر پیلیولوگس اور جولین دونوں سب سے اُونچے مینار پر بیٹھے اُنہیں دیکھتے رہتے اور دیکھتے دیکھتے جیسے آنکھیں پتھرا گئی تھیں ـــــ اب تک ہوا صرف ایک ہی رُخ چل رہی تھی۔

جولین آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ڈینیوب کے اس پار بھی دیکھنے کی کوشش کرتا مگر بے سُود ـــــ یورپ سے آنے والی شاہراہ دُور دُور تک خاموش تھی اور یہ خاموشی باسفورس اور مارمورا کے کنارے پُرانے اور نئے بُرجوں کے پاس جمع ہوتی ہوئی ترک فوجوں کے سبب بہت خوفناک ہوتی چلی جا رہی تھی ـــــ جولین اُمید و بیم کے اس عالم میں کبھی کبھی کسی ایسے سوار کی راہ بھی دیکھنے لگتا جو آدرنہ سے سلطانہ مریا مہ کے بچّے کو لے کر آنے والا تھا ـــــ!!

اور آخر ایک دن اُنہیں بحیرۂ اسود کے شمال مشرقی کنارے کی عام شاہراہ سے ہٹ کر پہاڑیوں کے دامن میں ہلکا سا دھبّہ دکھائی دیا اور یہ دھبّہ بتدریج اپنے غبار

میں اُبھرتا چلا جارہا تھا، وہ دونوں بڑبڑائے: "شاید تھیوڈورا کمسن شہزادے کے ساتھ آ رہی ہے۔"

سوار تیزی سے قسطنطنیہ کی فصیلوں کی طرف چلا آرہا تھا ــــ قیصر اور جولین بدستور اُسے غور سے دیکھ رہے تھے۔

جب سے ترک فوجیں قسطنطنیہ کی فصیل کے سامنے میں آئی تھیں ــــ تھیوڈورا نے جولین کی رُوح کا درجہ اختیار کر لیا تھا اور اپنی آخری تمنا کو پہچاننے میں اُسے ذرا بھی دقت پیش نہ آئی۔

جب وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ برج سے ہانپتا کانپتا نیچے اُترا تو قیصر پلیولوگس بھی اُس کے ساتھ تھا ــــ قلعے کا دروازہ کھول دیا گیا، تھیوڈورا اندر داخل ہوئی۔ وہ خالی ہاتھ تھی اور خاموشی کی زبان میں قسطنطنیہ کی تباہی کا پیغام لائی تھی۔

اور پھر جب جولین نے آگے بڑھ کر تھیوڈورا کے گھوڑے کی لگام تھام لی تو اُس نے گھوڑے سے اُترتے ہوئے بجھی ہوئی آواز میں کہا:

"ہم اپنے مقصد میں ناکام ہو گئے ــــ کمسن شہزادہ اور عرطیوس ترکوں کے ہاتھ آ گئے۔"

اُس نے آدرنہ میں اپنی زندگی کا جو مختصر سا حصّہ گزارا تھا، اُس کی تمام تلخیاں اُس کی پیشانی پر اُبھر آئی تھیں اور ــــ جو درد اُس کے سینے میں پنہاں تھا، یہ مختصر سا فقرہ ادا کرتے وقت، وہ اُس کے ہونٹوں پر لرزنے لگا۔

تھیوڈورا کی آواز میں دردناک مایوسی کی تھرتھراہٹ محسوس کر کے جولین تڑپ اُٹھا۔ اُس کے نزدیک تھیوڈورا کی ناکامی آگ کے ان لپکتے ہوئے شعلوں کی ناکامی تھی، جن کے اندر وہ اپنے تمام مخالفوں کو جلا کر راکھ کر دینا چاہتا تھا۔ وہ سوچنے لگا: "اگر تھیوڈورا مایوس ہو گئی۔ اگر اس کا دل ان ولولوں اور اُمنگوں سے خالی ہو گیا جنہیں میں نے ایک طویل اور صبر آزما کشمکش

کے بعد اس کے دل میں جگایا تھا، تو سارا یورپ مرجائے گا۔ رومتہ الکبریٰ کے افسانے معدوم ہو جائیں گے۔ مسیحی دین کا سُراغ تک نہ لگایا جا سکے گا!"

"وہ مسکرایا۔ اُس نے پیار سے تھیوڈورا کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا: "تمہارا آدرنہ سے قسطنطنیہ سلامت آجانا ہی ہماری فتح ہے میری بچی! جو قوم تھیوڈورا ایسی بیٹیاں پیدا کر سکتی ہے۔ اُسے ترک کبھی نہیں مٹا سکتے۔ میں تمہاری ان مصیبتوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں جو تم نے آج تک خندہ پیشانی سے برداشت کی ہیں کہ بالآخر فتح ہماری ہی ہوگی۔"

تھیوڈورا نے کارڈینل کو غور سے دیکھا، جس کے بوڑھے چہرے پر مایوسی اور ناکامی کا کوئی بھی اثر موجود نہ تھا۔ وہ بے تابی سے اُس کے قدموں میں گر گئی۔ جولین نے اُسے جن الفاظ میں داد دی تھی، وہ ایک ایسا انعام تھا، جس نے تھیوڈورا کی ساری کلفتیں دُور کر دی تھیں اور وہ تھوڑی دیر کے لئے اپنے آپ، اپنی زندگی، اپنی محبت، اپنی نفرت اور اپنی ناکامی بلکہ اپنی ہر چیز کو بھول گئی تھی۔

اگر وہ آدرنہ سے نکلنے پر مجبور ہوئی، تو قسطنطنیہ آپہنچی۔ اگر عرلطوس کامیاب نہ ہو سکا۔ تو نوجوان قیصر پیلیولوگس موجود تھا۔ اگر وہ تاتار سے دُور ہو گئی تو ــــــ تو؟ تاتار! اُس کے غیر متوازن دماغ نے ایک عجیب پلٹا کھایا۔ نہ جانے وہ کہاں سے کہاں کھو گئی۔ اُس کا دل کہیں تھا، آنکھیں کہیں، ذہن کہیں اور خود کہیں ــــــ تاتار کا خیال آتے ہی اُس کے دل و دماغ کا عجیب حال ہو گیا۔

جولین، قیصر اور تھیوڈورا کے درمیان کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ پیلیولوگس اُس بلقانی دوشیزہ سے کس قدر مختلف تھا۔ اُس کو یوں محسوس ہوا جیسے تھیوڈورا نے ایک ہی لمحے میں اپنی ہمت کی ٹوٹی ہوئی زنجیر دوبارہ جوڑ لی ہے، لیکن قیصر یوں دکھائی دینے لگا جیسے تھیوڈورا کے خالی ہاتھ آنے سے اُس کی کمر ٹوٹ گئی ہو، جیسے اُس کی کامیابی کا آخری سہارا بھی ہاتھ سے چھوٹ گیا ہو۔ جولین نے اُسے مایوس دیکھ کر کہا:۔

"گھبرانے سے کچھ نہ ہوگا۔ حوصلہ نہ ہارو! اور ہماری ہمت نہ توڑو! ہم ابھی تک اس قسطنطنیہ کی ناقابلِ تسخیر فصیل کے اندر محفوظ ہیں۔ جو صدیوں سے خسرو اور شگن ایسے فاتحوں کے بیسیوں حملے برداشت کر چکا ہے۔ یہ مٹھی بھر ترک اُس کی سنگین دیواروں کے ساتھ اپنا سر ٹکرا کر ناکام و نامراد واپس چلے جائیں گے۔ ہمیں فوراً ہنگری، روم، سسلی، فرانس اور سارے یورپ کے درباروں میں فوجی امداد کے لئے قاصد روانہ کر دینے چاہئیں یقین کیجئے لاکھوں مسیحی مجاہد، بے شمار جنگی سامان اور خوراک کے ذخیرے فوراً پہنچ جائیں گے۔

ایک مذہبی رہنما ہونے کی حیثیت سے میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ میرے پیغام سے سارے یورپ میں لڑائی کی آگ بھڑک اُٹھے گی۔ میں قسطنطنیہ کی گلیاں صلیبی مجاہدوں سے بھر دوں گا۔ ہمیں قلعہ بند ہو کر اطمینان کے ساتھ اس وقت کا انتظار کرنا چاہیے جب مقدس باپ اپنی آسمانی فوج کے ساتھ قسطنطنیہ کی نجات کے لئے ایک بار پھر زمین پر اُتر آئے"۔

تھیوڈورا، کارڈینل جولین اور قسطنطینِ اعظم کے آخری جانشین کو جو پیغام پہنچانے آدرنہ سے قسطنطنیہ آئی تھی، وہ پیغام اُنہیں وہ پہنچا چکی تھی قسطنطنیہ کی مدافعت، سینٹ صوفیہ — مشرقی کلیسا کی حفاظت اور بذاتِ خود مسیحیت کی حفاظت کے لئے وہ بوڑھے، مکار، خود غرض اور ہوس پرست قیصر مینوئل کی جگہ ایک مضبوط اور نوجوان جانشین کو دیکھ کر مطمئن ہو گئی اور سیدھی سینٹ صوفیہ روانہ ہو گئی جہاں اُس نے پوپ، ہزاروں راہبوں اور ننوں کے ساتھ مسیحیوں کی کامیابی اور مسلمانوں کی تباہی کے لئے دُعا مانگی۔

○

قیصر اور جولین نے ڈینیوب سے روم تک یورپ کے جن درباروں سے امداد طلب کرنے کے منصوبے بنائے تھے، اُنہیں عملی جامہ پہنانے کے لئے صوفیہ کے کئی راہب میدان

میں آ گئے۔ تھیوڈورا کی خواہش تھی کہ وہ ان وفود کی قیادت کرکے سارے یورپ میں ترکوں کے خلاف نفرت و تعصب کی ایسی بھٹیاں روشن کردے، جن کے شعلے سلطنتِ عثمانیہ کو جلا کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیں۔ مگر جولین نے اُسے قسطنطنیہ سے نکلنے کی اجازت نہ دی۔ کیونکہ ہنگری راستے میں تھا جہاں ـــــ ہنیاڈی مگرمچھ کی طرح منہ کھولے بیٹھا تھا ـــ اور تھیوڈورا، جولین کا آخری ہتھیار تھی۔ وہ اُسے ایک پل کے لئے بھی اپنی آنکھوں سے دُور نہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ اُس نے کہا:۔

"تم زندگی کے اِس آخری جہاد میں تجربہ کار سالاروں سے کہیں زیادہ موزوں خدمات سرانجام دے سکتی ہو۔ قسطنطنیہ میں تمہاری موجودگی ہماری کامیابی کی دلیل ہے اور یورپ کے درباروں میں جانے کے لئے لاکھوں رضاکار موجود ہیں"۔

اس فیصلے کے بعد صوفیہ کے راہب لمبی لمبی سیاہ آبنوسی صلیبیں ہاتھوں میں اُٹھائے ترکوں کے خلاف "آخری جہاد" کا نعرہ بلند کرتے ڈینیوب سے ڈنمارک اور بحیرۂ اسود سے بحرِ اطلانتک کے مغربی کناروں کی طرف روانہ ہو گئے۔

جولین نے رُوس سے ہسپانیہ تک تمام مسیحی سرداروں کو جان و مال کے ذریعے اس صلیبی جہاد میں شرکت کی دعوت اور آسمانی بادشاہت میں شامل ہونے کی بشارت دی۔

اور قیصر نے مشہور مؤرخ فرینزا کو ـــــ جو قسطنطنیہ کے دربار کا ممتاز مشیر بھی تھا، اُن یونانی نوجوانوں کی فہرست مرتب کرنے پر مامور کیا جو بالکل رضاکارانہ طور پر آخری وقت تک قسطنطنیہ کی مدافعت کے لئے اپنے اپنے مورچوں میں ثابت قدم رہنے کا عہد کریں۔
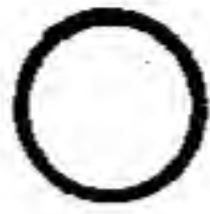
امدادی مہم کا آغاز غلطہ سے ہوا جو قسطنطنیہ کی فصیل کے باہر مار مورا کے کنارے جنیوا کے تاجروں کی انتہائی مضبوط، مالدار اور خوش حال نو آبادی تھا۔

وہاں کے سربراہ جان جسٹینانی نے چار ہزار مسلح نوجوان، چودہ بحری جہاز اور کافی مقدار میں اسلحہ، خوراک اور دوسرے مطلوبہ جنگی ساز و سامان کے ساتھ امداد دی۔

اور اُس کے فوراً ہی بعد ایک رُوسی سردار ——— کارڈینل آئسیڈور نامی بھی اپنے ہزاروں ساتھیوں کے ساتھ قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ قیصر نے نہ صرف ایک حلیف بلکہ اپنے باپ کی حیثیت میں اُس کا استقبال کیا۔

روسی سردار کی آمد سے یونانی عوام کے حوصلے اور بڑھ گئے، اُنہیں یقین ہو گیا کہ ———
"زندگی اور موت کی اِس جنگ میں یونانی اب اکیلے نہیں رہے"!

اب قیصر کے حوصلے بہت بلند ہو گئے اور جنگی تیاریاں زور شور سے شروع کر دی گئیں۔

قسطنطنیہ کی بندرگاہ کو دشمن جہازوں سے محفوظ کرنے کے لئے مضبوط آہنی زنجیریں سمندر میں پھیلا دی گئیں جنہیں سہارا دینے کے لئے جگہ جگہ یونان اور جنیوا کے تجارتی اور جنگی بیڑے کے جہاز تعینات کر دئیے گئے۔ اس کے علاوہ مسیحی یورپ کے جس قدر جہاز کینڈیا اور بحیرۂ اسود کی بندرگاہوں سے تجارتی سامان لے کر قسطنطنیہ آئے تھے اُنہیں بھی جنگی خدمات کے لئے روک لیا گیا۔

عثمانیوں کی جارحانہ قوت کے خلاف، سولہ سترہ میل کے رقبے میں پھیلے ہوئے شہر کی فصیلوں پر ہزاروں یونانی متعین ہو گئے جن کے پاس ہر قسم کا دفاعی سامان موجود تھا۔ فصیل کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک وہ توپیں نصب کی گئی تھیں جو دُور دُور تک آگ

کے گولے پھینکنے میں مہلک ہتھیار کی حیثیت سے بے نظیر ثابت ہو چکی تھیں۔

جان جسٹینانی کے فوراً بعد کارڈینل آئسیڈور نامی نوجوانوں کے ساتھ قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ اور اس کے بعد جولین اور قیصر نے اطمینان کا سانس لیا۔

—— مشرقی کلیسا کی حفاظت کا نہ صرف اُنہوں نے خود پورا پورا بندوبست کر لیا تھا، بلکہ کنواری ماں کی عصمت اور باپ بیٹے کی عظمت پر قربان ہونے کے لئے مسیحی دُنیا کی امداد بھی اس میدان میں برابر پہنچنا شروع ہو گئی تھی +

○

سلطان محمد اپنی ساری فوجی قوّت کے ساتھ باسفورس اور مارمورا کے ساحلوں پر خیمہ زن ہو چکا تھا ——

جو بحری درّہ مارمورا کو باسفورس سے جُدا کرتا ہے —— ایشیا کی اُس سرزمین پر پہلے ہی سے بُرج موجود تھے، اب نئے بُرج قسطنطنیہ کی فصیل سے صرف پانچ میل کے فاصلے پر خاص یورپی سرزمین پر تیار ہونے والے تھے جن کی تعمیر کے لئے یورپ اور ایشیا سے ضروری سامان خشکی اور تری کے راستے تیزی سے آ رہا تھا۔

چُونا جنوبی یورپ سے، لکڑی قیصریہ دازمیر سے اور پتھر اناطولیہ کے پہاڑوں سے پہنچایا جا رہا تھا —— ساری ترک فوج برجوں کی تعمیر میں ہمہ تن مصروف تھی اور سلطان بذاتِ خود اُس کی نگرانی کر رہا تھا۔

نئے بُرج قلعہ نما تکون کی صورت میں بن رہے تھے، جن کے ہر ایک زاویے پر اِنتہائی مضبوط اور اُونچے مینار تھے —— ایک بُرج کا رُخ پہاڑ کے دامن کی طرف اور دو کا سمندر کے ساحل کی طرف رکھا گیا۔ یہ دو بُرج اپنی ہیئت کے اعتبار سے دیو قامت پہریداروں کی طرح نظر آتے تھے۔

سلطان محمد اور قیصر نے سردیوں کی طویل اور اُداس راتیں آنکھوں میں گزاریں ـــ قیصر قسطنطنیہ پر منڈلانے والے خطرے کی وجہ سے اور سلطان ـــ اُمیدوں کی تابناک نئی دُنیا کے تصور سے اپنی آنکھیں بند نہ کرسکا۔ وہ دن کے وقت سپاہیوں کے ساتھ برابر کام کرتا، اور جب رات آتی تو اپنے خیمے میں شمع کی لرزتی ہوئی لو کے سامنے بیٹھ کر میدانِ جنگ کے نقشے بناتا اور نئے نئے منصوبوں پر غور کیا کرتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ سوتے سوتے اُٹھ بیٹھتا۔ اپنے فوجی افسروں کو بُلاتا اور اُن سے مشوروں میں مصروف ہوجاتا۔

یورپ اور ایشیا کے درمیانی میدان میں باسفورس اور مارمورا کے کنارے اُس کی اکثر راتیں تاتار کے ساتھ بسر ہوتیں۔ عام طور پر آدھی رات کے قریب سلطان کا خدمتگار تاتار کو آجگاتا: "سلطان طلب فرما رہے ہیں۔" تاتار سلطان کی حالت پر افسوس کرتا ہوا اس کی خدمت میں باریاب ہوتا ـــ ایسے موقعوں پر اکثر سلطان تاتار کو اپنا وہ تکیہ دکھاتا ـــ جو آنسوؤں سے تر ہوتا اور کہتا:

"تاتار! یہ خوشی کے آنسو ہیں۔ مجھے قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے خیمہ زن ہوکر جو خوشی نصیب ہوئی ہے، اُس کا تم اندازہ نہیں کرسکتے۔ میں حیران ہوں کہ جب یہ شہر فتح ہوجائے گا اِس وقت میری خوشی کا کیا عالم ہوگا ـــ یہ وہ جگہ ہے جس کی تسخیر کے لئے سب سے پہلے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے صحابی حضرتِ ابُو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے رکاب میں پاؤں رکھا تھا۔ یہ وہ شہر ہے جہاں میرے پردادا سلطان بایزید یلدرم اور میرے ابا جان سلطان مُراد مدتوں اپنی قوت آزماتے رہے ہیں۔ لیکن یورپ اور ایشیا کے دشمنوں نے اُنہیں کامیابی سے ہمکنار ہونے کی مُہلت نہ دی۔ لیکن آج میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ وہ کامیابی مجھے قسطنطنیہ کے میناروں اور صوفیہ کے گنبد سے اپنی طرف بُلا رہی ہے۔

کاش! تم میرے خاندان کی اس حالت کا اندازہ کرسکتے، جب قیصر نے بلقانیوں اور ہنیاڈی کے ساتھ سازش کرکے ہماری سلطنت کی سرحدوں پر قبضہ کرلیا تھا۔ خشکی پر

سارے یورپ کی متحدہ فوجیں ٹڈی دَل کی طرح پھیلی ہوئی تھیں، اور یہ سمندر فرانس، جنیوا اور وینس کے متحدہ جنگی بیڑے سے آباد تھا ــــ میں اُس وقت آدرنہ کے محلات میں دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے میرے باپ کو ورنا کے میدان میں دشمن پر غلبہ عطا کیا، تو اُس نے سمندر کے مغربی کناروں پر ان میناروں کو تعمیر کرنے کی قسم کھائی اِس نے آخری وقت مجھے قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کی وصیّت کی تھی اور اب اپنے باپ کی قسم پوری کرنا اس کی وصیّت پر عمل کرنا میرا فرض ہے۔

میں نے قیصر کو بتا دیا ہے کہ اگر تم مجھے اپنی سرزمین پر ان بُرجوں کی تعمیر سے روکنے کی قوت رکھتے ہو تو میدان میں آؤ! کیونکہ آج سمندر کے دونوں کنارے میرے قبضے میں ہیں۔ باسفورس کے کنارے تک سارا ایشیا ترکوں کی ملکیت ہے، اور یورپ کے کناروں سے بلقانی بھاگ چکے ہیں۔"

تاتار سلطان کو تسلی دیتے ہوئے کہتا ــــ "صبر و شکر سے کام لیجئے عالیجاہ! یہ حضور کی انتہائی خوش قسمتی ہے کہ جس مقام تک پہنچنے کے لئے حضور کے اسلاف کی عمر کا بیشتر حصّہ راستہ ہموار کرنے میں صرف ہوا وہاں حضور پہلی ہی یلغار میں پہنچ گئے۔ یقیناً حضور کی قسمت پیش رو سلاطین سے زیادہ روشن ہے۔ حضور ان سے بہت مختلف ہیں ان کی عمریں جو کچھ سوچنے میں گزریں۔ حضور اُسے انشاء اللہ حاصل کر کے چھوڑیں گے ــــ یقین فرمائیے، قسطنطنیہ کی فتح حضور کے نام لکھی جا چکی ہے۔"

مشرقی سلطنت کا دارالحکومت سلطان محمد کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے لرز رہا تھا ــــ قیصر پلیولوگس، جولین، تھیوڈورا، جان جسٹینانی اور روسی کارڈینل آئسیڈور صوفیہ میں آسمانی اور زمینی بادشاہت کو اپنی امداد پر اُبھارنے کے لئے الحاح وزاری کے ساتھ دُعاؤں میں مصروف تھے۔ سارا یورپ حیرت کے ساتھ قسطنطنیہ کی تباہی دیکھ رہا تھا ــــ صوفیہ کے راہب مشرق سے مغرب تک یورپ کے ایک ایک دربار میں

قسطنطینِ اعظم کے بسائے ہوئے شہر کی حالتِ زار کا نقشہ کھینچ رہے تھے۔ بعض مسیحی سردار اُن کی باتوں پر ہنس دیتے: "قسطنطنیہ کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی ہمت کس میں ہے؟" اور بعض کہتے: "ابدی شہر کی تباہی ناممکن ہے۔"

○

محاصرے کے انتظامات مکمّل ہوتے ہی ترک فوجیں حرکت میں آگئیں۔ بہار کے آغاز ہی میں ترک ہراول دستے قسطنطنیہ کے دروازوں تک جا پہنچے ـــــ یہاں تک پہنچتے ہوئے جن یونانی آبادیوں نے ہتھیار پھینک دئیے، اُن کا جان و مال محفوظ ہو گیا۔ جس نے مزاحمت کی وہ صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔

بحیرۂ اسود کے کنارے میسمبریا، اشیلیوم اور نبرون نامی یونانی شہروں نے ترک شہسواروں کو خوش آمدید کہنے کے لئے اپنے دروازے کھول دئیے۔ البتّہ سیلمبریا نے مدافعت کی۔ جس کی ناکہ بندی اور محاصرہ کر لیا گیا۔ اور جب سیلمبریا کے گورنر کو یہ معلوم ہوا کہ ہراول دستوں کے پیچھے پیچھے خود سلطان محمد بھی شہر کے دروازوں تک پہنچ گیا ہے تو یہ شہر بھی ترکوں کے حوالے کر دیا گیا۔

قسطنطنیہ سے پانچ میل کے فاصلے پر پہنچ کر سلطان نے اپنی صفیں دُرست کیں اور جنگی ترتیب کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے سینٹ روماتوس کے دروازے پر اپنا پرچم گاڑ دیا۔

اپریل کی چھ تاریخ سے قسطنطنیہ کا باقاعدہ محاصرہ شروع ہوا۔

ایشیا اور یورپ کی ترک فوجیں سمندر سے بندرگاہ تک پھیل گئیں ـــــ جاں نثار سب سے آگے تھے۔ وہ سلطانی خیمے کے اردگرد دیوار کی طرح کھڑے ہو گئے ـــــ سلطانی فوجوں کے آگے ایک گہری خندق کھودی گئی اور لشکر کا ایک حصّہ غلطہ

کے مضافات کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

O

قسطنطنیہ کا شہر دو سمندروں کے اتصال پر ایک ایسی تکون کی صورت میں آباد تھا، جس کے دو پہلو باسفورس اور مارمورا کے کناروں کے ساتھ ساتھ پھیلے ہوئے تھے اور اُن تک دشمن کی رسائی ناممکن تھی ـــــ مارمورا اور باسفورس کی درمیانی آبنائے کو قدرت نے، اور بندرگاہ کو یونانی کاریگروں کی صنّاعی نے محفوظ کر دیا تھا۔

دو سمندروں کے درمیانی حصّے کو جو اس تکون کا مرکز تھا۔ دوہری مضبوط فصیل اور ان فصیلوں کے درمیان ایک سو فٹ گہری اور سو فٹ چوڑی خندق سے ناقابلِ عبور بنا دیا تھا۔

اِس دفاعی خط کے سامنے جسے قیصر کے دربار کا معتبر مؤرخ اور عینی گواہ فرینزا تقریباً چھ میل پر پھیلا ہُوا ثابت کرتا ہے، سلطان نے ابتدائی حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ قیصر نے اس خطے کی مدافعت کے لئے مختلف مقامات پر مختلف فوجی سردار متعین کرنے کے بعد بیرونی دیوار کی نگرانی اپنے ذمّے لے لی۔

محاصرے کے ابتدائی ایام میں یونانی اِس خندق میں کُود کُود کر ترکوں سے نبرد آزما ہوتے رہے۔ مگر انہیں بہت جلد معلوم ہو گیا کہ ترک پیچھے ہٹنے کے لئے نہیں آئے ـــ چنانچہ جولین اور جسٹینانی کے باہمی مشورے کے بعد قیصر نے مکمّل قلعہ بندی کا فیصلہ کر لیا۔ اور ترکوں کے حملے کا جواب اُس سیّال آگ کے گولوں سے دیا گیا جنہیں داغنے والی توپیں اندرونی اور بیرونی فصیل کے چپّے چپّے پر نصب تھیں اور تھیوڈورا اپنی نوجوان رسیلی آواز سے اُن کے توپچیوں کا خون گرما رہی تھی۔

ترکوں کی پیش قدمی کے راستے یونانیوں کی اندھا دُھند گولہ باری کی وجہ سے

مسدود ہوتے چلے گئے، مگر اس کے باوجود وہ آگ کے ان شعلوں سے کھیلتے اپنی لاشوں پہ چلتے بتدریج آگے بڑھتے رہے۔

تاتار بیک وقت چودہ توپ خانوں کی کمان کر رہا تھا۔ جن کے گولوں کا رُخ ہمیشہ فصیل کے صرف ایک مختصر سے حصّے کی طرف ہی ہوتا۔ جو رفتہ رفتہ منہدم ہونے لگا۔

سلطان نے فوجوں کو اور آگے بڑھایا ـــــ سامنے خندق اپنا مُنہ کھولے ہوئے تھی، اور اُس کے پار اندرُونی فصیل پہ یونانی نئے جوش اور ولولوں کے ساتھ پانی کی طرح آگ برسا رہے تھے۔ اس شدید مزاحمت کے باوجُود سلطان نے خندق کو بھرنے کا حکم دے دیا۔ آس پاس جس قدر درخت، جھاڑیاں اور پتھر مل سکے، خندق میں پھینکے گئے تاکہ فوج کو دوسری دیوار کے قریب جا کر حملے کا موقعہ مل جائے۔

محاصرہ کرنے والوں کا سب سے بڑا کام یہ تھا کہ خندق کو پاٹ دیا جائے، اور محصُورین کی سلامتی صرف اس بات پر موقوف تھی کہ دشمن کی اس کوشش کو کامیاب نہ ہونے دیا جائے۔ ترک صبح سے شام تک اپنی جان ہتھیلی پر رکھے سیّال آگ کے سمندر میں تیر تیر کر خندق بھرتے رہے۔ مگر شام تک انہیں راستہ تیار کرنے کا موقعہ نہ ملا۔ سلطان چاہتا تھا کہ سارے دن کی محنت کو محفوظ رکھنے کے لئے خندق کے آس پاس بارُودی سُرنگیں بچھا دی جائیں تاکہ یونانی رات کی تاریکی سے فائدہ اُٹھا کر خندق صاف نہ کر سکیں۔ مگر زمین پتھریلی تھی اور اس وقت پہاڑوں کو کاٹنے کا کام آسان نہ تھا۔

سلطان نے حکم دیا کہ ایک بڑا چوبی بُرج کھینچ کر خندق کے قریب لایا جائے ـــــ یہ چوبی بُرج ایک قسم کا قلعہ تھا جس کے اِرد گرد بیلوں کی کھال تین تہوں میں منڈھی ہوئی تھی۔ کھال کی تہوں میں جگہ جگہ سوراخ تھے۔ اِس بُرج میں تین منزلیں تھیں، اور ہر ایک منزل میں بیسیوں سپاہی متعین تھے اور ہلکی ہلکی توپیں نصب تھیں۔ سپاہی آسانی سے توپیں داغ سکتے تھے۔ سب سے اُوپر والی منزل میں ایک بڑا مضبوط اور کشادہ تختہ چرخیوں کی

مدد سے کھولا جا سکتا تھا۔ یہ بُرج بیلیوں پر حرکت کرتا ہُوا فصیل کے قریب آگیا تو دوسری منزل کا تختہ کھول دیا گیا جس کے ذریعے بُرج سے فصیل تک ایک ہموار راستہ بن گیا۔ اس کے تختے کے اُوپر سیڑھیاں بھی لگی ہوئی تھیں۔

اپنی بے مثال شجاعت اور بے نظیر اختراعات کے ذریعے تُرک فوجیں آخر کار سینٹ رومانوس کے بُرج پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔ لیکن ابھی مشکل سے چند ہی ترک سپاہی سینٹ رومانوس کے بُرج میں داخل ہوئے تھے کہ شام کے جھٹپٹے میں جولین اور جسٹینانی سینکڑوں یونانیوں کے ساتھ اس کی مدافعت کے لئے آ گئے اور ترکوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ بعض تہہ تیغ ہو گئے اور بعض خندق میں گرا دئے گئے۔

جب سلطان یہاں پہنچا، اُس وقت رات اپنی سیاہ چادر پھیلا چکی تھی۔ سلطان نے سپاہیوں کو دلاسا دیا۔ اُسے یقین تھا، صبح سویرے تازہ دم سپاہی ایک بار پھر سینٹ رومانوس کے بُرج پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

سلطانی فوجیں رات کے وقت یونانیوں کی گولہ باری کے خوف سے پیچھے ہٹ گئیں۔ گر قیصر، جولین، تھیوڈورا، جسٹینانی اور کارڈینل آئسیڈور نے ساری رات رومانوس کے بُرج میں گزاری۔ وہ رات بھر سپاہیوں کے ساتھ کام کرتے رہے۔ سلطان کا چوبی بُرج جلا دیا گیا۔ خندق صاف کر دی گئی، اور بُرج کو گولوں سے جس قدر نقصان پہنچا تھا۔ اُس کی ضروری مرمت کر دی گئی۔

صبح سویرے سلطان جب یہاں پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ ترک فوج کی کل کے سارے دن کی محنت اکارت ہو چکی ہے۔ اُس جری سپاہی کے لئے یہ معمولی بات تھی۔ اُس نے دوبارہ حملے کا حکم دیا۔۔۔۔۔

جس وقت ترک فوجیں سینٹ رومانوس کے بُرج پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہی تھیں، اس وقت یونانی ڈوبتے ہوئے

سورج کو دیکھ کر اس تاریکی کا ماتم کر رہے تھے۔ جو آہستہ آہستہ قسطنطنیہ اور صوفیہ کے گنبد و مینار پر چھا رہی تھی۔ ترکوں کے عزم و ایثار کو دیکھ کر یونانیوں کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ ہنگری، ڈبلن اور سسلی کی طرف سے قاصد یہ پیغام لا چکے تھے کہ قسطنطنیہ کی حفاظت کے لئے ہزاروں تازہ دم مسیحی مجاہد اسلحہ اور خوراک کے ذخیرے جہازوں میں لئے آ رہے ہیں — مگر ان جہازوں کی راہ دیکھتے دیکھتے اُن کی آنکھیں پتھرا چکی تھیں۔

اُسی شام سسلی کے پانچ جہاز جن میں اسلحہ اور خوراک کے ذخیرے تھے باسفورس میں داخل ہوئے۔ اگرچہ ترک بیڑا ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ہلال کی صورت میں پھیلا ہوا تھا۔ مگر ہر ایک سردار کی توجہ اس کشمکش پر مرکوز تھی جو سینٹ رومانوس کے برج میں جاری تھی۔ یہ پانچ جہاز آہستہ آہستہ ان کے حلقے سے نکلے اور بندرگاہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

ایک طرف قیصر کو ان جہازوں کی آمد کی اطلاع ملی اور دوسری طرف جولین نے یہ خوشخبری سنائی کہ خندق پھر صاف ہو گئی۔ ترکوں کا چوبی مینار جلا دیا گیا، اور برج کی مرمت مکمل ہو گئی۔

تھیوڈورا کی آتش بیانی، امدادی جہازوں کی آمد اور ترکوں کے شدید ترین حملے کی ناکامی نے یونانیوں کے حوصلے بہت زیادہ بلند کر دئیے۔ اگلے دن ترکوں نے بھی اس انقلاب کو حیرت کے ساتھ محسوس کیا۔ سلطان کے افسروں اور بذاتِ خود سلطان کو بھی نظر آنے لگا کہ قسطنطنیہ واقعی ناقابلِ تسخیر ہے لیکن کیا انسان کے آہنی عزم کے سامنے چونے اور پتھروں کا یہ شہر واقعی ناقابلِ تسخیر تھا؟

O

یونانیوں کو یورپ سے مدد ملنی شروع ہو گئی تھی اور سلطان دیکھ رہا تھا کہ اگرچہ ایک سو

پچاس جہازوں پر مشتمل ترک بیڑے نے قسطنطنیہ کی ناکہ بندی کر رکھی ہے، مگر یہ جہاز زیادہ تر شکاری کشتیوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ سسلی کے پانچ جہاز اس بیڑے سے بچ بچا کر قسطنطنیہ کے ساحل پر لنگر انداز ہو چکے تھے۔ یورپ سے آنے والا بیڑا بہت زیادہ مضبوط ہوگا۔ تازہ دم سپاہی قسطنطنیہ کی حفاظت کے لئے آئیں گے۔ مزید اسلحہ اور خوراک کے ذخیرے پہنچیں گے اور وقت کے ساتھ ساتھ ترکوں کی کامیابی کے امکانات ختم ہوتے جائیں گے۔

جس ترک شہزادے کی جوانی کا آغاز دربار کے ہنگاموں اور شعراء کی صحبت میں ہوا تھا، جو خود پانچ زبانوں لاطینی، یونانی، ترکی، فارسی اور عربی میں شعر کہہ سکتا تھا، جس کی جوانی کے ولولے خوب صورت تخیلات میں منتقل ہو چکے تھے، وہ وہی شہزادہ اچانک سپاہی، سالار اور فاتح بن گیا تھا۔ اس کی فوجوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر رکھا تھا اور اس کے تخیلات آہستہ آہستہ حقیقت پسندی کی طرف مائل ہو رہے تھے۔ اب اسے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ اپنے باپ اور دادا کی طرح محاصرہ اٹھا کر واپس چلا جائے یا آخر وقت تک مقابلہ کرے۔

بایزید یلدرم اور مراد نے مجبور ہو کر محاصرہ اٹھایا تھا۔ ایک کو تیمور اعظم انگورہ کے میدان میں قسمت آزمائی کی دعوت دے رہا تھا اور دوسرے کو ایشیا کی بغاوت نے بے دست و پا کر دیا تھا، لیکن سلطان محمد کے سامنے ایسی کوئی مجبوری نہ تھی۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی، کہ اسے نہ تو یورپ سے کسی حملے کا خطرہ تھا نہ ایشیا میں بغاوت کا۔ کیا وہ کامیابی کا سایہ دیکھ کر ناکام واپس لوٹ جائے؟ نہیں! ہرگز نہیں!! اسے قسطنطنیہ فتح کرنا ہوگا۔ یا تو قسطنطنیہ عثمانی سلطنت کا دارالحکومت بنے گا یا وہ قسطنطنیہ میں شامل ہو جائے گا۔

محاصرہ بدستور جاری تھا۔ فوجیں صبح سویرے آمنے سامنے ہوتیں اور شام کو کوئی فیصلہ ہوئے بغیر واپس آ جاتیں۔ البتہ سلطان محمد نے میدان میں فوجوں کی قیادت سے کنارہ کشی

اختیار کرلی تھی۔ وہ ایک بار پھر کوئی نیا منصوبہ ترتیب دے رہا تھا۔

قسطنطنیہ پر کیوں نہ دو طرف سے حملہ کیا جائے! بیک وقت دو محاذوں سے! ایک طرف ترک سپاہ خشکی سے سینٹ رومانوس کے راستے فصیل پر حملہ آور ہو، اور دوسری طرف باسفورس میں داخل ہوکر بندرگاہ کے بالائی حصے پر قبضہ جمالے، مگر بندرگاہ پر سامنے سے حملہ کرنا ناممکن تھا۔ یونانی بیڑا ترک بیڑے سے کہیں زیادہ مضبوط تھا۔ اس کے علاوہ بندرگاہ میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک آہنی زنجیروں نے راستہ روک رکھا تھا، اور ایسے آٹھ کوہ قامت جہاز ان زنجیروں کی حفاظت کر رہے تھے، جن پر مدافعت کے لئے بھاری توپیں نصب تھیں۔

سلطان کے نئے منصوبے پر عمل کرنے سے بحری جنگ چھڑ جانے کا امکان تھا اور یہ خود ترکوں کے لئے بھی مفید بات نہ تھی۔ ہاں! اگر ترک فوجیں کسی طرح باسفورس کی طرف سے بندرگاہ کے بالائی حصے تک پہنچادی جائیں تو کامیابی یقینی تھی۔ لیکن سوال یہ تھا کہ جہاز وہاں تک کس طرح پہنچائے جائیں؟

باسفورس کے کنارے سے بندرگاہ کے درمیان تقریباً دس میل تک خشکی کا خطہ حائل تھا۔ ساری زمین پہاڑی اور ناہموار تھی۔ اس خشکی پر سمندری جہاز کون چلا سکتا تھا؟ دنیا کی جنگی تاریخ میں آج تک ایسا کارنامہ انجام نہیں دیا جاسکا۔ مگر محمد کے دماغ نے یہ حیرت انگیز کارنامہ سرانجام دینے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نے اپنے افسروں کو طلب کرکے کہا:۔

"باسفورس سے بندرگاہ کے درمیان دس میل خشکی کا جو وسیع و عریض خطہ پھیلا ہوا ہے میں اسے جہازوں کے ذریعے طے کرنا چاہتا ہوں۔ جہازوں میں فوج، محاصرے کا ساز و سامان اور خوراک کا ذخیرہ موجود ہوگا۔ صبح کو برّی فوجیں سینٹ رومانوس پر اور بحری سپاہ بندرگاہ پر بیک وقت حملہ کریں گی۔"

سلطان کے منہ سے یہ منصوبہ سن کر ہر ایک شعبے کا افسر۔۔۔ خصوصیت کے ساتھ امیر مجد

مسکراتے لگا۔ اُس نے خیال کیا۔ محاصرے کی ناکامی نے سلطان کو عقل سے بیگانہ کر دیا ہے۔ ہر ایک افسر نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق منصوبہ کی مشکلات پر زور دیا۔ یہ ناممکن ہے — آج تک ایسا نہیں ہوا نہ کبھی آئندہ ہوگا۔ لیکن سلطان نے فیصلہ کُن انداز میں کہا :-

" ماضی کی تاریخ میری تخت نشینی سے پہلے لکھی جا چکی ہے، اور مستقبل کی تاریخ میری موت کے بعد ترتیب دی جائے گی۔ مجھے صرف اپنی زندگی کے واقعات میں دخل دینے کا حق ہے۔ جو کام مجھ سے پہلے نہیں ہو سکا، اُس کا شکوہ مجھ سے نہیں کیا جا سکتا، اور جو کام میرے بعد نہ ہو سکے گا، میں اس کے الزام سے بری ہوں، میں باسفورس سے قسطنطنیہ کی بندرگاہ کے درمیان دس میل خشکی کے ٹکڑے پر سمندری جہاز چلاؤں گا۔ تم دیکھو گے۔ مؤرخ اِس کی گواہی دیں گے، اور آنے والی نسلیں اُسے ایک معجزہ خیال کریں گی "

نوجوان سلطان نے جو کچھ کہا تھا، اُسے سچ ثابت کر دکھایا۔

افسروں کو حکم دیا گیا۔ آج سے ہر ایک افسر کی نصف فوج، یونانی فوج کو مصروف رکھے گی۔ اور نصف سپاہی جنگلوں سے درخت کاٹیں گے، اُنہیں چیریں گے اور چھ چھ انچ موٹے تختے تیار کریں گے۔ امیرِ بحر کو سُنا دیا گیا کہ اسی وقت بیڑے کے ساٹھ مضبُوط ترین جہازوں کی ضروری مرمت کا کام شروع کر دیا جائے۔

سالارِ اعلیٰ کو تاکید کی گئی کہ آج سے ترک فوج میں جس قدر جانور ذبح ہوں، اُن کی چربی براہِ راست رسد کے اعلیٰ افسر کے حوالے کی جائے، اور سپاہیوں کے پاس چربی، تیل اور روغن جتنی مقدار میں بھی موجود ہو، اُسے فوراً خرید لیا جائے "

ہر شخص حیران تھا کہ سلطان کس خوش فہمی کا شکار ہے۔

جنگلات دیکھتے دیکھتے لق ودق میدان سے بدل گئے۔ چھ چھ انچ موٹے تختوں کے

ڈھیر لگ گئے۔ روغن، تیل اور چربی کا ذخیرہ کرنے کے لئے رسد کے افسرِ اعلیٰ نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ اب وہ اُسے سنبھالنے سے معذور ہے۔

سلطان کو جب یہ اطلاع ملی تو اُس نے راتوں رات سارے لشکر کو جمع کیا۔ دس میل کی ناہموار زمین ہموار ہونے لگی۔ باسفورس کے ساحل سے بندرگاہ تک تختے بچھا دئے گئے۔ ساٹھ جنگی جہازوں کے بادبان کھول دئے گئے۔ اُن کے آگے باربردار جانور باندھ دئے گئے۔ تختوں اور جہازوں کے درمیان بڑے بڑے گول بیلن رکھے گئے۔ چرخیوں رسّے باندھے گئے اور یہ رسّے جانوروں کے گلے میں ڈال دئے گئے۔ ہر جہاز کے اگلے اور پچھلے حصّے پر ایک ایک رہنما کھڑا ہوگیا اور ترک سپاہ سلطان کے اشارے پر جہازوں کو کھینچنے لگی۔ ہر شخص گا رہا تھا اور سلطان ان کی ہمّت کی داد دے رہا تھا۔

صرف ایک ہی رات میں ترکوں کا یہ بیڑہ باسفورس کے پہاڑی ساحل پر نکل کر میدان سے ہوتا ہوا بندرگاہ کے بالائی حصّے میں داخل ہوگیا، جہاں وہ اس یونانی بیڑے کی زد سے بالکل محفوظ تھا جو کُھلے سمندر میں بندرگاہ کی حفاظت کے لئے تعینات تھا۔

O

سلطان نے بّری اور بحری فوج کے ساتھ بالائی بندرگاہ پر قبضہ کرتے ہی سمندر کے سب سے تنگ حصّے پر پُل بنانے کے احکام صادر کردئے۔ یہ حقیقت میں پُل نہ تھا، بلکہ پچاس ہاتھ چوڑی اور ایک سو ہاتھ لمبی گودی سی تھی، جو خالی پیپوں اور کنستروں کو ایک دُوسرے سے جوڑ کر بنائی گئی تھی اور اُس کے اُوپر ہموار تختے رکھ کر اسے سڑک کے طور استعمال کیا جاسکتا تھا۔

اس تیرنے والی سڑک پر سلطان نے دو جدید توپیں نصب کیں۔ اس کے آگے

ساٹھ چھوٹے چھوٹے جہازوں کا ایک بیڑا آراستہ کیا گیا، جس میں مشّاق طوفانی دستے اپنے پُورے اسلحہ کے علاوہ فصیل پر چڑھنے کے لئے بڑے بڑے زینے سنبھالے فصیل کے اُس حصّے کی طرف بڑھے جو سب سے زیادہ قریب تھا۔

○

سلطان کی یہ دلیری دیکھ کر، ایک طرف سے یونانی جنگی جہاز بندرگاہ کی طرف بڑھے۔ اور دوسری طرف سے اُنہوں نے سیّال آگ اِس کثرت سے برسانی شروع کی کہ بندرگاہ دھوئیں اور شعلوں میں نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

مگر، ایسے نازک وقت میں بھی سلطان پیش قدمی کرنے والی سپاہ کے آگے آگے تھا اور جوش دِلا دلا کر سپاہیوں کو اپنے ساتھ ثابت قدم رہنے کی تلقین کر رہا تھا — ساری ترک فوج محض اپنے سلطان کے آگے پیچھے حرکت کر رہی تھی۔ یونانی جہازوں نے اُس تیرتی ہوئی سڑک کو ڈبونے اور یونانی توپوں نے آتشبازی کے ذریعے اُسے جلانے کی انتہائی کوشش کی — قیصر، جولین، جسٹینانی، کارڈینل آئسیڈور اور تھیوڈورا، سب کے سب نیل کے اُس حصّے پر آگئے تھے۔ جس طرف ترک فوج بڑھ رہی تھی۔

اِن میں ہر ایک نہ صرف یونانی توپچیوں کے دل بڑھا رہا تھا، بلکہ جس سے ممکن ہُوا۔ وہ خود بھی توپ داغ دیتا — لیکن سلطان نے دشمن کے اِس آخری سنبھالے کی کبھی کوئی پروا نہ کی اور برابر آگے بڑھتا رہا۔

فصیل کے قریب پہنچ کر اُس نے فوج کے عقب میں سب سے اُونچے مقام پر کھڑے ہوئے تاتار کو اشارہ کیا — اور اچانک چودہ توپخانے فصیل پر آگ برسانے لگے۔ ساتھ ہی تیرتی ہوئی سڑک پر نصب شدہ توپوں نے آتش فشاں کی طرح پگھلا ہُوا لوہا اُگلنا شروع کر دیا۔

ترکوں کا یہ جوش و خروش دیکھ کر یونانی فوج دہشت زدہ ہوگئی ـــــ اور بالآخر ان کی توپیں خاموش ہوگئیں۔

ساحلی توپیں تو خاموش ہوگئیں مگر ـــــ یونانی جنگی جہاز اب ترکوں کے اور قریب آگئے تھے۔

فصیل کی طرف بڑھتے وقت سلطان نے دراصل اِن یونانی جنگی جہازوں کی نقل و حرکت پر بالکل توجہ نہ دی تھی ـــــ اِن کے لئے اُس نے علیحدہ منصوبہ تیار کر رکھا تھا۔

ـــــ جب وہ ترک جہازوں کی زد میں آگئے تو ساٹھ جہازوں کی ایک سو بیس توپوں کے دہانے اُن پر بیک وقت آگ اُگلنے لگے۔

یونانیوں نے پہلی بحری جھڑپ میں دیکھ لیا تھا کہ ـــــ ترک جہازوں پر مدافعت کا کوئی ہتھیار موجود نہیں، اِس لئے وہ بے خطر ان کے قریب آگئے تھے اور ـــــ ایسے قریب آئے کہ جب اُنہیں یہ معلوم ہوا کہ ترک جہازوں سے نکلنے والی آگ اُنہیں آگے نہ بڑھنے دے گی تو اُنہوں نے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی، مگر دوسری طرف سے باسفورس میں ترکی بحری بیڑے کا ہلال اُن کو اپنے حلقے میں لے چکا تھا۔

ـــــ اب یونانی جہاز نہ پیچھے ہٹ سکتے تھے، نہ آگے بڑھ سکتے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے، یہ زبردست یونانی بیڑا سمندر کی تہہ میں ڈوب گیا۔

○

اگرچہ یونانی ابھی تک قسطنطنیہ کی دوہری فصیل کے اندر محفوظ تھے، لیکن ـــــ چالیس دن کے محاصرے کے بعد یہ صاف دکھائی دے رہا تھا کہ قسطنطنیہ کی قسمت میں شکست کی جو ذلّت لکھی گئی تھی ـــــ اُسے کسی طور نہیں ٹالا جا سکتا۔

قیصر نے اپنی فوج کو خوش کرنے کے لئے ہزاروں جتن کئے —— قسطنطنیہ کے تمام گرجوں، خصوصیت کے ساتھ سینٹ صوفیہ کے انتہائی قیمتی تبرکات تک اُن میں تقسیم کر دئے لیکن وہ گرتی ہوئی عمارت کو ذرا بھی سنبھالا نہ دے سکا۔

یہ انعامات تقسیم کرتے وقت اُس نے بطریقوں سے یہ وعدہ بھی کیا —— کہ اگر ترکوں کا سیلاب واپس لوٹ گیا، تو ہر گرجے سے جس قدر سامان لیا گیا، اُسے وہ چار گُنا کر کے واپس کرے گا۔ مگر —— اُس کی ان باتوں پر کسی نے بھی اعتبار نہ کیا۔

بلکہ شہر میں یہ افواہیں عام ہو گئیں: قیصر بے دین ہو گیا ہے؛ اور لوگ یہاں تک کہنے لگے —— "قیصر نے ترکوں سے امن حاصل کرنے کے مواقع محض اپنی قیصری برقرار رکھنے کے لیے ضائع کر دئے ہیں!"

افراتفری کے اس مُہلک سیلاب میں بھیوڈورا ایک بار پھر قسطنطنیہ میں روشنی کے مینار کی طرح ڈٹ گئی —— اُس نے اپنی مختصر سی زندگی میں مذہبی جوش، سیاست، شجاعت، سازشں اور مکر و فریب کے کئی انقلاب دیکھے تھے، لیکن مذہبی جنون نے اُسے اب طاقت پرست بنا دیا تھا، وہ سوچنے لگی تھی:

"ترک اگر مسیحیت پر غالب آ رہے ہیں تو محض اپنی طاقت کے ذریعے —— اپنے زورِ بازو سے!"

—— "تو پھر، ترکوں پر غالب آنے کے لئے —— عیسائیوں کو بھی صرف طاقت ہی کی ضرورت تھی!"

"اور یہ طاقت!" وہ اپنے جی ہی جی میں کہنے لگی —— "سینٹ صوفیہ اور سینٹ پیٹر —— مشرقی اور مغربی کلیساؤں میں نصب شدہ مجسموں اور اُس صلیب کو، جس پر حضرت عیسیٰؑ کے خون کے داغ ابھی تک نظر آ رہے ہوں —— اُنہیں بیچ کر بھی حاصل کر لی جائے تو یہ عمل بالکل جائز ہے!"

یہ خیال آتے ہی، وہ قسطنطنیہ کی فصیل سے اُتر آئی۔ شہر کے کوچہ و بازار میں آکر تھر کنے لگی اور یونانیوں کو صاف صاف کہنے لگی:

"ہم نے سینٹ پیٹر اور سینٹ صوفیہ میں ـــــ مقدس باپ اور کنواری ماں کے قدموں میں بیٹھ کر مسیحیت کے غلبے اور اسلام کی تباہی کے لئے رو رو کر ہزار ہزار دُعائیں مانگیں۔ ہم نے آسمانی بادشاہت کی سلامتی کے لئے گڑگڑا کر خداوندِ یسوع مسیح کو بارہا جوش دلایا، مگر ترکوں کی توپوں کی گھن گرج نے اُنہیں بالکل بہرا کر دیا ہے۔

شاید یہ رُوحیں مسیحیوں کی بُزدلی سے تنگ آکر دوبارہ آسمان کی طرف پرواز کر گئی ہیں ـــــ وہ سینٹ صوفیہ اور سینٹ پیٹر کو عثمانی گھوڑوں کا اصطبل بنتے دیکھ نہیں سکتے۔

بہادر یونانیو! ـــــ یہ نہ صرف تمہاری عورتوں اور اولاد کی سلامتی کے لئے آخری جنگ ہے، بلکہ مسیحیت اور مسیحؑ کی عظمت برقرار رکھنے کے لئے آخری صلیبی جہاد بھی ہے، اور اگر ـــــ اُسے کامیاب بنانے کے لئے مسیحؑ کے مجسمے اور صلیبیں بیچ بھی دی جائیں تو جائز ہے۔ آگے بڑھو! اِس سے پہلے کہ ترک اِن مجسموں کو اپنے گھوڑوں کے سُموں کے نیچے ریزہ ریزہ کر دیں، تم اپنی زندگیاں اِن پر قربان کر دو! باہر نکلو اور سلطان محمد کو صوفیہ میں داخل ہونے سے پہلے فصیل کے باہر ہی روک لو"!

قیصر قسطنطین یونانیوں کو مسیحؑ کے نام پر اُبھارنے کی کوشش کر رہی مگر قیصر نے آخری بار صلح کے لئے سلسلہ جنبانی شروع کر دی۔ حقیقت میں وہ ایسی شرطوں پر صلح کرنے کے لئے تیار ہو گیا تھا جو اس کے مذہبی تقدس اور شاہانہ وقار کو اونچا رکھ سکیں۔

مگر جب قیصر کا وفد سلطان کے پاس گیا تو اُس نے اُنہیں صاف صاف کہہ دیا :
" میں اِس وقت جبکہ کامیابی میرے قدم چُومنے والی ہے ، قیصر سے صلح کے لئے ہرگز تیار نہ ہوتا، مگر ــــ اسلامی قانون سے سرتابی نہیں کر سکتا ؛
" اور صلح اِن شرائط پر ہوگی " سُلطان نے اُنہیں بتایا : ــــ " یا تو قیصر اسلام قبول کرلے ، یا قسطنطنیہ میرے حوالے کر دے اور یا بہادروں کی طرح میدان میں نکل کر مجھے مار دے یا میرے ہاتھ سے مرجائے "؛
اُس نے اپنے خیال کی اِس طرح وضاحت کی :
ــــ " اگر قیصر ہتھیار ڈال دے تو قسطنطنیہ کی ساری آبادی کا جان و مال محفوظ ہوگا ــــ یہاں رہنے والوں کی جاگیریں اور مکانات اُن کے پاس رہنے دئے جائینگے، جانے والوں کو حفاظت کے ساتھ شہر سے نکال دیا جائے گا اور ــــ قیصر کو قسطنطنیہ میں رہنے کے لئے موزوں مکان اور پانچ ہزار یونانی دینار کا ماہانہ وظیفہ دیا جائے گا !"
اگرچہ قیصر ان شرطوں پر صلح کے لئے تیار تھا، مگر جوبیں اور تھیوڈورا کی لعنت ملامت نے اُسے ایسا کرنے سے باز رکھا، اور ایک ہفتے کی سفارتی گفتگو کے بعد دونوں طرف سے قسمت کے آخری فیصلے کا انتظار کیا جانے لگا +

○

سلطان کئی دنوں تک قسطنطین کے شہر اور مسیحیوں کی مشرقی سلطنت کے دارالحکومت پر آخری ضرب لگانے کے لئے تیاریوں میں مصروف رہا اور اُس نے عام حملے کے لئے اُنتیس مئی کا دن مقرر کر دیا۔
ستائیس کی شام کو اُس نے فوج کے اعلیٰ افسروں کو قطعی احکام سُنا دئے۔ سلطانی خیمے میں چوٹی کے افسروں کی مجلس مشاورت منعقد ہوئی اور پھر سلطانی نقیب سارے کیمپ

میں پھیل کر سلطانی احکام، حملے کا مقصد اور بہادر سرداروں اور مجاہدوں کے لئے انعام و اکرام کے وعدوں کا اعلان کرنے لگے۔

سلطان نے حکم دیا کہ اٹھائیس مئی کو ہر ایک سپاہی روزہ رکھے گا، تمام دن روحانی اور جسمانی عبادت و ریاضت میں بسر کرے گا۔ اور اسے اپنی زندگی کا آخری دن سمجھ کر نہایت خشوع و خضوع سے یادِ الٰہی میں گزارے گا۔

اٹھائیس مئی کا سارا دن سلطان کے لئے بڑی مصروفیت کا دن تھا۔ صبح سے درویشوں، سپاہیوں اور سرداروں کا تانتا بندھ گیا، جو ۲۹ مئی کو دشمن سے دست بدست جنگ کی اجازت لینے آتے تھے۔

شام کی نماز کے لئے ہر ایک سپاہی کو صرف ایک ہی مقام پر جمع ہونے کے احکام صادر ہو چکے تھے۔ یہ مقام سلطانی خیمے کے سامنے کا میدان تھا جہاں افطاری کا اِنتظام سلطان نے صرفِ خاص کیا تھا۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد سلطان نے فوج کے سامنے ایک مختصر سی تقریر کی، جس میں زیادہ زور صرف اِس بات پر دیا گیا تھا کہ ـــــ قسطنطنیہ ہی وہ شہر ہے جس پر مسلمان حضرت عثمانؓ کے زمانے سے برابر حملے کرتے چلے آئے ہیں۔ اور چونکہ پیغمبرِ اسلامؐ نے مسلمانوں کے ہاتھوں اس شہر کی فتح کی خوشخبری سُنائی ہے۔ اِس لئے ہمیں سرکارِ دو عالم کی حدیث کے احترام میں اپنی جان قربان کر دینی چاہیئے، اپنی تقریر ختم کرتے ہوئے اُس نے اگلی شام تک زندہ رہنے والے ہر سپاہی سے دُگنی تنخواہ کا وعدہ کیا اور کہا ـــــ

"شہر کے گرجے، مدرسے اور دوسری عمارتیں سرکاری تصوّر کی جائیں گی اور ان میں سے کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔ شہر میں داخل ہوتے وقت اسلامی جنگی قانون کو قدم قدم پر ملحوظ رکھا جائے۔ شہر کے تمام خزانے، نقد سکّے، سونا، چاندی اور جواہرات پر تمہارا حق ہے

میری سلطنت بے شمار صوبوں پر مشتمل ہے۔ جو بہادر سب سے پہلے قسطنطنیہ میں داخل ہوگا، اُسے سب سے زیادہ خوشحال اور مالدار صوبے کی حکومت بخشی جائے گی۔ اور جو شخص اس جہاد میں کام آئے گا، وہ ان مادّی آسائشوں اور فانی عزّت و شہرت سے کہیں زیادہ نعمتیں حاصل کرے گا۔"

○

اور قیصر نے بھی یونانی سرداروں اور اتحادی بہادروں کو محل میں طلب کیا تاکہ انہیں کل کے حملے کی تفصیلات سے آگاہ کر کے قسطنطنیہ کے دفاع کے لئے تیار کرے۔

اس کی آخری تقریر سے صاف معلوم ہوتا تھا گویا وہ صدیوں پُرانی عظیم الشّان رومی سلطنت کا جنازہ دیکھ رہا ہے —— اُس نے مُردہ سلطنت کے جنازہ برداروں سے کئی قسم کے وعدے کئے۔ اُن کا دل بڑھایا، اور اُن کے دل میں اس اُمّید کی چنگاری کو روشن رکھنے کی انتہائی کوشش کی جو خود اُس کے دل کی گہرائیوں میں بُجھ چکی تھی۔ مسیحیوں کی زمینی بادشاہی ایک اُفق سے دوسرے اُفق تک تاریک تھی! اور انجیل یا کلیسا نے ان لوگوں کے سامنے آئندہ زندگی کا کوئی تصوّر پیش نہ کیا تھا، جو اپنے ملک اور قوم کی حفاظت کرتے ہوئے میدان میں کام آئیں۔ مگر اس کے باوجود قیصر کے آنسوؤں، جولین کے جھُوٹے وعدوں اور محاصرے کے عذاب نے یونانی جوانوں کو مایوس اور دل شکستہ کر دیا تھا۔ اور تھیوڈورا ایک ایک سردار کو جوش دلا رہی تھی۔ منّتیں کر رہی تھی۔ جیسے وہ کہہ رہی ہو "مسیحی دین کو بچالو! کنواری ماں کے مجسّمے کو بچالو! اور خود مجھے بچالو!!"

اور آخر کار اپنے اہل و عیال اور جان و مال سے بے نیاز ہو کر ان لوگوں نے اپنی زندگیاں قسطنطنیہ کی مدافعت کے لئے وقف کر دیں۔ اور ہر ایک سردار فصیل پر اپنے اپنے

مخصوص مورچوں میں ساری رات جاگتا رہا۔

قیصر، جولین، تھیوڈورا، جسٹینانی اور کارڈینل آئسیڈور کے جلو میں اپنے باڈی گارڈ کے ساتھ صوفیہ کے کلیسا میں آیا، اور یہیں ان لوگوں نے بھیگی آنکھوں اور عاجزانہ دعاؤں کے ساتھ ہم مشربی کی رسم ادا کی، جہاں جولین نے اپنی جادو بیانی سے ہر ایک شخص کو موت کا شیدائی بنا دیا۔ آج وہ ہنگری کے بے خوف سپہ سالار ہنیاڈی کے لئے بہت بیقرار تھا — تھیوڈورا اِس وقت اپنے سفید ریشمی لباس میں ایک ایسی دیوی دکھائی دیتی تھی جو آسمانی بادشاہت سے فرشتوں کے لشکر کی آمد کا پیغام لے کر صوفیہ میں ابھی ابھی آئی ہو۔

یونانی ساری رات خندق کے کنارے توپیں، گولے، پتھر، تیر اور خوراک کے ذخیرے ڈھوتے رہے۔ جہاں جہاں فصیل میں شگاف پڑ چکے تھے، وہاں حفاظت کے لئے یونانی بیڑے کے جہاز تعینات کر دئیے گئے۔ موت کے خوف نے خاموشی سے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا تھا۔

○

آخر کار — ۲۹ مئی ۱۴۵۳ء کی پو پھٹی، اور ترک معمول کے خلاف توپ کے ابتدائی گولے سے جنگ کا اعلان کئے بغیر قسطنطنیہ پر خشکی اور تری کی طرف بڑھے۔

قدیم جنگی ترتیب کے مطابق ہراول دستے ان ناتجربہ کار نوجوانوں پر مشتمل تھے، جنہیں جنگ کے آداب سے کوئی واقفیت نہ تھی۔ ترک اپنے دشمنوں کا پہلا وار ہمیشہ ایسے ہی پیدل دستوں پر روکتے تھے — یونانیوں نے اپنی بے پناہ آتشباری سے اُن کے سامنے بھڑکتی ہوئی آگ کی دیواریں کھڑی کر دیں۔ مگر ترکوں کا ریلا اس قدر زوردار تھا کہ جو سپاہی ایک مرتبہ اُس کی زد میں آگیا، وہ پھر کسی اور طرف نہ جا سکا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ترک لاشوں سے خندق پٹ گئی، اور دوپہر تک انتہائی گھمسان کی جنگ کے بعد

یہ نظر آتا تھا، گویا وہ قوت پارہ پارہ ہو چکی ہے جو ترک فوجوں کی پیشقدمی کا منبع تھی۔

میدانِ جنگ میں موت زندگی سے زیادہ کارآمد ثابت ہوتی ہے۔۔۔ ترک اپنی لاشوں سے خندق پاٹ چکے تھے۔ اب میدان اور فصیل کے درمیان راستہ ہموار ہو چکا تھا۔ صرف یونانی توپ خانے باقی تھے، جن کے دہانے آگ کی طرح سُرخ ہونے کے بعد تقریباً ٹھنڈے ہو رہے تھے، اور یونانی صفوں میں توپوں کی گھن گرج کی جگہ اب قیصر، جولین، تھیوڈورا اور جسٹینانی کے کھلے کھلے نعرے گونج رہے تھے۔

سلطان میدانِ جنگ کا جائزہ لینے کے لئے ایک ٹیلے پر چڑھ گیا۔ دن ڈھل رہا تھا، یونانیوں کا جوش و خروش ختم ہو رہا تھا۔ ترکوں کے حوصلے لمحہ بہ لمحہ بلند ہو رہے تھے۔ سلطان نے اپنے چیدہ چیدہ سواروں سمیت آخری حملے کی تیاری شروع کر دی۔

وہ ٹیلے سے نیچے اُترا تو تاتار اُس کے سامنے کھڑا تھا۔ سلطان اُسے دیکھ کر مسکرایا اور کہا: "کہو کیا خوشخبری سُنانے آئے ہو؟"

"میں قسطنطنیہ پر آخری حملہ کرنے کی اجازت لینے آیا ہوں۔"

"تمہیں کس نے روکا ہے؟ چودہ توپ خانے تمہارے اشاروں پر کام کر رہے ہیں اور اب اس کی کوئی قید نہیں کہ تم فصیل کے کس حصّے پر گولے پھینکو۔" بات ختم کر کے سلطان تاتار کے قریب آ گیا۔

"توپ خانے اپنا کام کر رہے ہیں۔ لیکن میں اپنے مختصر سے دستے کے ساتھ فصیل پر پہلا حملہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"اور ہماری طرف سے تمہیں اس کی بھی اجازت ہے۔"

یہ سُن کر تاتار گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا پہلے توپ خانے کے پاس آیا۔ ایک ہوشیار افسر کو اپنی جگہ مقرر کیا۔ اُسے ضروری ہدایات دیں، اور پھر تیس سپاہی ساتھ لیکر

فصیل کی طرف بڑھا جہاں اُسے قیصر اور اس کے قریب ہی سیاہ پوش مسیحی راہب جولین اپنی سپاہ کا جوش بڑھاتا دکھائی دے رہا تھا۔

سلطان اپنے اِرد گرد اناطولیہ، رومانیہ اور اپنے محافظ دستوں کے سپاہی جمع کر چکا تھا۔ وہ شام سے پہلے پہلے اِس جنگ کا فیصلہ کر دینا چاہتا تھا۔

جاں نثار نئے ولولوں اور اُمنگوں کے ساتھ سلطان کے آگے پیچھے سمندر کی لہروں کی طرح موج در موج بڑھ رہے تھے ـــــ اب فصیل پر قبضہ کرنے کے لئے آخری جنگ شروع ہو چکی تھی۔

سلطان اپنے شبرنگ گھوڑے پر بیٹھا ہاتھ میں بھاری آہنی گُرز سنبھالے سپاہیوں کو مختلف مقامات پر حملہ کرنے کے لئے اشارے کر رہا تھا۔ کمزور دل سپاہیوں کی آہ وزاری اور زخمیوں کی چیخ پکار، جنگی باجوں کی ہیبت ناک آواز میں دب گئی۔ سلطان کو معلوم تھا کہ ایسے موقعوں پر نعروں اور تقریروں کی نسبت طبلِ جنگ کی آواز سپاہیوں کے خون کی گردش تیز کرنے کے لئے انتہائی مفید ثابت ہوتی ہے۔

صفوں، جہازوں اور تیرتے والے پُل سے ترک توپیں چاروں طرف آگ برسا رہی تھیں۔ شہر اور میدان ـــــ ترک اور یونانی اس دُھوئیں کے بادلوں میں چھُپ گئے تھے۔ جس کے ختم ہونے کی صرف دو ہی صُورتیں تھیں۔ یا تو ترک ختم ہو جائیں اور یا رومی سلطنت کا دارالحکومت۔ ترک ایک ایک اِنچ زمین کے لئے لڑ رہے تھے۔ اور سلطان اُن کی شجاعت پر ہدیۂ تبریک پیش کر رہا تھا، جہاں دس ہزار جاں باز مرنے اور مارنے کا عہد کر کے میدان میں بجلیوں کی طرح لپک رہے ہوں، وہاں خون، موت اور لاشوں کے علاوہ اور کچھ دکھائی نہیں دے سکتا۔ فصیل کے جس حصّے پر خون، موت اور تباہی کا یہ کھیل کھیلا جا رہا تھا۔ وہاں سارے قسطنطنیہ کی دفاعی قوت اکٹھی ہو چکی تھی۔ قیصر، جولین، جسٹینانی اور آئسیڈور اسی مقام پر تھے اور یونانیوں کے حوصلے بڑھا رہے تھے۔

سلطان دس ہزار جانبازوں کے ساتھ فصیل کے اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا، اور تاتار صرف تیس سپاہیوں کے ساتھ یونانی صفوں میں کسی ایسے شگاف کا منتظر تھا۔ جس میں وہ اپنے دستے کے ساتھ پتھر کی طرح گھس جاتے۔ لیکن یونانی آہنی دیوار کی طرح جمے ہوئے تھے۔ جہاں ایک سپاہی گرتا، وہاں بیس اور آجاتے اور ان میں سے ہر ایک سپاہی سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق ہوتا۔

جنگ جنون کی منزلوں تک جا پہنچی تھی۔ سورج نے مغربی اُفق کو رنگنا شروع کر دیا تھا۔ روشنی زردی میں اور زردیاں سُرخیوں میں بدلنے لگی تھیں۔

تاتار کو ایسے محسوس ہُوا جیسے اِس محاذ کی اصل قوت وہ سیاہ پوش راہب ہے، جو قیصر سے بھی زیادہ، ترکوں کی پیش قدمی کے آگے رُکاوٹ پیدا کر رہا ہے۔ اُس نے ارجمند سے کمان لی۔ تیر چلّے میں چڑھایا اور موقعے کا انتظار کرنے لگا۔ موقعہ ملتے ہی اُس نے تاک کر ایسا تیر مارا جو جولین کے بازو میں لگا اور وہ ایک دم بیٹھ گیا۔ تیر نکالا، سنبھلا۔ مگر بوڑھے راہب کے پاؤں اُس کے جسم کا بوجھ اُٹھا نہ سکے۔ وہ پیچھے ہٹا۔ قیصر نے اُسے روکا۔ جسٹینانی نے اُسے سہارا دے کر کہا:

"تمہارا زخم معمولی ہے، مگر خطرہ اپنے عروج پر ہے۔ یہاں تمہاری موجودگی بے حد ضروری ہے، اور پھر جاؤ گے بھی کہاں؟"

جولین نے قیصر کو دیکھا اور جواب دیا "مجھے ابھی جانے دو، میں پھر آجاؤں گا۔ بہت جلد"

یہ کہتے ہی وہ اندرونی دیوار کے ان شگافوں میں رُوپوش ہو گیا جو ترکوں کی شدید گولہ باری سے قدم قدم پر نظر آنے لگے تھے۔ جولین کے ہٹتے ہی وہ بہادر سپاہی جو ابھی تک فصیل پر لڑ رہے تھے، پیچھے ہٹے۔ تھیوڈورا نے اُنہیں حوصلہ دینے کی کوشش کی۔ اُس نے کہا:

"بیوقوفو! اپنی جان کو خطرے میں نہ ڈالو! تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ شام تک دشمن کے راستے میں چٹانوں کی طرح جمے رہو۔ تمہاری زندگی اور موت میں

عنقریب بہت جلد رات حائل ہونے والی ہے۔ اُس ایک رات میں تم
اپنے بیوی بچّوں سمیت شہر سے جا سکتے ہو۔"

اور سپاہی ایک بار پھر اپنے اپنے مورچوں میں آ گئے۔ تاتار نے اِس فرصت سے فائدہ اٹھایا۔ قیصر فصیل کے معائنے کے لئے آگے بڑھا۔ ابھی تک ایک سو شاہی محافظ اُس کے ساتھ تھے۔ تاتار شروع ہی سے فصیل کے اِس حصّے پر نظریں جمائے ہوئے تھا جس میں شگاف پڑ چکا تھا۔ جب اُس نے قیصر کو ایک سو محافظوں سمیت اس طرف بڑھتے دیکھا، تو اُس نے اپنے تیس سپاہیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

"دوستو! پچاس دن کے اس محاصرے کے دوران میں، میں دن رات ایسے موقعے کی تاک میں رہا۔ تمہارے سامنے فصیل میں شگاف بھی ہے اور قیصر بھی۔ آؤ! ہم نہ صرف یہاں ترک پرچم گاڑ دیں بلکہ قیصر کو بھی زندہ گرفتار کر لیں۔ یقین کرو! قسطنطنیہ کی فصیل پر پرچم گاڑنے اور قسطنطین کے جانشین کے سر سے سنہری تاج اُتارنے میں ایسی لذّت ہے جس سے محروم ہونے پر تم عمر بھر افسوس کرو گے۔ آؤ! مختصر سی زندگی میں نام پیدا کرنے کے لئے ایسے شاندار موقعے بار بار نہیں آتے۔"

تاتار ایک ہاتھ میں علم اور دوسرے میں تلوار سونت کر تیزی سے شگاف کی طرف بڑھا۔ قیصر وہاں پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔ یونانی محافظ نیزے اور تلواریں سونتے شگاف کے سامنے جم گئے۔ مگر تاتار اب پیچھے ہٹنا گوارا نہ کر سکا۔ اس نے ارجمند سے کہا۔ "تیروں کی باڑ مارو!"

تیروں کی بوچھاڑ میں تاتار آگے بڑھا۔ شگاف پڑنے کے بعد فصیل مشکل سے اس کے قد کے برابر اُونچی رہ گئی تھی۔ وہ کود کر اُس پر چڑھا۔ پرچم گاڑا اور نعرہ مارتا ہوا قیصر پر پل پڑا۔ اُس کا نعرہ سُن کر تازہ دم یونانی دستے قیصر کے ارد گرد پروانوں کی طرح جمع ہونے لگے۔ قریبی بُرج سے یونانیوں نے ترکی پرچم پر تیروں اور آتشیں گولوں کی بارش برسا دی

پرچم کی دھجیاں اُڑ گئیں۔ لیکن پھر بھی ہلالی پرچم کی چند دھجیاں قسطنطنیہ کی فصیل پر بدستور لہراتی رہیں، جنہیں یونانی شام کے جھٹپٹے میں اچھی طرح اپنی زد میں نہ لے سکے۔

ارجمند، دستے کے ساتھ تاتار کے پیچھے پیچھے قیصر کی طرف بڑھا۔ قیصر نے بھاگنے کی کوشش کی، تاتار نے ایک یونانی کے ہاتھ سے نیزہ چھین کر قیصر کی پیٹھ پر مارا، وہ لڑکھڑایا گرا اور یونانی ٹڈی دل کی طرح قیصر کی لاش پر جھک گئے۔ تاتار نے پیچھے مڑ کر دیکھا ارجمند اپنے سپاہیوں کے ساتھ اُس کے قریب آچکا تھا۔ تاتار کے ایک سپاہی نے کہا:۔

"شام رات میں تبدیل ہو چکی ہے۔ ہم فصیل کی اندرونی دُنیا سے ناواقف ہیں۔ یونانی ٹڈی دل کی طرح جمع ہو رہے ہیں، اور ہماری مدد کے لئے ایک سپاہی بھی نہیں آرہا۔ ہم فصیل پر پرچم گاڑنے میں کامیاب ہو گئے جسے سلطان بھی دیکھ چکا ہوگا۔ آؤ۔۔۔ اب واپس چلیں!"

تاتار نے اُسے دیکھا اور کہا: "کتنے بدنصیب ہو! آبِ حیات کے چشمے پر پہنچ کر پیاسے واپس جانا چاہتے ہو۔ قیصر تمہارے سامنے زخمی پڑا ہے۔ تاج اُس کے سر سے گر چکا ہے۔ مَیں تاج اُٹھائے بغیر واپس نہیں جا سکتا!"

ترک پرچم قسطنطنیہ کی فصیل پر لہرا رہا تھا۔۔۔ قیصر چند لمحوں کا مہمان تاتار کے سامنے پڑا دم توڑ رہا تھا اور اُس کا تاج تاتار کی ٹھوکروں میں تھا۔

وہ تاج دیکھ کر اپنے جذبات اور محسوسات کا گلا نہ گھونٹ سکا۔ اُس نے اپنے گردوپیش نظر ڈالی۔ ارجمند کے آس پاس ابھی تک بیس بائیس ترک سپاہی بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ تاتار قیصر کی طرف لپکا اور اُس کا تاج اُٹھا لیا۔ قیصر کے اور زیادہ قریب آیا۔ وہ ابھی تک زندہ تھا۔ لیکن صرف چند لمحوں کا مہمان۔ اُس نے قیصر کا تاج اُوپر اُچھالتے ہوئے

ترک سپاہیوں سے مخاطب ہوکر کہا :۔

"بہادرو! تمہیں مبارک ہو تم جس کام کے لئے آئے تھے اس میں کامیاب ہوئے۔ ترک پرچم ابھی تک فصیل پہ لہرا رہا ہے، اور قیصر کا تاج میرے قبضے میں ہے۔ اب واپس چلنے کی کوشش کرو! زندہ واپس چلنے کی آخری کوشش!!"

تاردن کی نہایت حسین و خنک روشنی میں جب تاتار قیصر کے تاج کے ساتھ فصیل سے باہر نکلنے کی آخری کوشش کر رہا تھا۔ اُس کے زخمی شانے سے رِستا ہوا لہو قیصر کے تاج کو رنگین بنا رہا تھا اور تھیوڈورا راہبہ کے لباس میں فصیل کے قریبی بُرج پہ کھڑی اُسے دیکھ رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی۔" تاتار نے آج تک اپنی زندگی کے متعلق جس قدر پیش گوئیاں کی ہیں، وہ حرف بحرف پوری ہوئیں ـــ آج اُس کی آخری خواہش بھی پوری ہوچکی ہے۔ مگر خود میری حسرتوں کا کیا انجام ہوگا! یہ صدمہ اس کے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔

وہ تیزہ لہراتی ہوئی اور گلے کی پوری قوت سے چلاتی ہوئی بُرج سے اُتری :۔

"فلپ اور سکندر کے بیٹو! جولیس سیزر اور قسطنطین اعظم کی عزت کے محافظو!!! صلیب کے علمبردارو!!! وقت کی بے رحم کمان سے چھوٹا ہوا تیر دوبارہ پلٹ کر نہ آئے گا۔ رومۃ الکبریٰ کی عظمتِ رفتہ کی آخری نشانی' قیصر کا تاج قسطنطنیہ کی دیواروں سے نکل کر کبھی واپس نہ آئے گا۔ زندگی کا انجام موت ہے، زندگی لوٹ کر نہ آئے گی، نام باقی رہ جائے گا۔ آگے بڑھو! اور دشمن کے ہاتھ سے تاج چھین لو!!"

ایک حسین عورت کے ہونٹوں سے نکلے ہوئے یہ الفاظ جیسے آگ کی چنگاریاں بن گئے۔ تھیوڈورا نے جیسے وہ بند توڑ دیا جس کے اِرد گرد صدیوں سے پانی جمع ہو رہا تھا۔ ایک ریلا اُٹھا، جو قسطنطنیہ کی منہدم دیواروں، پتھروں، اینٹوں اور یونانی سپاہیوں کی لاشوں کے اُوپر بہتا ہوا ترکوں کی طرف بڑھا ـــ تاتار کی طرف لپکا۔ مگر تاتار جا چکا تھا۔

قیصر کی آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند ہو چکی تھیں۔ مگر تھیوڈورا کی آنکھیں اب بتدریج کھلنے لگی تھیں ــــ آج اُسے اپنی طاقت کا بھرپور احساس ہو رہا تھا۔ اُس نے اپنے خالی ہاتھوں سے اپنا دل ٹٹولا۔ اپنی روح کی گہرائیوں میں جھانکنے کی کوشش کی۔ اس کی بے شمار حسرتوں، ارمانوں، اُمیدوں، خواہشوں اور اُمنگوں کے بے ترتیب ملبے میں سوائے تاتار کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ وہ ایک بہادر دشمن تھا۔ وہ ایک سچا دوست تھا، وہ مردِ میدان تھا۔ حقیقت میں وہی تھیوڈورا کی زندگی کا ساتھی تھا۔ تھیوڈورا کے دل سے جیسے ایک ہُوک سی اُٹھی، اور وہ نمناک آنکھوں سے اس بہادر سپاہی کو دیکھنے لگی، جو ہزاروں رومیوں کی موجودگی میں اُن کے بادشاہ کا تاج چھین کر لئے جا رہا تھا۔

○

سلطان فصیل پر لہراتا ہُوا اسلامی پرچم دیکھ چکا تھا ــــ شام کے قریب یہ کامیابی حقیقت میں بہت بڑی کامیابی تھی۔ مگر اس وقت فصیل کے اندر داخل ہونا مصلحت کے خلاف تھا۔ یونانیوں کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ لیکن پھر بھی صبح تک انتظار کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اُس نے فوج کو واپسی کا حکم دینے سے پہلے اُس مقام پر نظر ڈالی جہاں تاتار اپنے دستے کے ساتھ موجود تھا۔ اور اب تاتار کو اپنی جگہ پر موجود نہ پا کر سلطان پریشان سا ہو گیا۔

یونانی فصیل کے اِس حصے پر ابھی تک آگ برسا رہے تھے جہاں تاتار قیصر کے تاج کے ساتھ واپس آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سلطان سوچنے لگا۔ یونانی اس دیوانگی سے کیوں آگ برسا رہے ہیں؟ فصیل پر یہ پرچم کس نے گاڑا! تاتار کہاں ہے؟

سلطان کو پریشان دیکھ کر قزل پاشا نے کہا:۔

"میں نے تاتار کو اس شگاف میں داخل ہوتے تو دیکھا تھا مگر واپس آتے نہیں دیکھا۔"

سلطان تیزی سے اِس شگاف کے قریب آیا۔ آتشیں گولوں کی روشنی میں سلطان نے دیکھا سینکڑوں یونانی جمع تھے۔ یہ ایک خطرناک بات تھی۔ سلطان نے حکم دیا ــــ " اُنہیں فوراً منتشر کیا جائے۔"

ترک تیر اندازوں نے باڑھ ماری۔ یونانی منتشر ہونے لگے، اور تاتار اپنے سپاہیوں سمیت قیصر کے تاج کو اُچھالتا ہوا نظر آیا۔ تاتار کو سلامت دیکھ کر سلطان مطمئن ہو گیا۔ وہ تیزی کے ساتھ ــــ سلطان ہی کی طرف آرہا تھا۔ جب وہ قریب آیا تو سلطان نے مسرت بھری آواز میں اُسے شش آمدید کہا۔ تاتار نے جھک کر قیصر کا سُنہری تاج سلطان کی خدمت میں پیش کیا جسے دیکھ کر سلطان خوشی سے چلّایا :۔

"قیصر کا تاج ! ــــ تاتار ! واقعی تم نے آج بہت بڑا کارنامہ انجام دیا۔ زندہ باد ! تم انعام کے مستحق ہو۔"

تاتار نے مُسکرا کر ایک بار پھر سلطان کا شکریہ ادا کیا۔

" مرحبا تاتار مرحبا !" سلطان نے تاتار کے ہاتھ سے تاج قبول کرتے ہوئے کہا۔" قیصر کا کیا انجام ہوا ؟"

"وہ مارا گیا عالی جاہ !"

"تم آج سے قسطنطنیہ کے گورنر مقرر کئے گئے۔"

سلطان نے تاتار سے ہاتھ ملایا، اور جس قدر افسر سلطان کے قریب موجود تھے، سب نے تاتار کو ہدیۂ تبریک پیش کیا ــــ تاتار کا ایک ہاتھ غیر ارادی طور پر کندھے کی طرف اُٹھا۔ جہاں سے ابھی تک ــــ خون بہہ رہا تھا۔ جب سُلطان کی نظر تاتار کے کندھے پر پڑی تو اُس نے شاہی جرّاح سے مخاطب ہو کر کہا :

"تم تاتار کے خیمے میں جا کر اس کی مرہم پٹی کرو !"

اور پھر تاتار سے کہا : ــــ

"تم آرام کرو! تمہاری کامیابی کی یاد میں ہم ترک سپاہ کو ایک شاندار دعوت دے رہے ہیں۔ ہمیں یقین ہے تم اِس خوشی میں شریک ہو سکو گے"۔

اُنیسواں باب

استنبول

ہنگری کے دارالحکومت بوڈا کی فضا آج پھر جوشیلے نعروں سے گونج اُٹھی تھی۔ سینٹ نکولاس کے چوک میں مسلح فوجوں اور رضاکار دستوں میں بتدریج اضافہ ہوتا جارہا تھا ــــــ پاپائے روم کے نائب کارڈینل جولین کی آواز یہاں پہنچ چکی تھی۔ سلطان محمد کی قسطنطنیہ پر طوفانی یلغار کے افسانے اب حقیقت بنتے جارہے تھے۔ مسیحی یورپ میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھر سے مذہبی تعصّب کی آگ بھڑک اُٹھی تھی ــــــ اور آج پھر ہنگری کا مشہور سپہ سالار ہنیاڈی سب کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔

ولاڈی سلاس کے محل کا مخصوص ہال، مشیروں اور فوجی سالاروں سے بھرا ہوا تھا ــــــ اس اجتماع میں قسطنطنیہ کے لئے مؤثر کمک بھیجنے کے سوال پہ غور ہونے والا تھا۔ جولین کا ایلچی ہنیاڈی کے قریب ہی ایک کرسی پہ بیٹھا اِس ساری صورتِ حال کا جائزہ لے رہا تھا۔

جب تمام سربرآوردہ مسیحی لیڈر جمع ہو گئے تو ہال کے تمام دروازے بند کر دئے

گئے اور ہنیاڈی کا اشارہ پاکر جولین کا ایلچی اپنی جگہ کھڑا ہوا۔ اُس نے نہایت درد بھرے لہجے میں قسطنطنیہ اور اُس کے باشندوں کی داستانِ مظلومیت سنائی، اور جب اُس نے یہ کہا کہ اس وقت قیصر کا تاج خطرے میں ہے تو ہال کے ایک کونے سے آواز آئی:

"قیصر کا تاج ہی نہیں، مسیحؑ کی عظمت بھی خطرے میں ہے۔"

اِس آواز پر تھوڑی دیر کے لئے حاضرین کے دلوں میں جوش پیدا ہوگیا۔ نوجوان سالاروں کے ہاتھ اپنی تلواروں کے قبضوں پر جا پڑے، اور سب نے ایک ساتھ کہا: "ہم اس خطرے کو ہمیشہ کے لئے مٹا دیں گے۔"

ہنیاڈی مسکراتا ہوا اُٹھا۔ اُس نے ہال میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی، ہر شخص کے چہرے کو غور سے دیکھا اور پھر تقریر کرنے کے لئے اپنا دایاں ہاتھ بلند کیا ـــــ سارے ہال پر خاموشی چھا گئی۔ ماضی کی تاریخ اُس کے چہرے پر کندہ تھی ـــــ اُس نے اس تاریخ کے اوراق کو اُلٹا، اور پھر بلند آواز میں پکارا:-

"آج ہم اپنی قومی زندگی کے ایک ایسے موڑ پر کھڑے ہیں، جہاں سے پیچھے پلٹنے کے تمام امکانات ختم ہو چکے ہیں ـــــ ہمارے سامنے ایسی آگ بھڑک رہی ہے جس کے شعلے صلیبِ مقدس کے ساتھ ساتھ اُس کے ہر محافظ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے چکے ہیں اور اگر ہم مسیحؑ کی عظمت کو تسلیم کرتے ہیں تو ہمارے لئے یہاں محض ایک تماشائی کا کردار ادا کرنا بہت مشکل ہے۔ قسطنطنیہ کے بعد یقیناً ہماری باری ہے اور اگر ہم آج آنکھیں بند کر کے آگ کے اس سمندر میں کود پڑتے ہیں تو بہت ممکن ہے کہ اِس آگ کو اپنی سخت جانی سے ٹھنڈا کر دیں ـــــ اُس کے شعلوں کا رُخ دوسری طرف موڑ دیں اور اگر نامرادی ہی ہمارا مقدر ہو چکی ہے تو بہادروں کی موت کیوں نہ مریں، اپنے مذہب کے تقدس کی حفاظت کرتے ہوئے جان کیوں نہ دے دیں؟"

"بیشک! بیشک!! ہم تیار ہیں"

ہال ایک بار پھر تند و تیز نعروں سے گونج اُٹھا۔ ہنیاڑی نے اپنا ہاتھ پھر بلند کیا، اور جب لوگ خاموش ہو گئے تو مختصر لفظوں میں اپنا فیصلہ سُنا دیا :۔

"آنے والی رات کے آخری حصّے میں ہمیں نہایت خاموشی کے ساتھ یہاں سے کوچ کرنا ہوگا ــــ ہمارے بعد سینٹ نکولاس چوک کی حیثیت بدستور فوجی کیمپ کی رہے گی ــــ نئے رضاکار بھرتی ہوتے رہیں گے، اور کمک کا سلسلہ اِس طرح جاری رہے گا کہ کبھی ٹوٹنے نہ پائے۔"

ہنیاڑی کے اس فیصلے کی ہر طرف سے تائید کی گئی ہے اور پھر تقریباً ہر شخص آنے والے واقعات کے بارے میں سوچنے لگا۔

دلاڈی سلاس کے محل میں جو کچھ ہوا، انتہائی رازداری سے ہوا، لیکن ہنیاڑی کا فیصلہ اِس خاص اجتماع کے منتشر ہونے سے بھی پہلے سارے بوڈا میں پھیل چکا تھا۔ اور ہر شخص "قسطنطنیہ چلو" کا نعرہ لگا رہا تھا۔

○

رات مشکل سے تیسرے پہر میں داخل ہوئی تھی ــــ

ترک فوج اگلی صبح قسطنطنیہ میں داخل ہونے کا یقین لے کر بکھر گئی تھی ــــ تھکے ماندے سپاہی اطمینان کی نیند سو رہے تھے کہ اَچانک اِک شور اُٹھا۔ توپوں کی گھن گرج سے قیامت سی آگئی۔ قسطنطنیہ کے منہدم در و دیوار لرز اُٹھے۔ شکستہ فصیل اور بُرجوں سے چاروں طرف اندھا دُھند آگ برس رہی تھی۔ ترک خیمے، جہاز اور جنگی ساز و سامان سب خطرے میں پڑ گیا۔

سلطان ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ اُس نے آنکھیں ملنے کے بعد لمحہ بھر توقف کیا اور تیزی سے

خیمے کے باہر آ گیا۔ سارے میدان میں حدِّ نگاہ تک شعلے ہی شعلے ناچ رہے تھے۔ اُسے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ یونانیوں نے اچانک حملہ کر دیا ہے۔ اُس نے فوراً تیار ہونے کا حکم دیا۔ مگر اس سے پہلے کہ ترک سپاہ نیند سے بیدار ہو کر ایک مرکز پر جمع ہوتی، آتشیں گولوں کے سائے میں یونانی، ترکوں کے سر پہ آن پہنچے ـــــ یوں معلوم ہوتا تھا اُنہیں راتوں رات بہت بھاری کمک مِل گئی ہے۔ لیکن یہ بجھتے ہوئے چراغ کے بھڑکنے کا آخری تماشا تھا۔ یونانیوں کی حقیقی قوت پارہ پارہ ہو چکی تھی ـــــ جولین اپنے زخمی بازو کو سنبھالے گلے کی پوری قوت سے چیخ رہا تھا:۔

"بہادرو! یہ وقت ہے آگے بڑھو، اور دشمن کو اُس کے ساز و سامان سمیت تباہ کر ڈالو ـــــ قسطنطینِ اعظم کا آخری جانشین بہادروں کی طرح اپنے وطن کی حفاظت کرتا ہوا شہید ہو چکا ہے۔ مگر اس کی موت، مسیحیت کی موت نہیں ہے۔ اُس کا تاج ترکوں کے قبضے میں ہے تو کیا ہوا، اُس کا تخت ابھی تک ہمارے پاس ہے، اور یہ تخت اس بہادر کی امانت ہے جو ترکوں کے ہاتھ سے قیصر کا تاج چھین کر اپنے سر پر رکھ لے گا ـــــ آؤ! میرے ساتھ آگے بڑھو!! اور سوئی ہوئی ترک بھیڑوں پر بھوکے بھیڑیوں کی طرح ٹوٹ پڑو!!! اس شبخون میں کامیابی ہمیں اُس خوش نصیب نوجوان سے مِلائے گی جسے قسطنطینِ اعظم کا جانشین قرار دیا جائے گا ـــــ"

دراصل یہ رومۃ الکبریٰ کے دم توڑتے ہوئے اقتدار کا آخری سنبھالا تھا جس نے دُور دُور تک تباہی پھیلا دی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ابلیس اپنے حواریوں سمیت آتشبازی کا لُطف اُٹھا رہا ہے۔

ترک اُس وقت سنبھلے جب اُن کے اِرد گرد تباہی اور ہلاکت کے سمندر میں طوفان برپا ہو چکا تھا۔ سلطان نے بڑی مشکل سے مٹھی بھر افسروں اور جاں نثاروں کو اپنے گرد جمع

کیا اور اُن سے کہا:۔

"مسلمانو! تم دیکھ رہے ہو، دشمن نے کس قدر نازک وقت میں ہمیں پریشان کیا ہے۔ اِس سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ خواہ وہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو، اس سے کبھی غافل نہ رہنا چاہیئے۔

دشمن کی اِس جسارت سے تمہیں یہ سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آنی چاہیئے کہ اگر کوئی چاہے تو انتہائی مایوسی کے عالم میں بھی اپنی شکست کو فتح سے بدلنے کے لئے جان پر کھیل سکتا ہے۔

لیکن مجاہدو! گھبرانے کی ضرورت نہیں ـــــ آج سے پورے دو ہزار سال پہلے سکندر نے مغرب میں جو مادی چراغ جلایا تھا، یہ اُس کا آخری سنبھالا ہے۔ تم آگے بڑھو! اور زوردار پھونکوں سے اُسے ہمیشہ کے لئے گُل کردو! فتح تمہاری راہ دیکھ رہی ہے ـــــ!"

سلطان کی للکار پر ترک سنبھل چکے تھے۔ وہ آگے بڑھے ـــــ یونانی آگ کے سمندر کا سیلاب رُک گیا، بلکہ فوراً ہی ایک مختصر سے محاذ پر یونانی پیچھے ہٹنے لگے اور ترکوں کا حلقہ اُن کے گرد تنگ ہوتا گیا۔

جولین اپنے سیاہ کلیسائی لباس میں بدحواس ہو کر بھاگا بھاگا پھر رہا تھا۔ اُس کے ہاتھ سے لمبی سیاہ صلیب گر چکی تھی، پھر بھی وہ دس بارہ یونانی مجاہدوں کے ساتھ سینٹ رومانوس کے دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

ترک میدان میں دھاڑ رہے تھے۔ چراغ بُجھ چکا تھا۔ اور اب اِس میں سے دھوئیں کی ایک لکیر بلند ہو کر حلقے بناتی قسطنطنیہ کے ہر گنبد و مینار پر پھیلتی چلی جا رہی تھی۔

جولین جب فصیل کے ایک شگاف سے آگے بڑھ رہا تھا، مسلمان مجاہد اُس کی طرف لپکے مگر سلطان نے اُنہیں روک دیا۔ "بھاگنے والا خود زخمی ہے۔ اُس کے تعاقب کی ضرورت

نہیں! پھر اُس نے بہ آوازِ بلند کہا:۔

"ٹھیرو! پَو پھٹنے والی ہے۔ صرف چند لمحے اور انتظار کرو ـــــ ہم انشاءاللہ صبح کی نماز صوفیہ میں جاکر پڑھیں گے ـــــ ہماری قسم پوری ہونے کا وقت آگیا ہے۔"

○

قیصر کی موت کے بعد مشرقی سلطنت میں ایک ہولناک طوفان برپا ہوگیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا، گویا جولین اور تھیوڈورا ایک دوسرے سے الگ الگ سیلاب کے رُخ بالکل متضاد وسعتوں میں بہے چلے جارہے ہیں ـــــ جولین کیا سوچ رہا تھا اور ہو کیا گیا ـــــ؟ اب اس کے سامنے ایک ہی راستہ تھا، موت یا گمنامی کا تاریک غار ـــــ کاش وہ تیر اس کے بازو اور کولھے کی بجائے سینے میں اُتر گئے ہوتے۔ جن کی تکلیف سے اُسے موت کی لذّت محسوس ہو رہی تھی۔

ـــــ اور تھیوڈورا ایک دوراہے پر کھڑی تھی! ایک اُفق پر مسیحیت کا ڈوبتا ہوا آفتاب جولین، ہنیاڈی، قیصر، جسٹینانی اور تمام کلیسائی عظمتوں کو تاریکی کے حوالے کرتا نظر آرہا تھا، اور دوسرے اُفق پر ایک نئی صبح مسکرا رہی تھی ـــــ تاتار، قیصر کے تاج کو فضا میں اُچھالتا دکھائی دے رہا تھا۔

اس وقت تھیوڈورا کے دل و دماغ میں عجیب کشمکش جاری تھی، وہ سوچتی تھی اور سوچ سوچ کر رہ جاتی تھی، اُس کی سوچ کے دائرے الگ الگ تھے متضاد اور اَن گنت ـــــ کبھی دبی ہوئی مجروح محبّت اُس کے ضمیر کو جھنجھوڑ ڈالتی تھی۔ کبھی قومی غیرت دل پر چرکے لگاتی تھی، اور کبھی اپنی ناکامی کا احساس خون کے آنسو بہانے پر مجبور کر دیتا تھا۔

سوچ کے ان دائروں میں بھٹکتے بھٹکتے اُسے خیال آیا ـــــ کیا اب بھی تاتار اُسے قبول

کرلے گا؟ اور کیا اب وہ خود بھی تاتار کے پاس جانا گوارا کرلے گی؟ ـــ ڈھلے ہوئے بازو گلے کا ہار بن جاتے ہیں۔ مگر اپنی جگہ سے نکلی ہوئی آنکھیں پھینک دی جاتی ہیں ـــ کیا وہ یہ بے نور آنکھیں لے کر تاتار کے سامنے جا سکتی ہے؟

محل کی مرمریں، کشادہ اور طویل سیڑھیوں پر بیٹھی تھیوڈورا اپنے خیالوں کے ساتھ پرواز کر رہی تھی۔ اور وہ ابھی تک کسی فیصلہ پر نہ پہنچ پائی تھی کہ اُس نے دیکھا ـــ خون میں لت پت جولین نے بھی اُسے دیکھ لیا تھا ـــ

اُسے یہ ہرگز اُمید نہ تھی کہ تھیوڈورا، آخری وقت اُسے یوں دکھائی دے گی ـــ خلافِ توقع اپنے سامنے پا کر اُس میں عجیب توانائی آگئی اور ایک صحت مند نوجوان کی طرح وہ جلدی جلدی زینے طے کرنے لگا۔

لیکن ابھی کچھ فاصلہ باقی تھا کہ لڑکھڑا کر گر پڑا، اُس نے کوشش کی، مگر اُٹھ نہ سکا ـــ مگر قدم اُس کا ساتھ نہ دے سکے اور اُس کا خون سیڑھیوں کو رنگین کرنے لگا۔

تھیوڈورا پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی ـــ اُس وقت جبکہ خود اپنی ذات سے اُسے کوئی ہمدردی نہ تھی، وہ کسی دوسرے کے بارے میں بھلا کیا سوچ سکتی تھی۔

وہ تو اب جولین کی طرف دیکھنا بھی نہ چاہتی تھی۔ اُسے زندگی کی آخری منزل پر معلوم ہوا تھا کہ جولین واقعی جادوگر ہے۔ ایک ایسا انسان جس نے سراب کو سمندر ثابت کرنے کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں صرف کر دی تھیں، جس نے اُسے ایک ایسے رستے پر ڈال دیا تھا جس کی کوئی منزل نہ تھی ـــ اس راستے پر دوڑتے دوڑتے اُس کے نازک پیروں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ اور اب یہ چھالے اُسے بُری طرح تکلیف دے رہے تھے۔

مگر اُس کے اندر جو عقیدہ پرست بلقانی دوشیزہ چھپی بیٹھی تھی، اُس سے نہ رہا گیا۔

وہ اُٹھی، کارڈینل جولین ــــ جولین نہ سہی ایک مسیحی مجاہد آخری وقت تک مسیحیت کی عظمت کے لئے جہاد کرتے کرتے اب دم توڑ رہا تھا ــــ تنہا، بے یار و مددگار ــــ!

تھیوڈورا کو اپنی اور جولین کی زندگی میں ایک عجیب مشابہت نظر آنے لگی ــــ آج وہ شخص بھی یتیم و بے نوا تھا جس کے استقبال کے لئے کبھی ہنگری کا نامور بادشاہ سجسمنڈ، یورپ کا ممتاز سالار ہنیاڑی اور مشرق کا عظیم ترین قیصر مینوئل سر و قد کھڑے ہو جاتے تھے۔ وہ خود کون تھی! وہ، وہ تھی جس نے ہنیاڑی اور قیصر مینوئل کو بڑی حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا تھا۔ لیکن آج وہ بھی بڑی بدنصیب تھی!

اُس نے جولین کو دیکھا، جو بڑی عاجزی کے ساتھ بدستور اُس کی طرف تک رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھی، اور اُس کے قریب آ کر اُس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

اُس نے پیار سے تھیوڈورا کو دیکھا اور کہا:۔

"میری بچّی! مجھے قسطنطنیہ کی شکست کا ملال نہیں، یہ نباہی تو ناگزیر تھی، مجھے مشرقی کلیسا کی رُوحانی شمع کے بجھ جانے کا بھی غم نہیں۔ مگر میں مسیحیوں کی اِس بے حسی کو کبھی معاف نہ کروں گا، کہ اُنہوں نے قسطنطنیہ کو اُجڑتے دیکھا، اور اُسے بچانے کی ذرا کوشش نہ کی۔ خاص طور پر میں ہنیاڑی کو تو ہرگز نہ بخشوں گا، جس نے مدد دینے کا وعدہ تو کیا، مگر پُورا نہ کیا۔ ہو سکتا ہے وہ آئے مگر ــــ آہ! سلطان محمد کو اب مسیحی مذہب کی بے کسی کا یقین ہو گیا ہے ــــ عنقریب ہمارے مقدس مجسّمے اور صلیبیں ترک گھوڑوں کے قدموں میں پامال ہوں گی اور ان پر ماتم کرنے والا کوئی نہ ہو گا۔"

جولین کی آنکھوں سے موت جھانک رہی تھی، جسے دیکھ کر تھیوڈورا کے آنسو نکل پڑے۔ جولین نے آنکھیں کھولیں اور ہاتھ اُٹھا کر دعا دینے کی کوشش کرتے ہوئے بولا:۔

"میں تمہارے اِس ایثار اور مذہب سے محبت پر گواہ رہوں گا میری بچّی!

بے شک تم سینٹ صوفیہ اور سینٹ پیٹر کے گرجوں سے زیادہ مقدس اور قسطنطین و ہرقل سے زیادہ محترم ہو۔ تھیوڈورا! میں ڈرتا ہوں عنقریب سینکڑوں ہوس پرستوں کی نگاہیں تمہاری طرف اُٹھیں گی۔ لیکن میری بیٹی! تم عارضی زندگی کی آسائشوں پر روما الکبریٰ کے وقار اور سارے مغرب کے ناموس کو قربان نہ کر دینا۔ زندگی صرف نام حاصل کرتی ہے اور موت اِس نام کو زندۂ جاوید بنا دیتی ہے۔"

بولتے بولتے جولین اچانک خاموش ہو گیا ــــ زندگی کی وہ آگ، جس کی کوئی دبی چنگاری ابھی تک اُس کے سینے میں چمک رہی تھی، پوری طرح بجھ گئی۔ اُس کا وجود اب راکھ کا ایک ڈھیر تھا۔ تھیوڈورا کے دل میں ٹیس سی اُٹھی، اُس نے اُسے جھنجھوڑا۔ مگر اب وہ ایک بے جان لاشہ تھا۔

تھیوڈورا سوچنے لگی۔ مکار جادوگر، آخر وقت تک سحر پھونکتا رہا۔ لیکن اُس کی یہ سوچ دیرپا نہ تھی۔ اب اُس کا طلسم ٹوٹ چکا ہے۔ اور پھر وہ اپنی زندگی پر غور کرنے لگی ــــ میں نے آج تک جس چیز سے بھی پیار کیا وہی چھن گئی، جس پھول کو پسند کیا وہی خزاں کے ستم کا شکار ہو گیا ــــ میری ہر آرزو، ہر خواہش نامرادی کے مزار میں دفن ہو گئی!"

اور اُس کے دل سے آواز آئی، اپنی قسمت کو بدلنے کے لئے خود کو بدل دو۔ اپنی دُنیا، اپنی کائنات کو بدل دو! اور وہ سوچتی رہی ــــ تاتار کو دیکھو! کل تک جوزیفیہ کی خانقاہ کا دھتکارا ہوا چوکیدار تھا، مگر آج ــــ آج قیصر کا تاج چھیننے والا وہی شخص ہے، وہ مشرقی سلطنت کو صفحۂ ہستی سے مٹانے میں کامیاب ہو گیا ہے!

تاتار! تاتار!! نہیں یہ اس کی زندگی کی ابتدا ہے، جس کی سپاہیانہ زندگی کا آغاز قیصر کے سر سے تاج چھیننے سے ہوا، نہ جانے اس کی اِنتہا کیا ہو گی۔ اس کی خواہش تاریخ عالم میں یادگار تبدیلیاں لائے گی ــــ اور میں! ایک زندہ لاش، ارمانوں اور اُمیدوں

کی بوسیدہ قبر، مَیں اُسے اپنی مجاوری پر کیوں مجبور کردوں۔ مَیں اُس کے راستے میں رُکاوٹ کیوں بنوں !!

"تم اُسے چاہتی ہو؟" تھیوڈورا کے دل نے سوال کیا، اور اس کا جواب دینے سے پہلے ہی اُس کی رُوح تڑپ اُٹھی۔ جیسے کوئی پرندہ پنجرے کی دو ایک ٹوٹی تیلیاں دیکھ کر اُڑ جانے کی کوشش کرتا ہے۔

"تم اُسے یقیناً چاہتی ہو" ـــ دوسری بار غور کیا تو تھیوڈورا کی رُوح مطمئن ہو گئی۔ پرندہ اپنی مجبوری کے احساس سے پنجرے کے ایک کونے میں دبک گیا۔

محبّت ـــ! تھیوڈورا کی روح جیسے مسکرا رہی ہو۔ اُس نے ڈرتے ڈرتے اپنے اردگرد دیکھا۔ کہیں کوئی اُسے مسکراتا ہُوا دیکھ تو نہیں رہا۔ بدنصیب لڑکی اب اپنی خوشی سے بھی ڈرتی تھی۔ وہ اُٹھی۔ اُس نے اپنے متعلق فیصلہ کرلیا تھا۔ ایک عجیب فیصلہ ـــ

آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی ہوئی وہ قیصر کے محل میں داخل ہوئی جس میں ریشمی پردوں کی سرسراہٹ کے سوا زندگی کی کوئی اور نشانی باقی نہ تھی اور تھوڑی دیر بعد مسیحی جادوگر جولین کا مخصوص کلیسائی لباس پہنے، صلیب ہاتھ میں لئے محل کی سیڑھیاں اُترنے لگی۔

جب وہ محل کی سیڑھیوں سے اُتر رہی تھی، اُس کی نگاہیں فصیل کے اُس پار نیلگوں سمندر کی سطح پر آبی پرندوں کا فضائی رقص دیکھنے لگیں۔ وہ لمحہ بھر کے لئے رُک گئی۔ یُوں معلوم ہوتا تھا کہ پرندوں کا یہ رقص ایک اَنجانی مسرّت اور عظیم کامیابی ہے ـــ لیکن وہ مسرّت کیا ہو سکتی ہے؟ قسطنطنیہ ویران ہو چکا ہے۔ اس کے محافظ ایک ایک کر کے ختم ہو گئے ـــ اب دھوئیں اور راکھ سے زندگی کی مسرّتیں کیسے پھُوٹ سکتی ہیں؟ تھیوڈورا کی پلکیں جھک گئیں۔

اور کچھ دیر بعد جب اُس نے آنکھیں کھول کر سمندر کی طرف دیکھا تو دیکھتی کی دیکھتی

رہ گئی —— آبی پرندوں کا رقص ختم ہو چکا تھا۔ سمندری جہازوں کا ایک مختصر سا قافلہ قسطنطنیہ کے سمندر سے باہر نکلتا دکھائی دے رہا تھا — اُس نے آنکھیں کھول کر دیکھا، جہاز بہت دُور تھے۔ مگر اُن کے بادبان اور بادبانوں کے ساتھ لہراتے ہوئے یونانی پرچم پتہ دے رہے تھے کہ یہ قافلہ —— یہ کمک ہنیاڑی کی کمان میں آئی ہے۔

اُس کا دل مسرت کے جذبات سے لبریز ہو گیا۔ وہ سوچنے لگی: مسیحی دُنیا کا یہ نامور سپاہی شاید اس راکھ میں سے کوئی چنگاری تلاش کر سکے جس سے ایک بار پھر کو گرمایا جا سکے۔ لیکن یہ مسرّت، یہ اُمید، یہ فریب زیادہ دیر تک باقی رہنے والا نہیں تھا۔ اِسے تسلیم کرنا پڑا کہ اب ہنیاڑی کا آنا بالکل بے سُود ہے۔ کاش وہ کچھ دن پہلے آیا ہوتا —— کاش!

وہ اسی طرح کی باتیں سوچ رہی تھی کہ معاً اُسے دکھائی دیا —— جہاز بتدریج دُور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ وہ اپنے دل کو سمجھانے لگی: "قسطنطین اعظم کے مقدّس شہر سے اُٹھتا ہوا دھواں شاید جہازیوں نے دیکھ لیا ہے۔ شاید ہنیاڑی نے اسلامی پرچم کو قسطنطنیہ کی فصیل پر لہراتے دیکھ لیا اور اُسے اندازہ ہو گیا ہے کہ اس مختصر سی سپاہ کے ساتھ اب سلطان محمد کو شکست دینا محال ہے ——

تھوڑا سا کے دیکھتے دیکھتے جہاز، جیسے سمندر کی بے کراں پہنائیوں میں کھو گئے اور وہ آہستہ آہستہ پھر محل کی مرمریں سیڑھیوں پر سے اُترنے لگی +

○

پو پھٹ رہی تھی!

سلطان محمد گھوڑے پر سوار سینٹ رومانوس کے دروازے سے قسطنطنیہ میں داخل ہونے والا تھا۔ تاتار نے باریاب ہو کر ہمرکابی کی خواہش ظاہر کی۔

سلطان نے مُسکرا کر تاتار کو اپنے شبرنگ گھوڑے کی لگام تھامنے کی اجازت دے

دی۔ اور جب وہ شہر میں داخل ہوا تو صبح کے نرم رو جھونکے "محمد فاتح" کو خوش آمدید کہنے لگے۔

قسطنطنیہ قبرستان کی طرح خاموش تھا۔ ترک گولوں سے گرے ہوئے مکانات کے ملبے اور ان میں دبی ہوئی لاشوں کے سوا اور کچھ نہ نظر آتا تھا۔ تاتار، محمد فاتح کے گھوڑے کی لگام پکڑے سینٹ رومانوس سے قیصر کے محل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ موڑ مڑتے ہی سلطان کے ہمرکاب افسروں نے ایک یونانی راہب کو دیکھ کر شور مچایا۔

" وہ جولین آرہا ہے پاپائے روم کا خاص نمائندہ۔ معاہدۂ زنجبدین کو توڑنے والا مکار جولین!"

جولین کا نام سنتے ہی تاتار کے جسم میں غصے کی چنگاریاں بھڑک اٹھیں۔ وہ جادوگر آج پہلی بار اس کے سامنے تھا۔ جس نے اس کی مسرت و محبت کی زندگی میں طوفان مچا رکھا تھا۔ یہ وہی پُراسرار راہب تھا جو بلقانی عقیدہ پرست تو ابزادی تھیوڈورا کے دل و دماغ اور اس کی روح پر فرماں روائی کر رہا تھا۔ تھیوڈورا کے حسن و معصومیت پر اپنا منحوس تاریک سایہ ڈالنے والا شخص یہی تھا۔ جب تک جولین زندہ ہے، سلطنتِ عثمانیہ میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ جب تک جولین زندہ ہے، تاتار کے دل کی دنیا میں سکون کا کوئی امکان نہیں۔ تھیوڈورا کو مسرت و اطمینان میسر نہیں آسکتے۔

تاتار رک گیا۔ سلطان کا گھوڑا رک گیا۔ سلطان کے ارد گرد جس قدر ترک افسر اور سردار تھے، سب کے سب رک گئے اور ہر ایک کی نظر تاتار پر لگی ہوئی تھی۔ تاتار نے سلطان کی رکاب تھام کر کہا:۔

" قسطنطنیہ کے خوش نصیب فاتح! یہ میرا شکار ہے۔ قسطنطینِ اعظم کے شہر کی فتح کے صدقے میں میرا شکار مجھے مرحمت فرمائیے"!

سلطان نے تاتار کو مسکرا کر دیکھا اور کہا۔ "تمہیں تمہارا شکار مبارک ہو۔"

تاتار نے سب سے پہلے گردن موڑ کر اپنے کندھے کے زخم کو دیکھا، جس پر پٹی بندھی ہوئی تھی، اور پھر اُس کی نظریں ارجمند پر مرکوز ہو گئیں، جو فاتح قسطنطنیہ کے گھوڑے کے پیچھے تھا۔ اُس نے ارجمند کو اپنے پاس بُلایا۔ اُس کے ہاتھ سے نیزہ لیا اور اُسے تولتا ہُوا جولین کی طرف بڑھا۔ ایک دوسرے کو آمنے سامنے دیکھ کر دونوں کی رفتار بڑھنے لگی۔ ایک دوسرے کے قریب پہنچ کر دونوں لمحہ بھر کے لئے رُکے۔ اِس ڈھیلے ڈھالے سیاہ دامن پر کئی بیگناہوں کے خون، کئی معصوم حسرتوں کا داغ آسانی سے نظر آسکتا تھا۔

تاتار کو ماضی کا ہر واقعہ یاد آگیا تھا۔ اُسے یوں معلوم ہُوا، گویا جب تک جولین زندہ ہے، اس وقت تک تھیوڈورا اپنے دماغ سے سوچنے، اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور اپنی زبان سے بولنے کی تکلیف گوارا نہ کرے گی۔

جولین رقیب تھا، اور تاتار ایسا جوشیلا نوجوان جو اپنے رقیب کا وجود برداشت نہ کر سکا ـــــ وہ دیوانہ وار آگے بڑھا، اور اپنا نیزہ اُس کے سینے میں اُتار دیا۔

ڈھیلے ڈھالے لباس میں لپٹا ہُوا جسم چکرایا، لڑکھڑایا، سنبھلا اور پھر گر پڑا ـــــ اس کے منہ سے ہلکی سی جو چیخ نکلی۔ اُس نے تاتار کو بدحواس کر دیا۔ اُس نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ نیزہ پھینکا، اور اُس لاش کی طرف لپکا، جو اُس کے قریب پہنچنے سے پہلے زمین پر گر چکی تھی ـــــ اُس کے منہ پر پڑا ہُوا نقاب سرک گیا تھا۔

"تھیوڈورا ـــــ!" تاتار چلایا۔

ہاں! یہ تھیوڈورا ہی تھی ـــــ تاتار، زندگی میں جس چہرے کو غور سے دیکھنے کی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا، وہ جس عورت کو زندگی میں اپنانے سے محروم رہا تھا، اب آخری وقت اس کا سر تاتار کے زانوؤں پر تھا اور تاتار اُس پر خاموش جھکا ہُوا تھا۔

ارجمند تیزی سے آگے بڑھا۔ مگر اُسے سلطان کے گھوڑے سے آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوتی۔ پھر جیسے اُس نے اپنے آپ سے کہا:۔

"تاتار کی ناکام محبت، اُس کی زندگی کی آخری حسرت ۔ تھیوڈورا!"

تھیوڈورا نے آنکھیں کھولیں۔ تاتار کو اپنے اُوپر جھکا ہُوا دیکھا۔ اپنا سر اُس کے زانوؤں پر محسوس کیا، اور پھر آنکھیں بند کرلیں، جیسے اُسے اعتبار ہی نہ آیا ہو، جیسے وہ خواب دیکھ رہی ہو۔ نیزے نے اُس کی پسلیوں میں سے گزر کر اُس کا دل چھید ڈالا تھا۔ موت اُس کے ایک ایک عضو پر اپنا تسلّط جما چکی تھی اور تاتار سے باتیں کرنے کا، توقع کے بالکل خلاف ـــــ یہ آخری موقعہ تھا۔ اُس کی فتح اور اُس کی نجات کی یہ آخری گھڑیاں تھیں۔

اُس کی آنکھیں، اور اُس کی نظروں کے تار ـــــ تاتار کی نظروں میں ڈوب گئے ـــــ جیسے وہ اپنی زندگی کی قیمتی متاع ڈھونڈ رہی ہو ـــــ اُس کے دل میں ایک ٹیس سی اُٹھی ـــــ لمحہ بھر کے لئے اُس نے اپنے درد کی اذیّت کو کم کرنے کے لئے آنکھیں بند کیں۔ جن کی گھنی سیاہ پلکیں اب جیسے خمار آلُود ہو کر جھکی پڑتی تھیں اور پھر جیسے کسی خیال سے چونک کر اور کسی انجانے خوف سے ڈر کر اُس نے آنکھیں کھولیں اور کہا:۔

"تاتار! جس روحانی شمع کی روشنی میں تم نے مشرقی کلیسا کا زوال اور خوش نصیب سلطان کے ہاتھوں قسطنطنیہ کی فتح کی واضح تصویر قبل از وقت دیکھ لی تھی، اس نُور کو تم نے آخری وقت تک مجھ سے چھُپا کر جس بخل اور تنگ نظری کا مظاہرہ کیا ـــــ جی چاہتا ہے کہ اُسے کبھی معاف نہ کروں۔ مگر آخری وقت تم نے اپنے ہاتھ سے میری گناہ آلُود زندگی کا خاتمہ کر کے میری رُوح کو خرید لیا۔

مجھے ہرگز یہ توقع نہ تھی کہ مجھ کو آخری منزل کی سیدھی راہ دکھانے والے تم ہو گے۔ ـــــ میرا سر تمہارے زانو پر ہے، اور تم مجھ پر آنسو بہا رہے ہو۔ لیکن مجھے اپنی موت پر فخر محسوس ہو رہا ہے۔ میں مری نہیں، زندۂ جاوید ہو گئی ہوں۔ میں نے شکست کھا کر فتح حاصل کی ہے تاتار ـــــ!!

جولین نے مجھ بدنصیب کی تاریک زندگی کے راستے میں تعصب اور نفرت کی جو شمع

جلائی تھی، اُس نے میری ناتجربہ کار نظروں کو خیرہ کر دیا تھا ـــ میں جگنو کی چمک کو صبح کا تارا سمجھ کر ظلمت کی ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف بڑھتی رہی۔ معصیت کی اس تاریکی میں میرا دل جس نور کے لئے ترس رہا تھا، میں اس سے دُور ہوتی چلی گئی، مگر تمہاری محبّت نے مجھے قعرِ مذلّت میں گرنے سے بچا لیا اور کسی غیبی قوّت نے ابدی ہلاکت کے غار کے دہانے پر پہنچ کر میرا ہاتھ تھام لیا۔"

اُس کی آنکھیں بتدریج یوں بند ہونے لگیں جیسے برف کے طوفان بنفشہ کے پھولوں کو اپنے دامن میں چھُپا لیتے ہیں۔

ایک مرتبہ پھر درد اُٹھا۔ اُس کے دل کا آخری ٹکڑا جیسے خون میں تحلیل ہو کر اُس کے زخم کے راستے سے باہر آنے والا تھا۔ اُس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی مگر جیسے وہ دُنیا کے نُور سے بے گانہ ہو رہی تھیں۔ اُس نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے تاتار کا ہاتھ تھام لیا۔ اور اُس کے ہونٹ آہستہ آہستہ متحرک ہوئے، وہ کہہ رہی تھی :-

ـــ "میں نے نادانستگی کے عالم میں حقیقی زندگی سے مُنہ موڑ کر اور تمہاری بے حسی کے باعث تمہاری محبّت سے آنکھیں چُرا کر ایسا گناہ کیا ہے جو کسی طرح معافی کے قابل نہیں ـــ مگر میری آخری تمنّائیں تمہاری زندگی سے وابستہ ہیں۔ تم میری آخری اُمید ہو تاتار ـــ میری زندگی کی آخری حسرت!!

قیصر کا تاج چھین کر تمہاری زندگی بے نیاز ہو چکی ہے ـــ میں التجا کرتی ہوں کہ اب تم باقی ماندہ زندگی ـــ میرے لئے ـــ اپنی گناہ گار تھیوڈورا کے لئے وقف کر دو!

جب طلوع و غروب آفتاب کے وقت کائنات توحید کی شہادت دینے کے لئے دم بخود ہو جاتی ہے ـــ جب اذان کی آواز سُن کر مُجرم اور خطا کار رُوحیں ندامت کے آنسوؤں کے سیلاب میں غرق ہونے کی تمنّا کریں ـــ تم اس وقت میرے حق میں دُعا کیا کرنا۔ مجھے یقین ہے تمہاری دُعائیں بار آور ہوں گی، اور نفرت و تعصّب کی تاریکی میں زندگی گزارتے ہوئے مجھ سے

جو جو گناہ سرزد ہوتے ہیں، وہ معاف کر دیئے جائیں گے ___ الوداع تاتار! الوداع!"

تھیوڈورا تڑپی۔ اُس کے ہاتھ بے جان ہو کر گرے اور پھر بلند ہونے سے پہلے لرزنے لگے ___ "میرے قاتل ___! میرے محبوب ___!! الوداع! مَیں نے تمہیں معاف کیا ___ تم ...... میری نجات ...... کے ضا ...... ضامن ہو ...... !"

تھیوڈورا کے بازو ڈھنڈے ہو گئے ___ تاتار نے اُنہیں اپنی گردن میں حمائل کرنا چاہا۔ اُس نے مُردہ تھیوڈورا کو اُٹھا کر اپنے سینے سے لگانے کی کوشش کی۔ اُس نے تھیوڈورا کی بند آنکھوں پر بوسہ دینا چاہا ___ شاید اُس کے تنفّس کی گرمی سے تھیوڈورا کی آنکھیں کھُل جائیں۔ لیکن وہ اپنی کسی بھی خواہش کو جامۂ عمل نہ پہنا سکا ___ اس کے دل میں طوفان مچل رہا تھا اور آنکھوں میں دُھندلاہٹ چھا رہی تھی۔

سینٹ صوفیہ کے مینار سے اچانک اذان کی آواز گونجنے لگی ___

تاتار نے تھیوڈورا کو زمین پر اس جگہ لٹا دیا جہاں اُس کا خون قسطنطنیہ کے چند ذرّوں کو گلزار بنا رہا تھا۔ پھر اُس نے اپنے گرد و پیش نگاہ ڈالی۔

سلطان اِس نظارے کی تاب نہ لا سکا۔ اور اپنے افسروں اور سپاہیوں سمیت آگے بڑھ گیا۔

تاتار کے قریب صرف ارجمند رہ گیا جو اُسے یقین دلا رہا تھا ___ کہ وہ جوزلیفیہ میں لیٹا ہوا کوئی خواب نہیں دیکھ رہا۔ بلکہ یہ سب کچھ حقیقت ہے ___ ناقابلِ تردید، حقیقت!

ارجمند کے ہاتھ میں اسلامی پرچم ابھی تک لہرا رہا تھا ___ تاتار اپنی جگہ سے اُٹھا، اُس نے یہ پرچم ارجمند کے ہاتھ سے لے لیا اور پُورے اطمینان کے ساتھ اُسے تھیوڈورا کی لاش پر پھیلا دیا +

○

صوفیہ کے صحن میں صبح کی نماز سے فارغ ہو کر فاتح سلطان قیصر کے محل کی طرف آیا جسے قسطنطینِ اعظم نے اپنی موجودگی میں تعمیر کروایا تھا جس کی کشادہ سیڑھیوں پر کبھی سینکڑوں دربان رنگین وردیوں اور کلغی دار روپہلی خودوں کے ساتھ پہرہ دیا کرتے تھے ـــ وہاں آج جولین کی لاش کے سوا اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔

سلطان سیڑھیاں طے کرتا ہوا مرکزی محراب کے قریب کھڑا ہو گیا ـــ اندر دروازے کھلے تھے ـــ پردے سرسرا رہے تھے۔ لیکن مشرقی سلطنت کے دار الحکومت کے محل اور دربار میں سکوت کی فرماں روائی تھی ـــ ایک ایسا سکوت جو قسطنطینِ اعظم سے قیصر مینوئل تک تمام رومی سلاطین کے دو ہزار سالہ مسرور قہقہوں پر ماتم کر رہا تھا۔

سلطان نے خاموشی کے ساتھ چاروں طرف نظریں اٹھا کر دیکھا ـــ اُس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ وہ کہہ رہا تھا: "خدا کا شکر ہے آج میرا وہ خواب پورا ہو گیا، جو ہمارے اجداد نے آٹھ صدیاں قبل دیکھا تھا۔"

سلطان محل کے اندر داخل ہونے کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ انیس بے نے آکر اطلاع دی: "سلطانِ معظم! قسطنطنیہ کی دیوار کے نیچے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا مزار ظاہر ہو چکا ہے، جسے مسلمان، مسیحی اور یہودی یک زبان ہو کر معجزہ قرار دے رہے ہیں ـــ بجلی کے لپکے کی طرح نور کی دھار آسمان سے زمین کے اِس خطّے تک دکھائی دی اور پھر اچانک یہ مزار زمین سے اُبھر آیا۔"

سلطان نے کچھ سوچ کر حکم دیا:۔

"قسطنطین کے محل اور دربار میں داخل ہونے سے پہلے اس مجاہد کی بارگاہ میں سلام کا نذرانہ بے حد ضروری ہے، جو قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والے مُسلمانوں میں سب سے

پہلا شہید ہے۔ اور ہاں ـــــ! شہر میں اعلان کردو کہ فتح کا جشن حضرت ابو ایوبؓ کے مزار پہ منایا جائے گا، جہاں قسطنطنیہ کے فاتح بہادروں کو اعزاز اور انعام و اکرام بخشے جائیں گے"۔

O

دن پہر سے زیادہ گزر چکا تھا ـــــ

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مزار پر میلہ سا لگ گیا۔ ترک فوج کے افسر اور سپاہی پہنچ گئے۔ مالِ غنیمت کے انبار لگ گئے ـــــ قسطنطنیہ کی نادر اشیاء کی فراوانی نے ایک عجیب کیفیت پیدا کردی۔

سلطان کی سواری آئی تو اعلیٰ افسروں نے سُلطان کے سر پر سے سونے اور چاندی کے سکّے نچھاور کئے اور جب وہ کرُسی پر بیٹھ گیا تو باری باری افسر اور بہادر سپاہی انعام واکرام لینے کے لئے آگے بڑھے ـــــ ہر شخص سلطان کے سامنے ادب سے جھکتا، انعام لیتا، اور پھر اُلٹے قدموں لوٹ جاتا۔

سلطان کی نظریں افسروں اور سپاہیوں کے اِس ہجوم میں تاتار کو ڈھونڈ رہی تھیں، اور وہ کہیں نظر نہ آتا تھا۔ سالارِ اعلیٰ نے سلطان کی بے قرار نظروں کا مدّعا سمجھ کر کہا ـــــ

"اللہ جانے تاتار کہاں چلا گیا؟"

اور سلطان کی نظریں فوراً دُھندلا گئیں ـــــ قسطنطنیہ کا اصل فاتح تو تاتار تھا۔ جس نے قیصر کے سر سے تاج اُتارا تھا۔ اور سلطان وُہی تاج اپنے ہاتھ میں پکڑے تاتار کو ڈھونڈ رہا تھا۔ مگر تاتار جہاں تھا، سلطان کو اس کا علم تھا۔ اُس نے افسوس کرتے ہوئے سالارِ اعلیٰ سے کہا :۔

"قزل پاشا ـــــ! آج مجھے اپنی زندگی کی سب سے بڑی تمنّا کی تکمیل پر بے حد خوشی ہو رہی ہے ـــــ اور بالکل اِسی طرح ـــــ تاتار کو اپنی محبّت کی ناکامی کا غم ہو رہا ہے۔

جس طرح مجھے خوشی منانے کا حق ہے، اسی طرح تاتار کو بھی ماتم کرنے کا حق حاصل ہے ــــ اگر دُکھ ہے تو صرف اتنا کہ وہ آخری وقت تک میری خوشیوں میں شریک رہا، مگر میں اُس کے غم میں شریک نہیں ہو سکا۔ اُس نے قیصر کا تاج میرے قدموں میں ڈال دیا مگر میں ایک عورت کی زندگی اُس کے حوالے نہ کر سکا۔"

قزل پاشا نے سلطان کو اُس کا وعدہ یاد دلاتے ہوئے کہا:۔

" اُمید ہے قسطنطنیہ کی گورنری بہت جلد اُس کا غم دُور کر دے گی۔"

سلطان نے جیسے بڑے خلوص سے جواب دیا: " خدا کرے!"

ایک طرف ترک افسر قسطنطنیہ کی فتح کی خوشی میں فاتح سلطان سے انعام و اکرام لے کر واپس جا رہے تھے، اور دوسری طرف تاتار، ارجمند کے ساتھ تھیوڈورا کی لاش سینٹ صوفیہ کے سائے میں لا کر دفنا رہا تھا ــــ دوست اور دشمن اُس کی طرف اُنگلیاں اُٹھا کر کہتے:

ــــ "سب سے پہلے قسطنطنیہ کی فصیل پر پرچم گاڑنے والا شخص یہی ہے۔"

ــــ قیصر کے سر سے تاج اُتارنے والا شخص یہی ہے۔"

مگر اس پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ تھا ــــ تھیوڈورا کی لاش جیسے اُس کے نزدیک مشرق و مغرب کی سلطنت کے مشترکہ خزانوں سے کہیں زیادہ قیمتی تھی۔

دوپہر کے قریب جب وہ تھیوڈورا کو فانی دُنیا کی آخری منزل پر پہنچا چکا تو سلطان نے فتح کا دربار برخاست کیا۔ اور اُس نے تاتار کے لئے جو تحفہ منتخب کیا تھا اُسے لے کر خود تاتار کی تلاش میں نکلا ــــ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ تاتار اپنی ناکام محبت کو صوفیہ کے سائے میں دفنا رہا ہے۔

جب سلطان وہاں پہنچا ـــــ اُس وقت تاتار مٹی کی آخری مُٹھّی تھیوڈورا کی قبر پر ڈال کر حسرت و افسوس کے ساتھ اپنے خالی ہاتھ جھاڑ رہا تھا ـــــ اُس نے سلطان کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔

سلطان کے جلو میں ابھی تک ترک فوج کے سارے اعلیٰ افسر اور بہادر سپاہی موجود تھے ـــــ قیصر کا تاج بھی ابھی تک اُس کے ہاتھ میں تھا ـــــ وہ چپکے سے تھیوڈورا کی قبر کے قریب آیا۔ تاج قبر کے اُوپر رکھ دیا اور خاموشی سے تاتار کی طرف دیکھا۔

تاتار کی نمناک آنکھیں قیصر کے تاج پر مرکوز تھیں، ہونٹ لرز رہے تھے، جیسے وہ کہہ رہا تھا :۔

" تھیوڈورا دیکھو! میں نے تمہیں اپنے ہاتھ سے تاج چھیننے کی کبھی تکلیف نہیں دی۔ اُٹھو! تم میرے ہاتھ سے جو تاج چھیننا چاہتی تھیں، آج محمد فاتح وہ تاج خود اپنے ہاتھ سے تمہارے سر پر رکھنے کے لئے تشریف لائے ہیں!"

سلطان تاتار کے پاس آیا اور کہا :۔

" تاتار چلو! میں نے قسطنطنیہ کو سلطنتِ عثمانیہ کا دارالحکومت بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ آج سے اس کا نام " استنبول " ہے۔ اور استنبول کی گورنری تمہاری راہ دیکھ رہی ہے "

تاتار نے سلطان کو دیکھنے کی کوشش کی، مگر اُس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور تھیوڈورا کے آخری الفاظ اُس کے کانوں میں گونجنے لگے :۔

" قیصر کا تاج چھین کر تمہاری زندگی بے نیاز ہو چکی ہے۔ مَیں اِلتجا کرتی ہوں کہ اب تم باقی ماندہ زندگی میرے لئے ـــــ اپنی گناہگار تھیوڈورا کے لئے وقف کر دو! جب طلوع و غروبِ آفتاب کے وقت کائنات توحید کی شہادت دینے کے لئے دم بخود ہو جائے۔ جب مؤذن کی آواز سُن کر مجرم اور خطاکار

رُوحیں ندامت کے آنسوؤں کے سیلاب میں غرق ہونے کی تمنّا کریں۔ تم اس وقت میرے حق میں دُعا کرنا! مجھے یقین ہے، تمہاری دُعائیں بار آور ہونگی۔ اور نفرت و تعصّب کی تاریکی میں زندگی گزارتے ہوئے مجھ سے جو جو گناہ سرزد ہوئے ہیں، وہ سب کے سب معاف کردئیے جائیں گے۔"

تاتار کے ہاتھ غیرارادی طور پر دُعا کے لئے اُٹھ گئے ــــ محمد فاتح کے ہاتھ بھی اُٹھ گئے۔ تمام افسروں اور سپاہیوں کے ہاتھ بھی اُٹھ گئے ــــ تاتار رو رو کر تھیوڈورا کی مغفرت کے لئے الحاح وزاری کے ساتھ دُعا کررہا تھا، اور استنبول کا فاتح اپنی ساری فوج کے ساتھ "آمین" کہہ رہا تھا۔

زندگی

تالیف : پنڈت [illegible]
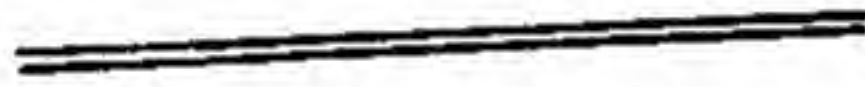
زندگی صحت خیال اور پاکیزگیٔ مطالب کے لحاظ سے دَورِ حاضر کے اکثر معنی طراز ادیبوں کی دقیقہ سنجیوں پر فوقیت رکھتی ہے ——— اور بلا خوفِ تردید یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ :

——— ایسی مُفید کتابیں اُردو ادب میں بہت کم شائع ہوئی ہیں !

زندگی کے نئے مُسافروں کے لیے یہ کتاب بہترین رہنما ثابت ہو سکتی ہے۔ عمر رسیدہ احباب کے لیے بھی اس کے بعض ابواب عمر رفتہ کی شیریں یاد یا آیندہ کا ہولناک تصور ہو سکتے ہیں۔

وہ قومیں

جو زندگی کے ڈرامے کو ایک بے کار تماشائی کی حیثیت سے دیکھنے کی خوگر اور اپنی زندگی کو اہلِ دُنیا کیلیے مُفید بنانے سے لاپروا ہیں، کیا تعجّب کہ اس کتاب کے مُطالعے سے نئی اُمنگوں کے ساتھ اِنسانیت کی تعمیر میں لگ جائیں!

قیمت : پندرہ روپے

قومی کُتب خانہ ○ ۱۹۔ فیروزپور روڈ ○ لاہور